ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

کلیات نظیر اکبر آبادی

طوطی ہند حضرت شیخ
ولی محمد نظیر اکبر آبادی
کا مکمل مجموعہ کلام

ناشر

رام کمار پریس بکڈپو وارث نولکشور پریس بکڈپو لکھنؤ

قیمت مجلد ۱۲/ — سنہ ۱۹۵۱ء — "تیسری دفعہ"

لاَ رَطْبٍ وَّلاَ يَابِسٍ اِلاَّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

کلیاتِ نظیر اکبر آبادی

یعنی

شاعر شیریں مقال حضرت شیخ ولی محمد نظیر اکبر آبادی کا
مجموعۂ کلام بہت سے مطبوعہ اور قلمی نسخوں سے مقابلہ کرکے شایع کیا گیا ہے
نظیر کی نایاب غیر مطبوعہ غزلیات اور فارسی کلام بھی شامل ہے

بتصحیح و حواشی

مولانا عبدالباری صاحب آسی
و
مولوی اشرف علی لکھنوی

راجہ رام کمار پریس بکڈپو وارث نول کشور پریس بک ڈپو لکھنؤ

تیسری بار　　۱۹۵۱ء　　قیمت ...

فہرست کلیات نظیر اکبر آبادی

مع عنوانات

کلام نظیر فارسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

اُردو شعرا میں شیخ ولی محمد نظیؔر اکبر آبادی کی مثال مشکل سے ملیگی۔ ایک طرف تو ان کے ہمعصر اور مابعد کے تذکرہ نگاروں اور نقادانِ فن نے یا تو ان کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کیا ہی نہیں، اور اگر کیا بھی تو مذمت اور ملامت کے لہجہ میں، اور انھیں محض عوام پسند اور بازاری شاعر کی سطح پر رکھا۔ دوسری طرف بعض تذکرہ نویسوں نے جن میں گلستانِ بے خزاں کے مؤلف قطب الدین باطن صاحب بھی شامل ہیں، نظیر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملادیے۔ اور پھر جدید دور کے ناقدوں اور مغربی علوم ادب سے متاثر اہلِ ذوق نے نظیر کو اُردو کا بہترین شاعر قرار دیدیا۔

لیکن اب اُردو ادب کی خوش قسمتی سے شاعر کے موافق و مخالف اتنا مواد فراہم ہوچکا ہے کہ افراط و تفریط سے بچ کر صحیح اور مبنی بر اعتدال رائے ظاہر کی جاسکتی ہے۔

پچھلے تذکرہ نگاروں نے تو اُن کے احوالِ زندگی پر توجہ ہی نہ کی تھی، خدا بھلا کرے، پروفیسر محمد عبد الغفور شہباز کا کہ انھوں نے نظیر اور کلامِ نظیر کے لیے اپنی زندگی وقف کردی اور ۴۲۵ صفحہ کی

ضخیم سوانح "زندگانی بے نظیر" (جسکے دوسرے نام خود مؤلف نے دیباچہ میں "نظیر نامہ دل آویز" اور "اکبرآباد کے نظیر کی سوانح عمری" بھی تحریر کیے ہیں)، اور تقریباً گیارہ سو صفحات کا ضخیم "کلیات نظیر" شائع کرکے اُردو کی بے نظیر خدمت انجام دی، اور انھیں کی کوشش کے نتیجہ میں کہنا چاہیے کہ نظیر دوبارہ زندہ ہوئے، اور آج اُردو ادب کا ہر طالب علم نظیر کے نام سے واقف اور اُن کے کلام کا معترف نظر آرہا ہے۔ بعد کے سوانح نگاروں، تذکرہ نویسوں اور ناقدوں نے نظیر کے بارہ میں مختصر یا مفصل جو کچھ لکھا اس کا اصل ماخذ بھی شہباز کی یہ مذکورہ تالیفات ہیں۔ اس کے تقریباً ۲۰۰ برس بعد نظیر کے ایک ہم وطن سید محمد محمود رضوی مخمور اکبرآبادی نے ایک مبسوط کتاب "روح نظیر" کے نام سے لکھی۔ "زندگانی بے نظیر" بڑی حد تک طرز قدیم کی کتاب ہے۔ اور "روح نظیر" عصر حاضر کے تقاضہ کو پورا کرنے والی۔ اور اس میں کلام نظیر پر تبصرہ بھی جدید معیاروں کے مطابق ہے۔ یہ کتاب پہلی بار سنہ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی اور دوسرا اڈیشن جس کی ضخامت پہلے سے بھی زائد ہے۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ اور سنہ ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اُردو (ہند) کے زیر اہتمام "دیوان نظیر" اکبرآبادی کی اشاعت عمل میں آئی۔ جس کے مرتب اُردو کے ادیب شہیر مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی مرحوم تھے۔ دیوان کے ساتھ ان کا مبسوط و مدلل مقدمہ بھی شامل ہے۔ جس میں نظیر کے کلام پر منصفانہ جنچی تلی رائیں، دہلی کی ٹکسالی زبان میں درج ہیں۔ ان مستقل تصانیف کے علاوہ اردو رسائل میں اب تک نظیر اکبرآبادی کے کلام کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے والے مضامین بھی بکثرت نکل چکے ہیں، جن کی بدولت نظیر نہ تو اب ادب اُردو میں گمنام کہے جاسکتے ہیں اور نہ بدنام۔

سوانح حیات نظیر شہر دہلی میں سنہ ۱۱۴۷ھ مطابق سنہ ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئے (صرف ایک تذکرہ میں اُن کی جائے پیدائش آگرہ بتائی گئی ہے مگر اس کی تائید کہیں اور سے نہیں ہوئی) ان کے والد محمد فاروق کے بارہ اولادیں ہوکر فوت ہوچکی تھیں، نظیر کا نمبر تیرھواں تھا۔ مشہور ہے کہ کسی فقیر کی دعا سے یہ زندہ رہے۔ اور نظر بد سے تحفظ کے لیے بچپن میں ان کے ناک کان چھید کر انکی ظاہری وضع بالکل لڑکیوں کی سی بنا دی گئی تھی۔

حضرت شہباز اس واقعہ کو اپنی مرصّع عبارت میں یوں لکھتے ہیں:۔
"فقیر نے بشارت دی کہ جا خوش ہو، ایک لڑکا تیرا زندہ ہوگا، زندہ رہے گا اور تیرے نام کو زندہ کرے گا، قابلیت اُس کی غنچہ کی طرح شگفتہ ہوگی، اور خوشبو اُس کی پھول کی طرح تمام پھیلے گی۔ ..... نویں مہینے میاں نظیر دبستانِ عدم سے مکتب ظہور میں آئے۔ چونکہ کئی اولادوں کو مار کر ہوئے تھے، جُرم سنگین تھا، لہذا ناک کے ساتھ دونوں کان بھی چھید ے گئے۔ اس سزا پر معصوم آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ بطور عذر گناہ، خوش تر از گناہ، ناک میں بلاق ڈالا گیا، کانوں میں دُر لٹکے۔ بلاق نے نتھنوں سے سرگوشی شروع کی، دُر نے خدا جانے کانوں میں کیا پڑھ کر پھونکا۔ زینت لے اُڑی، بھولا پن منھ دیکھتا رہ گیا۔" (صفحہ ۹)
نظیر نے بڑے پرآشوب زمانہ میں ہوش سنبھالا۔ اولاً نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں محمد شاہ رنگیلے کی دہلی کو تاراج کر چکا تھا، احمد شاہ ابدالی کے تین حملے ۱۷۴۸ء سے لے کر ۱۷۵۶ء تک ہوئے اس لیے نظیر اپنی ماں اور نانی کے ساتھ ۲۲-۲۳ سال کی عمر میں ترک وطن پر مجبور ہوئے اور آگرہ میں مٹھائی کے پُل کے پاس رہنے لگے۔
دہلی میں نظیر کا عہد طفولیت اور نوجوانی بڑی ہنسی خوشی گزرا۔ ماں باپ نے بڑے ناز و نعم میں پالا۔ ہر قسم کی تفریحات میں دل کھول کر حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بچپن کے کھیل تماشوں، تہواروں وغیرہ کی جو تفصیل ملتی ہے وہ اُردو کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ مثلاً دیوالی کے تہوار کا ذکر ملاحظہ ہو:۔

مٹھائیوں کی دوکانیں لگا کے حلوائی ۔۔۔ پکارتے ہیں کہ "لالہ دوالی ہے آئی"
بتاسے لے کوئی، برفی کسی نے تلوائی ۔۔۔ کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا اُنھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

اب ذرا شب برات کا گرماگرم نقشہ ملاحظہ ہو:۔

اگر کسی کے سر پہ چھچھ ندر لگی کرٹی　　اوپر سے اور ہوائی کی آگر پڑی چھڑی
ہوگئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی　　پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم زڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

اُس زمانہ میں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، ٹینس، سینما، سرکس وغیرہ کا تو کوئی نام بھی نہ جانتا تھا، اُن کی جگہ کبڈی، پتنگ بازی، شطرنج، گنجفہ، کبوتر بازی وغیرہ کا چلن تھا، میاں نظیر ان سب میں نوجوانی میں طاق تھے، پتنگ کے پیچ کا ذکر سنتے چلیے :۔

اگر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں "دیکھو　　رہ رہ کے اس طرح سے زناب دیجیے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں اور میاں رکھو　　پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
ہے گا، اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا"

کبوتر بازی سے اپنی دلچسپی کا ذکر یوں کیا ہے :۔

چھوڑ ان کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگاویں　　اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

ایک اور جگہ اس سلسلہ کی بلند پروازی ملاحظہ ہو :۔

تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر　　جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر ناز کبوتر

دہلی سے جب آگرہ منتقل ہوئے تو وہاں بھی سیر و تفریح نے ساتھ نہ چھوڑا، وہاں ہر سال برسات میں پیراکی کا تماشا ہوتا تھا۔ نظیر کے سے غواص سخن کی روانی طبع اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو :۔

کچھ ناچ کی بہاریں، پانی کے کچھ لتاڑے　　دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لب ریز گل رخوں سے دونوں طرف کراڑے　　بجرے و ناؤ، چپو، ڈونگی بنے نواڑے
ان جگھٹوں سے ہوکر سرشار پیرتے ہیں

نظیر کے کلام ہی سے اخذ کر کے پروفیسر شہباز نے انکی تعلیم کا پورا نقشہ کھینچ دیا، یوں انکی بسم اللہ ہوئی، یوں اُنھوں نے ماہ ڈیڑھ ماہ میں بغدادی قاعدہ ختم کیا، اُستاد کو قاعدہ کی ختم کرائی کا انعام ملا۔ پھر پارہ عم شروع ہوتے وقت فاتحہ ہوا، مٹھائی تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد شیخ سعدیؒ کی "کریما"

شروع کرائی گئی اور اس کے ساتھ ہی ہونہار بچّے کی موزونیت اور روانی طبع کے جوہر بھی کھلتے گئے۔ فارسی کی دوسری ابتدائی درسی کتابوں کا مامقیماں، خالق باری، آمد نامہ، محمود نامہ، عطائی نامہ کا نمبر اسکے بعد آیا۔ اس کے بعد گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، انشائے خلیفہ، طاہر وحید انشاء منیر، یوسف زلیخا، ابوالفضل، سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی وخاقانی وغیرہ درسیات فارسی ختم کرائی گئیں، عربی تعلیم کچھ یوں ہی سی رہی، لیکن فارسی پر خوب اچھی طرح عبور ہوگیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نظیر آٹھ زبانوں عربی، فارسی، اُردو، پنجابی، بھاشا، مارواڑی، پوربی اور ہندی سے واقف تھے۔ اور ان کے کلام میں ان سب زبانوں کے الفاظ اور محاورے کثرت سے ملتے ہیں۔ شہباز صاحب لکھتے ہیں :۔

"اُردو چونکہ ہر زبان کو مہمان نوازانہ اپنے کاشانہ میں جگہ دیتی ہے اس لیے جو شخص اُردو میں کمال پیدا کیا چاہتا ہے، وہ گویا بالطبع اور کئی زبانوں کی تحصیل پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی مجبوری اور کچھ طبیعت کی رنگینی کی وجہ سے نظیر نے اپنی توجہ کو مختلف زبانوں کے حاصل کرنے کی طرف مصروف کیا۔ وہ تھوڑے زمانہ میں پنجابی خاصی طرح بولنے لگا۔ برج بھاشا پر اس نے گوپ اور گوپیوں کی سی مہارت حاصل کی۔ پوربیوں کا لہجہ اخذ کیا، مارواڑیوں کی اصطلاحیں یاد کیں۔ ملک محمد جائسی کی بھاشا میں، یا وہ جو تلسی داس کی ہے، اُس میں کمال پیدا کیا...... اُسکی ٹھیک تعیین نہیں ہو سکتی کہ نظیر نے یہ غیر زبانوں میں کمال کس زمانہ میں حاصل کیا تھا۔ پنجابی چونکہ دہلی میں اکثر لوگ پنجاب کے بسے ہوئے ہیں، ...... غالباً اس کو لڑکپن ہی میں معلوم ہوگئی ہوگی۔ لیکن اور زبانیں خصوصاً سنسکرت غالباً اس نے بعد فراغ مکتب سیکھیں"۔

ان کے کلام میں خمسہ ہفت زبان بھی موجود ہے جن سے ان زبانوں میں ان کی مہارت تامہ کا تو نہیں، البتہ ان کی ذہانت، جودت وجدت طبع کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

خوشگوئی کی طرح خوشنویسی میں بھی نظیر نے مہارت حاصل کی تھی۔ شہباز صاحب نے اُنکے ہفت زبان ہونے کے ساتھ ساتھ ہفت قلم ہونے کا بھی احتمال ظاہر کیا ہے۔ فن سپہ گری میں بھی نظیر دخل رکھتے تھے، بڑھاپے تک ورزش کا معمول ترک نہیں ہوا، اور نہ شاعری میں پہلوانی کے کس بل رخصت ہوئے۔ ایک جگہ کہتے ہیں ؎

اے یار سو برس کی ہوئی اپنی عمر آکر ۔۔۔ اور جھرّیاں پڑی ہیں سارے بدن کے اوپر
دکھلاتے جس گھڑی ہیں میدان میں نر جاکر ۔۔۔ رُستم کو بھی سمجھتے اپنے نہیں برابر
اب بھی ہمارے آگے یارو جوان کیا ہے

اُس زمانہ کے دیگر مروجہ علوم ہیئت، طب، معانی و بیان سے بھی خاص واقفیت رکھتے تھے، اور ان کے کلام میں منطق و فلسفہ، کلام و عقائد وغیرہ کی اصطلاحوں کے آنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اس زمانہ کے فضلاء کا فیض صحبت اچھا خاصہ اُٹھایا تھا۔

نظیر نے عمر کا بڑا حصّہ معلّمی میں گذارا، شاگردوں کی فہرست بڑی طویل ہے اُن میں حکیم میر قطب الدین باطن مؤلف تذکرہ گلستان بیخزاں[1] (المعروف بہ نغمۂ عندلیب)، شیخ مداری ضمیر۔ خود نظیر کے صاحبزادے گلزار علی اسیر۔ مہاراجہ بلونت سنگھ۔ راجہ لالہ بدھ سین صافی۔ حکیم میر مہدی ظاہر، شیخ حسین بخش بخشی، شیخ نبی بخش عاشق، منشی حسین علی خاں لہجہ، بیدار بخش لہر، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ صاحب گلستان بے خزاں نے مرزا غالب کو بھی نظیر کے شاگردان رشید کی فہرست میں داخل کردیا ہے، لیکن یہ چیز پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔ پروفیسر شہباز نے تلمذ غالب کے متعلق متضاد بیانات جمع کرکے آخری رائے یہ دی ہے کہ غالب جس زمانہ میں اکبرآباد میں مقیم تھے، وہ اُنکی ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا، اور اُس زمانہ میں آگرہ کے ممتاز ملّاؤں میں صرف دو ہی شخص خلیفہ معظم اور میاں نظیر تھے، غالب کو انھیں دونوں کی طرف رجوع کرنا پڑا:۔

"دو چار غزلیں بھی مکتب ہی میں نظیر کو دکھائیں۔ لڑکے (غالب) کی گاؤزوریاں دیکھ کر ہنسی تو ان کو آئی مگر دل شکنی انکا شعار نہ تھا، داد دے کر جی بھی بڑھایا

[1] یہ تذکرہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرہ گلشن بے خار کے جواب میں ہے، اس پر شیفتہ اور ان کے اُستاد حکیم مومن خاں مومن پر خوب چوٹیں کسی گئی ہیں ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

اور اصلاح سے چپکے چپکے نشیب و فراز بھی بتایا۔ غالب کا زور یہ کہ اردو کو بیدل کی فارسی بنادیں۔ نظیر کا طور یہ کہ بیدل کو سعدی بنادیں، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ سلسلہ اصلاح منقطع۔"

لیکن مولانا حالی، اور دیگر معتقدین غالب نے اس بیان کی سختی سے تردید کی ہے۔

نظیر کی طبیعت میں استغنا بہت تھا۔ واجد علی شاہ نے طلب کیا، نہیں گئے۔ پھر راجہ بھرت پور نے بلایا، انکار کر دیا۔ کچھ دنوں متھرا میں لڑکے پڑھانے کی نوکری کی۔ پھر آگرے میں بھاؤ قلعدار کے معلم ہوئے، اس کے بعد کچھ دنوں نواب محمد علی خاں کے بچوں کو پڑھایا، اور اس نوکری کو چھوڑنے کے بعد راجہ بلاس رائے کے بچوں کو سترہ روپیہ ماہوار (ایک تذکرہ میں ستر روپیہ ماہوار درج ہے) پر پڑھایا۔

نظیر کی شادی دہلی کے ایک آدمی عبدالرحمن خاں چغتائی کی نواسی اور محمد رحمن خاں کی بیٹی تہور النسار بیگم سے ہوئی ان سے نظیر کی دو اولادیں ہوئیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام گلزار علی اور لڑکی کا امامی بیگم۔ امامی بیگم کی صاحبزادی ولایتی بیگم ہی کی بدولت نظیر کی زندگی کے حالات، دنیا کو پہونچے ہیں۔ پروفیسر شہباز مرحوم نے انھیں سے سب حالات معلوم کیے، یہاں تک کہ نظیر کے نوکروں اور ماماؤں کے نام بھی معلوم کیے۔

نظیر اکبرآبادی کی شادی کا قصہ پروفیسر شہباز نے یوں لکھا ہے کہ نظیر جب دہلی سے نقل وطن کر کے آگرے آئے تو اس سے پہلے ہی وہ شاعر ہو چکے تھے، آگرہ اس زمانے میں ناخدائے سخن میر تقی میر کی شاعری اوج پر تھی۔ تمام شہر آگرہ ان کا لوہا مانتا تھی۔

نظیر نے میر کے طرز پر ایک غزل کہی، اور اس غزل کا ذکر میر صاحب کے کانوں تک پہونچ گیا اور انھوں نے "تبسم فرماکر ایک سامر بیانہ ادا سے یوں ارشاد کیا، ہاں بھئی پڑھو اور ضرور پڑھو۔

کل جدید لذیذ۔ دہلی کے چھوکرے تو مشہور ہیں۔"

چنانچہ نظیر نے ڈرتے ڈرتے ایک بزم مشاعرہ میں جس میں میر صاحب بھی جلوہ افروز تھے، اپنی غزل

جس کا مطلع حسب ذیل ہے، پڑھی ؎

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی، پہ قہر آفت غضب خدا کا

"ختم غزل پر میر صاحب نے قریب بلا کر پیٹھ ٹھونکی اور مکرر فرمایا عمرت دراز باد۔"
اس غزل کے باعث نظیر، شعرا اور سخن فہموں کے حلقے میں تو روشناس اور مقبول ہوئے ہی یہ غزل اُن کی شادی کا وسیلہ بنی۔ اس شادی کی ساری رسمیں شروع سے آخر تک نظیر کے کلام میں ذرا ذرا سی جزئیات کے ساتھ موجود ہیں، پروفیسر شہباز نے ان سے فائدہ اُٹھا کر، یہی سارا نقشہ نثر میں بھی، زندگانی بے نظیر کے کئی صفحوں میں دکھایا ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو:—

"گوٹے اور پھولوں کے گہنے ایسے تھے، کہ سب بے اختیار درود پڑھنے لگے آنکھوں میں روشنی آئی۔ دماغ نے تازگی پائی۔ دوشالہ خاص کشمیر کا، ملاست میں ملائی، نرمی میں ریشم، نقش و نگار میں قلم کار چھینٹ، رومال عدد میں طاق، روئے خور کو کچھ مال نہ سمجھیں۔ تار زلف کو اگر کچھ سمجھیں تو چرخے کی مال سمجھیں۔ مردوں کو زیورات سے کیا کام۔ مگر نوشے کا ہاتھ خالی دکھا نہیں جاتا۔ انگوٹھے کے لیے چاپ انگشتانہ ہے۔ چھوٹی انگلی کے لیے ایک مختصر سی انگشتری۔"

نظیر کا حلیہ اور وضع قطع حسب ذیل ہے:—
"رنگ گندم گوں، قد متوسط، پیشانی بلند اور چوڑی، آنکھیں چمکدار، ناک بلند، داڑھی خشخشی، مونچھیں بڑی۔ لباس وہی جو محمد شاہ کے زمانہ میں دہلی میں رائج تھا۔ یعنی کھڑکی دار پگڑی، گاڑھے کا انگرکھا، سیدھا پردہ نئی چولی، اس کے نیچے کرتا، ایک بر کا پاجامہ، گھیتلی جوتی، ہاتھ میں شام دار چھڑی، انگلیوں میں فیروزے اور عقیق کی انگوٹھیاں۔"

خود نظیر نے اپنے بارہ میں جو لکھا ہے، اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیے ٹک اس کا بیاں   تھا وہ معلّم غریب بزدل و ترسندہ جاں

فضل نے اللہ کے اُسکو دیا عمر بھر — عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان
فہم نہ تھا علم سے عربی کے کچھ بھی اُسے — فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ این و آں
شُستہ رُوش، پست قد، سانولا ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق میاں
ماتھے پر اک خال تھا چھوٹا سا مسّہ کے طور — تھا وہ بڑا آنکھ اور ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اسکی تھی تسہ نہ رکھتا تھا ریش — مونچھیں تھیں اور کانوں پہ بھی تھے پٹہ بیاں
پیری میں تھی جس طرح اُسکو دل افسردگی — ویسی ہی تھی اُن نوں جن نوں میں تھا جواں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب میں — پختگی و خامی کے اسکے تھا خط درمیاں

۱۲۴۲ھ میں نظیر پر فالج کا حملہ ہوا لیکن اس سے سنبھل گئے۔ ۱۲۴۶ھ میں اس مرض کے اثر سے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مکان کے صحن میں شمال کی جانب نیم اور بیر کے دو درخت تھے، انھیں کے نیچے بوریے پر بیٹھ کر بچوں کو پڑھاتے، اور وہیں دوست اور شاگردوں سے ملاقات کرتے۔ غزلوں پر اصلاح دیتے، اور اپنا کلام بھی سناتے یہی گویا اس مردِ فقیر کا دیوان خانہ (ڈرائنگ روم) تھا، وفات بھی انھیں درختوں کے تلے پائی اور مدفن بھی وہیں بنا۔

نظیر مذہباً شیعہ تھے یہ اُن کی نواسی کی روایت ہے۔ اور اُن کے کلام کے تتبع سے بھی یہی نظر آتا ہے، حضرت علیؓ کے معجزات و منقبت والے اشعار اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں مذہبی تنگ نظری اور تعصب کا پتہ نہیں وہ صوفی منش اور عقیدہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ بزرگان دین سے گہری عقیدت رکھتے تھے، سُنّی بزرگ مثلاً شیخ سلیم چشتی رح وغیرہ کی شان میں اُن کا کلام اُن کے حسن عقیدت کا مظہر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب والا اُن کو اپنے میں شامل کہتا تھا۔ ان کی وفات پر سنیوں اور شیعوں دونوں نے اپنے اپنے طریقے پر نماز جنازہ ادا کی، اور جنازے کی چادر اُن کے ہندو شاگرد اتار لے گئے۔ شاگردوں ہی نے اُن کی قبر پختہ بنوائی۔ ہندو شاگردوں نے سوئم کے دن قبر پر میلہ کیا اس سلسلہ میں

غلام رسول کی مسجد میں قرآن خوانی بھی ہوئی ۔ قبر اب بھی موجود ہے ۔ مگر لوح مزار غائب ہو چکی ہے انتقال کی تاریخ اس مصرعہ سے نکلتی ہے ؎

مخمس بے سروپا، بیت بے دل، فرد بے سر شد

نظیر کے عادات و اخلاق کی سب ہی نے تعریف و توصیف کی ہے ۔ ان کے کلام کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو شاید ان کی جوانی کا کلام ہے، اور جس میں شوخی و رندی نمایاں ہے، باقی کلام سے ان کے بہترین اخلاق پر روشنی پڑتی ہے ۔ وہ طبعاً آزاد اور روادار تھے، تمام عمر نہ کسی کی مدح سرائی کی نہ ہجو سے اپنی زبان و قلم کو گندہ کیا ۔ ہر شخص سے بکشادہ پیشانی ملتے ۔ خلاف مزاج باتوں پر بھی برہمی کے آثار چہرے سے ظاہر نہ ہوتے ۔ اُن کی خوش مذاقی ہر انجمن کو شگفتہ بنا دیتی ۔ حاجتمندوں کے ساتھ اپنی حیثیت سے بڑھ کر سلوک کرتے اور حتی الامکان کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی نہ واپس کرتے ۔ دوستی کا پاس و لحاظ حد درجہ کرتے ۔ بچّوں، جوانوں، بوڑھوں سب ہی سے بے تکلف بات چیت کرتے ۔

حضرت شہباز نے ان کے کلام سے ایسے نمونے نکال کر دکھائے ہیں جن سے ان کے اعلیٰ اخلاق کا پتہ چلتا ہے، نظیر نے یہ اشعار محض زبان سے نہیں کہے، زندگی بھر اُن کا عمل بھی انھیں پر رہا، شاعر بے عملی کے لیے مشہور ہیں، نظیر جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے جو کہتے تھے وہی کرتے تھے

بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات ۔۔۔ کھا تو بھی، اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اس کے تیرا اونچا رہے گا ہات ۔۔۔ اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائے گی بابا

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی ۔۔۔ چڑھتی ہے پہاڑوں کے اوپر ناؤ سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اسے کی ۔۔۔ تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا

نظیر کی نواسی کا حسب ذیل بیان زندگانی بے نظیر میں درج ہے :۔

"نانا جان بڑے ہی سخی مزاج کے آدمی تھے۔ اُنھوں نے تمام عمر اپنے ہاتھ سے روپیہ نہیں چھوا، جہاں کہیں سے روپیہ آیا، روپیہ لانے والے سے کہا کہ اسکو رومال میں باندھ دو۔ پھر اس رومال کا ایک سرا پکڑ کر جیسے کوئی نجس چیز ہو، گھر میں ڈال جاتے، یا کسی آدمی سے کہتے کہ گھر بھجوا دو۔ نانی کا جس طرح جی چاہتا، خرچ کرتیں۔ وہ پوچھتے بھی نہیں کہ کیا ہوا اور کدھر گیا۔"

مال و دولت سے ان کی بے نیازی اور فقیر منشی کا ثبوت اس حکایت سے بھی ملتا ہے کہ لکھنؤ کے نواب (غالباً واجد علی شاہ) نے اُن کے کلام کا شہرہ سن کر بلا بھیجا، اور قاصد کے ہاتھ تین ہزار روپیہ بھی بھیجا۔ روپیہ نظیر نے لے کر گھر میں رکھا اور قاصد سے کہا کہ اپنے فیصلہ سے میں کل مطلع کروں گا۔ لیکن رات بھر روپیہ کی حفاظت کے خیال سے سو نہ سکے۔ صبح ہوتے ہی قاصد سے کہا کہ بھائی یہ روپیہ تو بڑے بکھیڑے کی چیز ہے۔ چور کے ڈر کے مارے میری تو رات بھر اُدھیڑ بن میں گذری کہ نیند حرام ہوگئی۔ سو مجھ کو ایسی چیز لینی منظور نہیں۔ آرام سے اپنا سوتا ہوں اور شکر خدا بجا لاتا ہوں۔ اپنی ایسی عمدہ عافیت کو میں اتنے روپیے کے لیے بیچ نہیں سکتا۔

پروفیسر شہباز نے اس واقعہ کے متعلق اُن کی نواسی سے دریافت کیا تھا، انھوں نے بتایا کہ ہاں لکھنؤ کے نواب نے بلا بھیجا تھا، لیکن اُنھوں نے کہا کہ میں ماشہ بھر کا قلم ہلانے والا میاں کدھر جاؤں۔ امیروں کے لائق کہاں ہوں۔ یہی کہہ کر ٹال دیا اور نہ گئے۔

اُن کے اخلاق جمیلہ کی تعریف اُردو کے قدیم مستند تذکرہ نگار ابو القاسم میر قدرت اللہ قدرت نے یوں کی ہے :۔

"شیخ ولی محمد اکبر آبادی شاعر ہے ہست دیرینہ مشق کہ بالفعل دراں نواح علم اُستادین می افرازد و نزد محبت و اخلاص باہر کسے می بازد، بسیار سلیم الطبع و

خوش اختلاط، ونہایت نیک طینت، ومستحکم ارتباط شنیدہ می شود۔ بہ معلّمی اوقات گذراں
می کند و بکشادہ پیشانی ایّام زندگی بسر می بَرد۔"
تذکرہ گلستانِ بے خزاں کے مؤلف میر قطب الدین باطن نے اُن کے اخلاق و اطوار کے بارہ میں بہت
کچھ لکھا ہے، اور یہ اُس زمانہ کی مروجہ مقفیٰ و مسجیٰ انشا رہے، چند فقرے ملاحظہ ہوں:۔
"پیر مغاں میکدۂ سخن، جرعہ کش رادقِ مضامین نو و کہن، جناب سید ولی محمد نظیر۔
لعل معدنِ حلم وحیا، گوہر گنج اتقا، خورشید آسمانِ وفا، ماہِ چرخ صفا: .....
مخزنِ جود و احسان، معدنِ الطاف بے پایاں، حلیم الطبع، خلیق الوضع.....
حریفِ محفل آشنائی، ظریف انجمن دانائی..... چرخ ہمت زمین حلم، دور از جہل
نزدیک بعلم، وحید عصر یکتائے زماں، رفیع مرتبت، بزرگ شوکت، والا فطرت،
اوج فتوت۔"
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار" میں ان کی شاعری کے بارہ میں کوئی اچھی رائے نہیں ظاہر کی،
لیکن اخلاق و عادات کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ لکھتے ہیں:۔
"گویند کہ نظیر در حلم و خلق و انکسار بے نظیر روزگار است۔"
سعادت خاں ناصر صاحب تذکرہ خوش معرکہ کی رائے حسب ذیل ہے:۔
"نظیر وضع قلندرانہ، مرد آزاد۔ معاش اس کی تعلیم صبیاں اور اُجرت صدائے فقیرانہ۔"
اُردو کے مشہور قدرداں اور ناقدِ سخن ڈاکٹر فیلن نے نظیر کے حق میں اتنا زیادہ لکھا ہے کہ کسی مغربی اہل قلم
سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔
"اُس کی نظمیں، آپ اُس کی سوانح عمری ہیں۔ کیونکہ قالب نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی
خصوصیتوں کے جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اور سامان نہ سہی، فقط انھیں نظموں سے اسکی
تصویر کے بعض خط و خال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد بے نوا تھا،
اور یہی وہ اپنے تئیں بتاتا بھی تھا۔ وہ اصل میں دنیا سے بے تعلق صوفی تھا۔ جس کا اُردو کو

صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تقدیر کی نہ موافقت کی پروا کرتا تھا نہ مخالفت کی، وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پروا کرتا تھا نہ کسی عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے اُن کے حسن صورت پر غش ہو رہے۔ نہ اقبال سے پھولتا تھا نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا، جب کہ اُس نے خود لکھا ہے" وہ اپنی کھال میں مست تھا۔" اس نے کبھی اپنی کسی تحریر کو حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا۔ اُس کی نسبت لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس کا معمول یہ تھا کہ نظم لکھی اور لکھ کر پھینک دی، شاگرد یا دوست جن کے لیے وہ لکھی، اُٹھا کر لے گئے..... نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا، وہ ہر چیز کی خوبی پاتا تھا۔ وہ خوش ہے جب گروہ کا گروہ خوش ہے، اُن کے کھیل تماشوں سے مزا لیتا ہے، وہ ان کی مصیبتوں سے دُکھ پاتا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کو غریبوں مفلسوں، بیکسوں، مصیبت زدوں اور سب سے کس مپرس خدا کی مخلوق کے ساتھ جوش ہمدردی ہے، جب کہ اس نے اس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے اپنی اُس عمدہ نظم کے مقطع میں ظاہر کیا ہے، جو اس نے آدمی نامہ کے نام سے انسان پر لکھی ہے:۔

اچھے بھی آدمی ہی کہلاتے ہیں اے نظیر — اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر، بے ثباتی عالم کے دل سے قائل تھے، اس لیے ان کے کلام میں عبرت و موعظت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں، اُن کا یہ عبرت آگین قطعہ تو اُردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے:۔

تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا — گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا — مشیّن بدن تھا، معطر کفن تھا
جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا — نہ عضو بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی — جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

یہ اوپر بتایا جا چکا کہ نظیر بزرگان دین کے سچے ارادت مند تھے، صوفیا کے فیض صحبت سے

اُن کے آئینۂ دل پر بھی جلا ہو گئی تھی، کلام میں تصوف کے اثرات کثرت سے نمایاں ہیں، لیکن دقیق و غامض مسائل میں نہایت آسان عام فہم اور عوام پسند زبان میں ادا کیا ہے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے جو کچھ کہا محض "قال" نہیں "حال" ہے، ہر قسم کے شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی۔ شہباز صاحب، نظیر کے اس رنگ طبیعت پر ذیل کی رنگین عبارت لکھتے ہیں:-

"صوفیوں میں بیٹھتے بیٹھتے اُس پر عام جلوۂ باری کی حقیقت روشن ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ وحدت الوجود کا آفتاب کس طرح ہر ذرّہ کے مطلع سے چمک رہا ہے۔ اس یقین کے ساتھ بھی اس کی زبان گستاخ نہیں۔ وہ ادب کے قرینے ملحوظ رکھتا ہے۔ منصور کی طرح انا الحق کے شور سے توحید کی روئی نہیں دُھنکتا۔ عرفان کی عینک چڑھی ہوئی ہے۔ غور کے تال ادب کی کمانی میں جھک رہے ہیں۔ نگاہیں کہاں سے کہاں پہونچتی ہیں۔ کہتا ہے ؎

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان — ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں، با رنگ میں، نیرنگ میں پہچان — منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
نت روم، دنت ہند میں، اور رنگ میں پہچان — ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم و ارادے میں ہر آہنگ میں پہچان — ہر دھوم میں، ہر صلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اسکا ایک اور بند ملاحظہ ہو ؎

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار — کہتا ہے کوئی دیر میں پوتھی کے سماچار
پہونچا ہے کوئی پار، بھٹکتا ہے کوئی دار — بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز کوئی بے کس، کوئی ظالم، کوئی لٹھ مار — مفلس کوئی، ناچار، تونگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماندا کوئی، اچھا کوئی بدکار — جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب اسرار

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اسی مسلک "ہمہ اوست" پر نظیر زندگی بھر جمے رہے، دونوں مذاہب کے پیرو، ان کا احترام کرتے اور ان کے کلام کی قدر کرتے تھے۔ پروفیسر شہباز نے مرحوم کی نواسی سے ان کے مذہبی عقائد کے بارہ میں بتایا کہ اگرچہ وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے، لیکن کسی فرقہ والے سے جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ صلح کل آدمی تھے۔ تعزیہ داری بھی کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشائخ سے خاص ربط رکھتے تھے، ہندوؤں کے یہاں معلمی کے سلسلہ میں ملازمتیں کیں اور ان کی فرمائش پر کنھیا جی کے جنم، اور مہادیو وغیرہ کے بیاہ پر معرکۃ الآرا خلوص میں ڈوبی ہوئی، نظمیں لکھیں جو ہندو عوام میں بہت مقبول ہوئیں، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مزاج میں تعصب نام کو نہ تھا۔

آگرہ میں ایک بزرگ حضرت میر ابو العلا کا مزار ہے۔ ان کا عرس نویں صفر کو ہوتا ہے اُس عرس میں نظیر نہایت پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ یہ تحقیق نہ ہو سکی کہ خود وہ کسی کے مرید ہوے تھے یا نہیں۔ تاہم یہ بالکل ثابت ہے کہ اُن کا دل خوش عقیدگی سے معمور تھا اور بزرگوں کے فیض صحبت اور جذب ارادت کے باعث وہ صاحب نسبت ہو گئے تھے اسلیے تصوّف کے رنگ میں جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ اہل دل کو تڑپا دیتا ہے۔

نظیر کو موسیقی سے بھی خاص لگاؤ تھا، بقول حضرت شہباز:۔

"نظیر کے ہر فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا اگن رسیا تھا"

شعراء کے لیے موسیقی سے کچھ نہ کچھ مناسبت طبع بہر حال ضروری ہوتی ہے۔ لیکن نظیر کے کلام سے تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ اور ماہر موسیقی دانوں میں سے تھے، اپنے کلام خاص مواقع کے لیے وہ الفاظ بھی ایسے لاتے ہیں اور ان کو اس طرح ترکیب دیتے ہیں کہ نظم میں موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور سے جہاں جہاں انھوں نے گانے بجانے اور بزم نشاط کی جو سماں کا نقشہ کھینچا ہے، وہاں ان کا یہ کمال خصوصیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس زمانہ کا ایک مشہور

کلانوت متخلص بہ موج اور اس کا بیٹا آہر، دونوں نظیر کے شاگرد تھے، اور اپنے تصنیف کردہ گیتوں اور شعروں پر میاں نظیر سے اصلاح لیتے تھے۔ نظیر کی بہت سی غزلیں ان دونوں باپ بیٹوں کی وجہ سے مشہور ہوئیں۔ یہ لوگ عموماً نظیر کی ہدایت کے مطابق یا بطور خود ان کی غزلوں کی دھنیں مقرر کر کے نہایت دلفریب انداز میں گاتے اور ان کا شہرہ فوراً تمام شہر میں ہو جاتا۔

نظیر کی تصانیف

نظیر نہایت پرگو شاعر تھے۔ غیر معمولی قوی دماغ پایا تھا۔ نظر انتہائی تیز اور دور رس تھی اور خیالات میں حد درجہ وسعت تھی۔ اپنے زمانہ کی تمام اچھی بری سوسائیٹوں کو خوب اچھی طرح چھان ڈالا اور سب ہی پر مفصل طبع آزمائی کی۔ عمر بھی تقریباً نواسی سال کی پائی، نہ معلوم کتنے اشعار کہہ ڈالے، لیکن وارفتہ مزاجی کے باعث کلام جمع کرنے اور اُسے مرتب کرنے کا اہتمام نہ تھا۔ نہ معلوم کتنا کلام ضائع ہوگیا۔ نہ معلوم کتنا کلام دوسروں کو بخش دیا۔ فقیر آتے صدائیں لکھوا لے جاتے، چھوٹے بچے آتے، اور فرمائش کے مطابق اشعار کہلوا کر لے جاتے۔ تقریباً سات ہزار اشعار پر مشتمل ان کا کلیات جو اولاً چھپا، وہ ان کے دو ہونہار شاگردوں ایک ہندو رئیس بلاس رائے کے لڑکوں کی بدولت چھپا۔ روایتوں میں ہے کہ نظیر کو اس رئیس کے یہاں معلمی کی تنخواہ ستر روپیہ ماہوار ملتی تھی، یہ لڑکے اُستاد سے پڑھتے بھی اور کلام بھی جو کچھ لتا، بیاض میں لکھتے جاتے۔ کلام جس قسم کا بھی ہوتا، اُسے وہ بلا استثنار جمع کرتے۔ سب سے پہلے یہ کلیات مطبع الٰہی کنبوہ دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا۔ لیکن یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں کہ نظیر کا کلام کل اتنا ہی تھا۔ اس لیے کہ اس کلیات میں غزلوں کی تعداد چالیس سے زائد نہیں۔ نظیر کے ایک دور کے عزیز اور ادب اُردو خصوصاً کلام نظیر سے خاص ذوق و شغف رکھنے والے مرزا نوازش علی بیگ کے بیان کے مطابق، غزلیات نظیر پورے ایک دیوان کی شکل میں ردیف وار مرتب تھیں۔ قطب الدین باطن (صاحب تذکرہ گلستانِ بے خزاں)

نے نظیر کے اشعار کا اپنے تذکرہ میں جس طرح انتخاب کیا ہے، اُن سے بھی اس دعوے کا اثبات ہوتا ہے۔

متذکرۃ الصدر کلیات کا دوسرا اڈیشن ۱۸۶۲ء میں مطبع احمدی چارسو دروازہ میرٹھ میں شائع ہوا۔ اس میں اور مطبع الٰہی والے اڈیشنوں میں کلام کے فحش اور مبتذل حصے بھی شامل تھے۔ اس کے بعد اردو کے خزائن نایاب کو دستبرد فنا سے بچانے میں سب سے اول رہنے والے مطبع نامی منشی **نولکشور** لکھنؤ نے اسے اپنے یہاں انتہائی نفاست کے ساتھ شائع کرایا، لیکن اس کے وہ اشعار جو فحش سمجھے جاتے تھے خارج کر دیے۔ مطبع نولکشور کے اس اڈیشن میں ذیل کی رائے مصحح کتاب سید تصدق حسین صاحب کے قلم سے درج ہے:—

"مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہے۔ خواب غفلت سے دنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسن ادب سے جگایا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پُر تاثیر ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر وقت میں اس کا مداح صغیر و کبیر ہے۔ یہی کلیات ہے کہ اگر بچشم ظاہر سے اس کو دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہے، اور اگر دیدۂ حق بیں سے بغور و تامل ملاحظہ ہو، تو سراسر دنیائے ناپائیدار کی مذمتوں اور چرخ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ رہا ہے۔"

مطبع نولکشور کا یہی اڈیشن عام طور سے ملتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں نظیر کو قعر گمنامی سے نکالنے والے اور ورطۂ بدنامی سے نجات دلانے والے ادیب سحر طراز مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز پروفیسر اورنگ آباد کالج نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے ایک اور کلیات نظیر مرتب کر کے مطبع نولکشور سے شائع کرائی (پروفیسر شہباز کی مرتب کردہ نظیر کی سوانح عمری "زندگانی بے نظیر" بھی اسی مطبع نے شائع کرائی) اس کلیات کے علاوہ نظیر کے تین مکمل دیوان اور تھے، دو اردو میں ایک فارسی میں۔

ل̲ہ پروفیسر شہباز نے اس مطبع کو آگرہ کا مطبع تحریر کیا ہے لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ نے دیوان نظیر کے مقدمہ میں اسے میرٹھ میں قرار دیا ہے ۱۲ اشرف علی

ان اُردو دیوانوں کی غزلوں کا انتخاب' باطن کے تذکرہ گلستاں بے خزاں میں ہے، لیکن فارسی کا دیوان لاپتہ ہے۔ اُس کے نمونے پروفیسر شہباز نے اپنی مرتّب کردہ کلیات نظیر میں دیے ہیں اُنھوں نے زندگانی بے نظیر میں لکھا ہے کہ مرزا نوازش علی بیگ صاحب نے ان سے اس فارسی دیوان کا ذکر کیا تھا اور جب انھوں نے طلب کیا تو مرزا صاحب نے کہا کہ میرے ایک عزیز اُردو اور فارسی دونوں دیوانوں کو گوالیار لے گیے ہیں وہاں سے منگوا کر حاضر کروں گا لیکن یہ وعدہ وفا نہ ہوا۔

اُردو کے مشہور فرانسیسی محقق گارسان دی تاسی نے لکھا ہے کہ نظیر کا دیوان سب سے پہلے ۴۲ صفحات پر ۱۸۲۰ء میں لیتھو کے ذریعہ ناگری حروف میں شائع ہوا، جس کے ٹائٹیل پر میاں نظیر کی تصویر بھی تھی، اور پھر ۱۸۵۰ء میں ان کا دیوان نستعلیق خط میں خاص آگرہ سے شائع ہوا، جسے خود نظیر نے مرتّب کیا تھا۔ لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی (جنھوں نے ۱۹۴۲ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ دیوان نظیر مرتّب کرکے انجمن ترقی اُردو ہند کے زیر اہتمام چھپوایا) گارسان دی تاسی کے اس بیان کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس نے جن دیوانوں کے انطباع کا ذکر کیا ہے وہ دراصل دیوان نہیں، کلّیات تھے۔ جن میں صرف غزلیں نہیں بلکہ ہر قسم کے اشعار تھے۔

اُردو کے یہ دونوں دیوان' انجمن ترقی اُردو کے اس ۱۹۴۲ء والے اڈیشن میں شامل ہیں، اور ان کی ترتیب و تہذیب و تصحیح میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے بڑی ہی محنت کی ہے۔ یہ وہ نایاب دیوان ہیں' جن کی تلاش میں پروفیسر شہباز عمر بھر سرگرداں رہے اور بالآخر ان لفظوں میں ناکامی کا اعتراف کر گئے:۔

"ورثا میں تحریک کی گئی' لیکن ان کیمیا گروں کو اس نسخے کی اشاعت منظور نہیں ..... باضابطہ دیوان اس کا ابھی تک خاندان کے بعض تنگ خیال لوگوں کے خلوت خوش خیالی میں بند ہے"

مرزا فرحت اللہ بیگ کو یہ دونوں دیوان جس طرح ملے، اُس کا حال اُنھوں نے دیوان نظیر شائع کردہ انجمن ترقی اُردو (مطبوعہ دیال پرنٹنگ پریس دہلی) میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے

اور اُس کے آغاز میں یہ برمحل شعر چسپاں کیا ہے سہ

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

یہ دیوان مرزا فرحت اللہ بیگ کو آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد (دکن) (جو ایک زمانہ میں نسوانی زبان کے اُردو رسائل میں مضامین لکھنے کے لیے مشہور تھے) کے یہاں اتفاقاً ہاتھ لگے، اُنھیں ایک مضمون لکھنے کے سلسلہ میں کلیات نظیر (شہباز اڈیشن) کی ضرورت تھی، چونکہ آغا صاحب پُرانی کتابوں کے جمع کرنے کے بڑے شائق تھے، یہ انھیں کے یہاں اسکو دریافت کرنے گئے، انھوں نے کہا کہ وہ کلیات تو نہیں، ہاں ایک قلمی دیوان ہے۔ دیکھتے ہی مرزا فرحت اللہ بیگ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں :۔

"یا میرے اللہ، یہ وہ دیوان ہیں جن کی تلاش میں پروفیسر شہباز نے تمام ہندوستان چھان مارا اور نہ ملے۔ تذکرہ نویسوں نے ان دیوانوں کا ذکر تو کیا، مگر سوائے باطن کے اور کسی کو انکا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔"

یہ دونوں دیوان آغا حیدر حسن خاں کو اُن کے نانا عبدالرحمٰن خاں دہلوی المعروف بہ استاد احسان دہلوی کے کتب خانہ سے ملے تھے، ۱۸۵۷ء کے ہوشربا ہنگامہ میں ان کا کتب خانہ غارت ہوا تھا، حسن اتفاق سے جو چند کتابیں بچ گئیں، ان میں یہ دونوں دیوان بھی تھے۔ یہ دیوان نہایت نفیس کشمیری کاغذ پر ہیں، اور ان کے شروع میں نظیر کی تصویر ہے، اور شروع میں وہ نظمیں ہیں جو انھوں نے ہندوؤں کے اوتاروں کے بارہ میں لکھی تھیں، اور ان دیوانوں میں نظموں کے لحاظ سے بعض لاجواب تصویریں بھی تھیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کا قیاس ہے کہ یہ دیوان نظیر کے کسی امیر ہندو شاگرد کے پاس تھے، اگر راجہ بلاس رائے کے لڑکوں کے پاس ہوتے تو جس طرح انھوں نے کلیات چھپوائی، ان دیوانوں کو بھی ضرور چھپواتے۔ نظیر کے امیر ہندو شاگردوں میں مہاراجہ بلونت سنگھ المتخلص بہ راجہ بھی تھے لہذا ان دیوانوں کو انکی ملک سمجھنی چاہیے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے نزدیک ان کے مرتّب کردہ دیوان نظیر میں نظیر کی ساری غزلیات آگئیں، لیکن جناب مخمور اکبر آبادی صاحب روح نظیر نے روح نظیر کے دوسرے اڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۹۴۲ء میں اس رائے کو ذیل کے وجوہ سے غلط ٹھہرایا ہے۔

(۱) ضیائے عباسی ہاشمی ضیائی بدایونی والا نسخہ، جس سے صاحب روح نظیر نے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، بہت سی ایسی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں۔

(۲) مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج - آگرہ) نے کلام نظیر کا جو ذخیرہ مرتّب کیا ہے، اُس میں اس کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام شامل ہے۔

(۳) اسی طرح منشی درگا پرشاد مہر ایڈوکیٹ و رئیس پنی گلی آگرہ کے پاس بھی، نظیر کا بہت سا غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ پنڈت کیلاش ناتھ کنزرو وکیل سرکار و رئیس اکبر آباد کے قبضہ میں بھی بہت سا غیر مطبوعہ کلام نظیر تھا جن کا بڑا حصّہ پورے دیوان حافظ کی تضمینوں پر مشتمل تھا۔

(۵) سہارن پور کے ایک ایڈوکیٹ بابو رام گوپال کے پاس بھی کچھ غیر مطبوعہ کلام محفوظ بتایا جاتا ہے، یہ اسی کھتری خاندان سے ہیں جہاں میاں نظیر پڑھانے جایا کرتے تھے

(۶) مولوی عابد علی صاحب (شاہ گنج - آگرہ) کے قول کے مطابق بندرابن کے کسی حلوائی یا کنجڑے کے پاس نظیر کا اچھا خاصہ غیر مطبوعہ کلام موجود ہے۔

(۷) نظیر کی جانب منسوب بہت سا کلام لوگوں کو زبانی یاد ہے، جو قید تحریر سے آزاد اور سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، کلام نظیر کے ان حافظوں میں پھیری کرنے والے گداگر، قلندر، خوانچہ والے "چنا جور گرم" بیچنے والے وغیرہ شامل ہیں۔

تصانیف نثر

نظیر اکبر آبادی نے نثر میں جو کچھ لکھا، فارسی میں لکھا، صرف ایک چھوٹی سی کتاب

اُردو انشا میں بھی لکھی ہے جس کا نام فہم قرین ہے ۔ یہ دستور الصبیان کی وضع کی مختصر سی کتاب ہے، اور اس میں مبتدیوں کے لیے آسان عام فہم عبارت میں رقعات لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعہ کی عبارت میں کسی قدر رنگینی نظر آتی ہے ۔ یہ رقعہ مرشد، باپ، چچا، خالو، ماموں پھوپھا۔بھائی اور ماں کے نام ہیں ۔ان کا مقصود، مبتدی طالب علموں کو خط و کتابت سکھانا ہے، ان میں عام القاب، آداب، خط کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے اُس زمانہ کے مروّج طریقے درج ہیں، اُن کے مضامین میں روزمرہ کام آنے والی چیزیں مثلاً تقاضائے خرچ ۔ارسال زر، طلب خیریت، تلاش روزگار، معذرت وغیرہ شامل ہیں۔

نثر فارسی میں بقول باطن انھوں نے نو نثریں لکھی تھیں۔ لیکن پروفیسر شہباز کو صرف پانچ کی زیارت ہوئی ۔ ان میں سب سے بہتر بزم عیش ہے جس میں اُنھوں نے آگرہ کے میلوں کو خوب تفصیل سے لکھا ہے، ان میلوں کا حال تفصیل کے ساتھ ان کے منظوم کلام میں بھی ہے ۔ یہ نثریں چھپیں نہیں، ان کے قلمی نسخے شہباز صاحب کی نگاہ سے گذرے تھے ان کے دیکھے ہوئے ایک نسخہ کے بارہ میں اُن سے یہ بتایا گیا کہ یہ خود میاں نظیر نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، لیکن پروفیسر شہباز اس کو اس بنا پر صحیح تسلیم نہیں کرتے کہ کتاب میں ایسی فاش غلطیاں موجود ہیں جو مصنف کے قلم سے سرزد نہیں ہوسکتیں ۔

نظیر کے شاگرد میاں باطن نے ان نثروں کے بارے میں یہ لکھا ہے :۔

"جس وقت مزاج عالی تحریر نثر پر ملتفت ہوا، مضمون انشاہائے نرمی گزیں قدر متین ۔ فہم قرین ۔ بزم عیش ۔ رعنا زیبا ۔ حسن بازار ۔ طرز تقریر وغیرہ نو عدد مثال نورتن، زیب بازوے شاہد مدعا ہو کر دست بستہ آن پہونچا ۔"

فارسی نثر کی مثالیں ملاحظہ ہوں ۔ شریفہ نامی پھل کا ذکر ہے :۔

"شوخے لطیفہ پرداز شریفہ طلبید ۔ چوں پیش رسید، گفتم شریف تر گردید ۔ گفت دلت بکفایت دوید ۔ گفتم جائے کہ بہتر و زود تر رسد شرف باید گردید ۔

وحصول دو فرحت باید گردانید۔ یکے شریفہ و دیگر لطیفہ۔ عنایت کرد و گفت دلت خوش گردید۔ گفتم وقتے کہ از دست ناز خواہد رسید" ؎

چوں ز دست ناز ہم آمد بدست
گفتم اکنوں خاطر من شاد شد

(طرز تقریر ۲۳)

جامن نوش کیجیے :۔

"نزد ناز نینے رفتم۔ و گفتم جامن خوب تر آمدہ است ؎

گویم بے تکلف طرفہ جامن   تواں کردن بیانش تا کجا من

گفت بر و من خوش دارم۔ رفتم د ز و د آوردم۔ قدرے بمن داد و گفت دیگر۔ گفتم ہمیں ایں جامن۔ چوں خود تناول ساخت دو سہ تخمش بر من انداخت۔ خوش وقت شدم و گفتم" ؎

ازیں جامن ہمینم آرزو بود
زلطف ناز میں خوباں بر آمد

(طرز تقریر ۲۴)

ہر چند آگرے کے آم بہت اچھے نہیں مگر میاں نظیر کے باغ کے ہیں :۔
مضائقہ نباشد

"در اصل انبہ کہ پسند خاطر خاص و عام ہست و شہد و شکر بے قدرے الیتام پیش نازنینے رفتم۔ گفتم انبہ ذائقہ فریب دیدہ آمدہ ام۔ گفت چرا نیاوردی گفتم اکنوں چہ درنگ۔ مگر رنج انامل نزاکت شامل نہ شود۔ تبسم کرد و گفت خوب۔ رفتم و زود آوردم۔ گفت چہ قسم است۔ گفتم ہمہ بہ ترشی درشت۔ گفت اگر بر آید۔ گفتم یک مشت۔ سرخ۔ سرخ روئی پسند و سر سبزی نگاہ نیاز مند۔ و زرد ہم ایں کہ بخورند وردے گر فلتم زرد نہ کند۔ ہنگام تناول ہماں قسم۔ گفت ہر چہ ازیں خوش آید باید گرفت۔ شیرہ گرفتہ گرفتم۔ گفت چرا۔

گفتم باطاعت۔ حکم ہمیں خوش آمد۔ بخندید۔ زیادہ مسرور شدم وگفتم ؎

لذتِ انبہ خوردن ایں طور
پیش من بہ ازیں نمی باشد
(طرز تقریر ۲۸)

اُس میوے کو بھی ملاحظہ کیجیے جس کی شان میں ہے ۔ نہ انجیر نام ست ہر میوہ ۔ جنّت کے فواکہ سے ہے

"پیش محبوبے رفتم۔ دیدم کہ انجیر نہادہ است۔ و زلف گرہ گیر کشادہ ۔ بقدر تفاوت نشستم گفت اگر دل پذیر چندے ازیں بگیر۔ دانستم بعزم تسخیر۔ گفتم کجا ایں توقیر۔ اگر لطف ابست ہمیں جا عنایت تاثیر۔ گفت ایں چہ تقریر گفتم از دور انجیر و نزدیک زنجیر۔ ترک انجیر از بیم زنجیر۔ خوش تدبیر۔ گفت چناں۔ گفتم ؎

صیدرم دارد و صیاد فسوں می خواند
ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند
(طرز تقریر ۲۹)

سیب کا مزہ بھی چکھتے چلیے :۔

"نزد نازنینے سیمیں ذقن رفتم دگفتم سیب خوش رسیدہ است۔ گفت بیار۔ گفتم از دستم بہ سیب رسد۔ گفت بے آسیب نہ خواہد رسید۔ گفتم اگر باغباں نداند۔ گفت پاسبان زلف اسیر گرداند۔ برائے آں کہ دیدن و چیدن تفاوت دارد۔ گفتم چساں۔ گفت در دیدن بھی و در چیدن الہی۔ آوردم۔ ہنگام تناول پسند ساخت و دہانم را نیز معزز فرمود۔ سرور شدم گفتم ؎

خوردن سیب از چنیں خوبی
غیر لطف بتاں نہ می باشد
(طرز تقریر ۳۳)

نثر کے یہ نمونے حضرت شہباز کی مہربانی سے "زندگانی بے نظیر" کے صفحات میں محفوظ رہ گئے ہیں

حضرت نظیر کے کلیات کا یہ نیا ایڈیشن، ادیب فاضل، شاعر سخن فہم و سخن سنج مولوی عبد الباری آسی نے بکمال محنت و دیدہ ریزی مرتب کرنا شروع کیا تھا، لیکن قبل اس کے کہ کام تکمیل کو پہونچے، داعی اجل کو لبیک کہی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وہ اگر زندہ رہے ہوتے تو کلیات میر، و کلیات آتش وغیرہ کی طرح کلیات نظیر پر بھی بے نظیر محققانہ مقدمہ و تبصرہ تحریر کرتے لیکن اُردو زبان کی بدقسمتی کہ وہ اس سلسلہ میں بلا ایک سطر لکھے اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے، اور یہ کام برادر محترم جناب مولوی سید جعفر علی صاحب نگینوی فاضل دیوبند و مصحح مطبع ہذا کے سپرد ہوا لیکن قدرت نے اُن کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو ہر جاندار کے لیے ایک نہ ایک دن درپیش ہوگا بالآخر یہ کام مجھ جیسے نااہل و نافہم کے ذمہ ڈالا گیا۔

آخر میں عالیجناب معلّی القاب راجہ رام کمار و تیج کمار صاحبان مالکان مطبع منشی نولکشور و بکڈپو کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ اُنھوں نے اُردو، عربی اور فارسی کتابوں کی اشاعت کے بارہ میں اپنے بزرگوں کی شاندار روایات کو ایک بار پھر زندہ کر دیا۔ ان کی علم دوستی اور ادب نوازی، جس کے ضمن میں کلیات نظیر کا یہ نیا اڈیشن (جس میں وہ تمام غزلیں اور نظمیں جو اب تک دستیاب نہ ہوئی تھیں یا غیر مطبوعہ تھیں شامل کر دی گئی ہیں) بھی شائع ہو رہا ہے، جو صفحات تاریخ میں ہمیشہ یادگار اور ضرب المثل رہے گا۔

احقر

ابو الخیر محمد اشرف علی لکھنوی

(۳۱ر دسمبر ۱۹۵۰ء)

تبصرہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُردو کے جلیل القدر شعراء میں سب سے زیادہ گمنامی کس کے حصہ میں آئی، یا گمنامی کے ساتھ سب سے زیادہ بدنامی کس کے شامل حال رہی تو جواب میں سب سے پہلے نظیر اکبرآبادی کا نام لیا جائے گا، نظیر نے اپنے دور کی عام روش چھوڑ کر جو نئی راہ نکالی، اُسے اُن کے ہم عصر شعراء، ناقدوں اور تذکرہ نگاروں نے عموماً ناپسند کیا، اور انھیں نظر انداز کیا، یا اگر ذکر کیا بھی تو کچھ اس طرح سے کہ اس کا نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ زندگی میں بھی نظیرؔ کی پوری قدر نہیں ہوئی، لیکن ان کی زندگی خود حد درجہ متوکلانہ تھی، کمالات شعر و سخن پر انھوں نے نہ کبھی فخر و ناز کیا، اور نہ اُس کے ذریعہ روپیہ کمانے پر ادنیٰ توجہ کی، بلکہ ساری زندگی لڑکوں کو پڑھا کر گذاری زندگی میں انکی تھوڑی بہت قدر جو ہوئی تھی، انتقال کے بعد وہ بھی گلدستۂ طاق نسیان ہو گئی۔

اگر صرف معمولی پڑھے لکھوں نے یہ تغافل شعاری اختیار کی تو اس پر چنداں حیرت نہیں، حد یہ کہ بڑے بڑے ناقدین سخن، جن پر اُردو زبان کو بجا طور سے ناز ہے، اور جن کی کتابیں ادب اُردو کا بہترین سرمایہ اور سدابہار تحفہ سمجھی جاتی ہیں، نظیر کے ساتھ انصاف نہ کیا، حد یہ کہ شمس العلماء

مولانا محمد حسین آزاد صاحب تذکرۂ آب حیات کے سے جوہر شناس، نظیر اور اسکے بے نظیر کلام کو صاف نظر انداز کر گئے اور لکھا تو یہ لکھا:۔

"نظیر کے بعض شعرا ایسے ہیں کہ میر سے پہلو مارتے ہیں، پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اس کے چند اشعار منتخب لکھ دیے تو ناواقف سوا اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔"

صاحب روح نظیر نے آزاد کے اس طرز عمل کی دو وجہیں ممکن بتائی ہیں، یعنی یا تو یہ کہ آزاد نظیر کو شاعر ہی نہ سمجھتے تھے، دوسرے یہ کہ ان سے سہو ہو گیا، لیکن روح نظیر کے دوسرے اڈیشن کی تمہید میں انھوں نے دوسری وجہ کو ساقط کر کے صاف صاف آزاد پر الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے عمداً و قصداً نظیر کو نظر انداز کیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"آب حیات میں جگہ نہ دے کر آزاد نے دانستہ نظیر کی اہانت کی کوشش کی ہے۔ وہ اگر دیانت سے نظیر کو شاعر نہیں مانتا تو اس کے ذوق شعر فہمی پر حرف آتا ہے۔ نظر انداز کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نظیر کو جدید رنگ کی شاعری کا پیش رو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اگر یہ وجہ بھی غلط ہے تو یہ الزام مسلّم ہے کہ محض عامۃ الورود خیالات سے متاثر ہو کر، آزاد نے اپنی ناقدانہ بصیرت کو پس پشت ڈال دیا اور نظیر کے متعلق غور و فکر، تحقیق و تفتیش کی سعی نہ کی۔"

مولانا حالیؔ نے، پرانوں کی تقلید چھوڑ کر اردو کی جدید شاعری کی بنیاد ڈالی، اور اپنے مقدمہ شعر و شاعری کے ذریعہ دنیائے ادب میں زبردست انقلاب پیدا کیا، لیکن افسوس نظیر کے بارے میں انکا قلم انصاف سے قاصر رہا، اور انھوں نے مخالف نظیر ماحول سے متاثر ہو کر یہ لکھ دیا:۔

"اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے شائد میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اُس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں بخلاف میر انیس کے کہ اس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔"

نظیر کے ساتھ مولانا حالی کے اس طرز عمل کی شاید وجہ یہ ہو کہ بعض تذکرہ نویسوں نے جن میں تذکرۂ بے خزاں کے مرتب قطب الدین باطن بھی شامل ہیں، اس امر کا بہ شد و مد دعویٰ کیا ہے کہ مرزا غالب، نظیر اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔ اس تذکرہ نویس نے غالب، مومن اور دوسرے باکمال شعرائے دہلی پر سخت تعریض کی ہے، اور ان پر نظیر اکبر آبادی کو ترجیح دی ہے، گلستان بے خزاں کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"غالب و اسد تخلص۔ اسد اللہ خاں نام، ملقب بہ مرزا نوشہ، آپ دو تخلص کرتے ہیں، کچھ تو سبب ہے کہ دو تخلص کرنے پر دل دھرتے ہیں۔۔۔۔۔ استادان باشعور مثل خلیفۂ معظم جو بڑے معظم و مکرم اور ہادی شعرا جو بے نظیر روزگار تھے، جن سے تعلیم پائی ایام صبا سے برکت انفاس متبرکہ، ان اُستادوں کے مرتبۂ علم پہونچے، تب ان کی فکر رسا نے یہ صورت دکھائی۔ کیوں نہ خوشگو ہوں، جن کے ایسے استاد ہوں، چونکہ وہ استاد مر گئے۔ یہ حد دہلی سے اُدھر گئے۔ اب خواہ شاگردوں سے انکار کریں یا شائد اقرار کریں۔"

مولانا حالی غالب کے شاگرد اور پرستار تھے، اُستاد کی تنقیص ان کے لیے قطعاً ناقابل برداشت تھی، اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ اُن کے خاص رفیق اور ہم مذاق تھے، نظیر کے بارہ میں ان کی رائے بھی کچھ اچھی نہ تھی، شیفتہ کے تذکرۂ گلشن بے خار کو حالی بھی اُردو کا سب سے بہتر تذکرہ مانتے تھے اور شعرا کے بارہ میں جو رائیں اس میں ظاہر کی گئی ہیں، ان سے متفق تھے، اس لیے نظیر کے بارہ میں انکی یہ روش زائد تعجب انگیز نہیں۔ شیفتہ نے نظیر کے اخلاق شریفہ کی تو بہت تعریف و توصیف کی ہے اور اس اعتبار سے اُسے بے نظیر روزگار ٹھہرایا ہے، لیکن ان کی شاعری کے بارہ میں اُن کی یہ رائے مدت تک پتھر کی لکیر بنی رہی اور اب بھی بعض حلقوں میں ہے:۔

"اشعار بسیار دارد۔ برزبان سوقیین جاری است، و نظر بہ آں ابیات درا عداد شعرا نشا ئدش شمرد اما برعایت ابیات منتخب قطع نظر کردہ شد۔"

لیکن ناقدین فن اور شعرائے کرام میں نظیر خواہ کتنے نامقبول اور ناپسندیدہ رہے ہوں، عوام میں

وہ ہمیشہ مقبول رہے اور اس کثرت سے شعرائے ہند میں شائد کسی کا کلام نہیں پڑھا گیا اور نہ اس کثرت سے کسی کا کلام مجالس و محافل میں بطور ضرب المثل مستعمل رہا۔ حد یہ کہ شمس العلماء مولانا نذیر احمد دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن مجید میں آیۂ کریمۂ اللّٰہ یستھزئ بھم و یمدھم فی طغیانھم کے حاشیہ پر نظیر کے یہ اشعار درج کیے ہیں ؎

نیکی کا بدلہ نیک ہے، بد کر بدی کو سات لے
کانٹے ڈ لگا کانٹے پھلیں، پھل پات بو، پھل پات لے

کلجگ نہیں کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہات لے

نظیر کی تعریف سب سے پہلے ایک غیر ملکی محقق ڈاکٹر فیلن نے کی اور انھیں سارے اُردو شعرا میں بے نظیر قرار دیا، اپنی لغات ہندوستانی و انگریزی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"تحریری علم ادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیر ہی ایسا شاعر ہے جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دل میں راہ کی ہے، اس کے اشعار ہر سڑک اور گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں، خصوصاً اس کے خاص شہر آگرہ میں، اور واعظین (یا پادری)، جو کہ اس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں اس کے اور کبیر کے اقوال کا شارع عام پر وعظ کہتے وقت نہایت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیر میں تمام وہ صفتیں دل اور دماغ کی جمع تھیں جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اس کی نظمیں آپ اس کی سوانح عمری ہیں، کیونکہ قالب نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ ...... اس کی طبیعت کی رنگا رنگی اُس کی تخیل کی قوت علاوہ بریں اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلو سے مختلف تصویریں دکھائی ہیں۔ اُس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہے، جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل تماشے عیش تفریح

رنج، غم، دل دماغ، سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آسکتی ہیں...... نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سکہ بٹھا دیا ہے۔ اس نے اس خصوص میں وہ کام کیا ہے جو صرف سلاطین (اقلیم سخن) مثلاً چاسر و شکسپیر کر سکتے ہیں۔ اُس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوشنما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہے جن میں وہ ظاہر ہو سکتے ہیں، اور اپنی ذات پر جوان مردانہ اعتماد کر کے جو ذکاوت کا خاصہ ہے، اُس نے لفظوں کی نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرأت کی ہے اور یہ ترکیبیں اور معنی ہمیشہ خوش آیند ہیں۔"

نظیر کو پروفیسر سید محمد عبد الغفور صاحب شہباز نے اپنی کتاب زندگانی بے نظیر کے ذریعہ زندۂ جاوید بنانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا، انھوں نے نہ صرف اُس کے سوانح زندگی جس حد تک دریافت ہو سکے پہلی بار ایک مرتب شکل میں پیش کیے بلکہ اُس کے کلام پر مفصل تبصرہ کر کے کلام کے خصائص دکھائے اور معترضوں اور نکتہ چینوں کو منہ توڑ جواب دیے۔ بعد میں نظیر کی حمایت اور ان کے کلام کی توصیف وتحسین میں بہتوں نے قلم اُٹھایا، لیکن سب نے شہباز کی بلند پروازیوں ہی سے خوشہ چینی کی شہباز نے اس سوانح میں نظیر کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ بعض اعتبار سے نظیر کو سعدی ہند کہا جاسکتا ہے اور بعض اعتبار سے اُسے ہند کا شیکسپیر قرار دیا جاسکتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ کے مؤلف مولانا سید احمد دہلوی بھی شہباز کی دوسری رائے سے متفق ہیں اور لکھتے ہیں :۔

"میری رائے میں وہ ہند کا شیکسپیر تھا اور فطری و قدرتی مضامین کے بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھنے والا تھا اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا کہ کوئی دوسرا نہیں نکال سکتا۔"

شہباز نے اپنے ہم عصر فاضل اجل شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی (مترجم تمدن عرب وتمدن ہند) کی گفتگو نظیر کے متعلق سپرد قلم کی ہے، لکھتے ہیں :۔

"اُن سے سوانح عمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوئے بلکہ کشادہ پیشانی تمام

اُس کے شاعرانہ کمالات اور خوبی کلام کا اقرار کیا، بلکہ اس کو ریلسٹک پوئیٹ (REALISTIC POET) کا خطاب دیا، اور اس امر کے ثبوت میں .... نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے :۔

تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا | گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا | مُشتیَن بدن تھا، معطّر کفن تھا
جو قبر کہن ان کی اُکھڑی تو دیکھا | نہ عضو بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا
نظیرؔ آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی | جو دیکھا تو نا حق کا دیوانہ پن تھا "

شہبانہ کے بعد جناب مخمور اکبر آبادی نے روح نظیر کے نام سے کلام نظیر پر جدید طرز اور رجحانات کے مطابق نظر ڈالی، اور خصوصیت کے ساتھ ان کی مؤثر اور ادب اُردو کے گنج گراں مایہ نظموں پر مفصل تبصرہ کرکے اُن کے داخلی لطائف، طالبان ادب کے سامنے پیش کیے۔

نظیر کی شاعری کی بڑی بڑی خصوصیات مختصراً حسب ذیل ہیں :۔

(۱) وہ ایک مخصوص طرز کلام کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ ان کی شاعری فطرت کی مصوری تھی، اپنے شاعرانہ ماحول سے بالکل الگ اُنھوں نے راہ نکالی، اور اس میں وہ کسی کے مقلد و متبع نہ تھے

(۲) جذبات کی ترجمانی انھوں نے بالکل صحیح طور پر کی جس جذبہ کی عکاسی وہ اپنے کلام میں کرتے ہیں، اُس سے وہ خود پوری طرح متاثر ہوتے ہیں، اس لیے تصنع و ریا کا ان کے یہاں پتہ نہیں۔

(۳) اُن کے کلام میں ہمدردی کا عنصر خاص طور سے نمایاں ہے۔

(۴) انسانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر کامیاب اور مؤثر عکاسی میں انھیں کمال حاصل ہے۔

(۵) عبرت کے پہلو اُن کے کلام میں کثرت سے دکھائے گئے ہیں۔ موت کو انھوں نے مصلح اخلاق قرار دیا ہے اور انقلابات عالم سے عام خلقت کو درس عبرت دیا ہے ؎

(۶) وہ ہر اعتبار سے خالص ہندوستانی شاعر تھے، انھوں نے وہی زبان اپنے کلام کے لیے چنی جو عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی تھی، اور مضمون کے اعتبار سے بھی انھوں نے ہندوستانی ہی

چیزیں عموماً پیش کیں۔ مینھ کی برسات، دریاؤں، پہاڑوں، اور دوسرے مناظر قدرت، اور ہندی معاشرت کے مختلف پہلو، جتنے نظیر کے یہاں ملتے ہیں اور کہیں نہیں۔ مضمون کی مناسبت سے ہندی الفاظ بھی وہ کثرت سے لائے اور ان کو خوب نباہا۔

(۷) بیانیہ کلام میں وہ سب سے ممتاز اور متقدم ہیں، ان کے کلام کا بڑا حصہ بیانیہ نظموں پر مشتمل ہے اور اس میں انھوں نے اپنی مہارت تامہ کا ثبوت بہم پہونچایا ہے۔ قوت بیان کے ساتھ ساتھ صورت گری میں انھیں کمال ہے اور اس اعتبار سے وہ میرانیس کے قدم بقدم نظر آتے ہیں۔

(۸) تضمین نگاری میں نظیر فی الواقع امام کا رتبہ رکھتے ہیں۔

(۹) اپنے کلام میں انھوں نے خاص قسم کی ترکیبیں استعمال کی ہیں، بقول شہباد:-

"الفاظ ایک خاص وضع سے اُس کے دماغ میں ترتیب پاگئے ہیں اور اُسی ترتیب سے پختگی کے ساتھ نکلتے ہیں، گویا اُس کے دماغ میں متفرق الفاظ نہیں ہیں جن کو وہ وقت پر ترکیب دیتا ہو بلکہ مختلف موتی کی لڑیاں ہیں جو پروئی ہوئی رکھی ہیں اور وقت ضرورت خود بخود نکل آتی ہیں"

(۱۰) مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق قافیے باندھنے میں اُنھیں درجہ کمال حاصل ہے۔

(۱۱) کلام میں مذہبی رنگ نمایاں ہے۔ انبیاء اور بزرگوں کی عقیدت قدم قدم پر نمایاں ہے، لیکن ساتھ ہی تعصب کا نام نہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی رسوم کے ساتھ ساتھ انھوں نے ہندوؤں کے رسوم کا بھی ذکر اُسی لب و لہجہ میں کیا ہے۔

(۱۲) مذاق تصوف - نظیر صوفی منش تھے، ہمہ اوست مسلک تھا۔ کلام میں بھی یہی روح نمایاں ہے۔

(۱۳) موسیقی سے نظیر کو خاص مناسبت تھی، اکثر مقامات پر کلام میں اُنھوں نے الفاظ سے گویا موسیقی کے ساز کا کام لیا ہے۔

(۱۴) معشوق کو مذکر کے بجائے اُنھوں نے مؤنث باندھنا شروع کیا۔

(۱۵) نظیر کے کلام کا ایک اور خاص وصف کثرت اور پُرگوئی تھا۔ کثرت اور پُرگوئی کے

باوجود کلام میں بلا کی روانی پائی جاتی ہے۔

حضرت شہباز نے کلام نظیر کا مطالعہ بالاستیعاب کرنے کے بعد مضامین کے اعتبار سے اُنکی چودہ اقسام کی ہیں۔ (۱) تقریبات (۲) موسم اور فصل (۳) مختلف مراتب زندگی (۴) لوازمات تمدنی (۵) ایام ولیالی اور نور (ظہور قدرت (۶) مشاغل تفریح (۷) عمارات (۸) اشیاء قدرتی۔ (۹) نادر امثال اور مفید حکایات (۱۰) مذہب اور تصوف (۱۱) حسن وعشق (۱۲) اخلاق اور انقلاب وفنائے جہاں سے جو اثر عبرت کا دل پر مترتب ہوتا ہے (۱۳) بعض قصص (۱۴) ہزل وظرافت پھر شہباز ہی نے ان کے کلام کو ایک دوسری نظر سے دیکھ کر ان کو کسی صفت سے متصف کر کے ذیل کی قسمیں پیدا کی ہیں، اور ان قسموں کو باہم ملا کر سات قسمیں قرار دی ہیں۔ ذیل کی آٹھ قسموں کو انھوں نے اس بنا پر ایک قسم کے ماتحت رکھا ہے کہ وہ سب ایک ہی دل سے لکھی گئی ہیں، وہ دل جس کا رخ عقبیٰ کی طرف مڑا ہوا ہے۔ عارفانہ۔ عبرت مندانہ۔ صوفیانہ۔ عقیدت مندانہ۔ موحدانہ۔ واعظانہ۔ سپاس مندانہ۔ شیعیانہ۔

(۲) تین قسموں آزمودہ کارانہ، ناصحانہ اور حکیمانہ کو دوسری قسم کے تحت میں داخل کرتے ہوئے شہباز کے قلم نے یہ گلکاری کی ہے کہ یہ "تینوں قسمیں بھی گویا ایک ہی دل سے لکھی گئی ہیں، ان میں عقبیٰ کے خیالات کو بخط مستقیم دخل نہیں دیا گیا، معاملات دنیا کو جس طرح ایک حکیمانہ خیال آدمی دیکھ کر ان سے گہرے تجربے حاصل کر سکتا ہے اور نشیب وفراز زمانہ دیکھنے کے بعد لوگوں کو خیر خواہانہ نصیحت کر سکتا ہے، اسی قسم کے مضامین کو اس قسم میں داخل کیا گیا ہے۔"

(۳) اس کے بعد تیسری قسم میں اُنھوں نے پانچ ہم رنگ قسموں۔ رندانہ۔ قلندرانہ۔ خوش طبعانہ۔ ظریفانہ اور ہزالانہ کو رکھا ہے اور ان میں باریک فرق یہ ظاہر کیا ہے کہ "یہ سب کچھ ایک ہی قسم کے خیالات سے پیدا ہوتے ہیں، جب ان کو مذہبی رنگ میں نہیں رنگا گیا تو رندانہ ہیں۔ رندانہ کلام پر مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا تو قلندرانہ ہو گیا۔ عاشق نے وصل کی کامیابی میں خوش خوش اپنے خیالات عشرت کسی قدر معمولی متانت کے احاطے سے نکل کر بیان کیے تو وہ خوش طبعانہ ہو گئے

خوش طبعی کچھ زیادہ بڑھی پوری ظرافت ہوگئی۔ ظرافت نے اور ہاتھ پاؤں نکالے ہزل ہوگئی۔

(۴) کلام نظیر کے تین اور اقسام "وصافانہ معاملہ بندانہ اور مصورانہ کر کے ان کو شہباز نے چوتھی قسم ٹھہرایا ہے اور ان میں یہ باریک فرق ظاہر کیے ہیں۔ کسی شے کی صفت عمدہ طور سے بیان کی گئی تو یہ وصافانہ ہوا۔ کسی واقعہ کو عمدہ طور سے قلم بند کیا گیا تو یہ معاملہ بندانہ ہوا اور کسی سماں کو اس طرح بیان کیا کہ وہ سماں آنکھوں کے تلے پھر جائے تو یہ مصورانہ ہے۔

(۵) عاشقانہ اور رجاتانہ قسم کے کلام کو پانچویں قسم میں شمار کیا ہے۔

(۶) چھٹی قسم مترجمانہ کلام کی قرار دی ہے، یعنی وہ جس میں فقط کسی مشہور قصے کو معمولی طور پر نظم کر دیا گیا ہو، مثلاً ہرن اور گدھے کی دوستی کا قصہ۔

(۷) ہندوانہ۔ وہ مضامین جن میں ہندوؤں کے عقائد، تقریبات، قصص اور مختلف پیشواؤں کا ذکر اس دل سے کیا گیا ہے جو ایک ہندو کے لیے شایان ہے۔

یہ اقسام تو مضامین اور معنی کے اعتبار سے تھیں، مختلف اصناف سخن کے لحاظ سے نظیر کے کلام میں جتنا تفنن اور تنوع پایا جاتا ہے، اس کی مثالیں دوسرے شعرا کے یہاں کمتر ملتی ہیں۔ نظیر کے مداح اول اور شاگرد خاص حکیم باطن صاحب تذکرہ گلستان بے خزاں نے اپنے قدیم طرز کے مرصع عبارت میں اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

"ہرگاہ عنصر لطیف بسمت ترقیم نظم متوجہ ہوا، اور صیاد فکر نے دام طبع بچھایا، مرغان مضمون لامکان پرواز اڑنے سے باز آکر بخوشی صید ہوئے، تو غزل، مستزاد، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، معشر، رباعی، قطعہ بند، ترکیب بند، ترجیع بند، تضمین، و اعرختہ بحر طویل، وغیرہ ہر ایک کو متعدد تحریر فرمایا، یہ کچھ برائے گفتن و نوشتن نہیں بلکہ فی الواقع بلا تصنع اور اس میں کل صنعتیں شاعری کی ختم کیں"۔

غزلیات

آئیے سب سے پہلے نظیر کی غزلیات پر تبصرہ کریں۔ نظیر دشمنوں کا نظیر پر خاص اعتراض یہ ہے کہ اس کے یہاں تغزل کا پتہ نہیں۔ حد یہ کہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم دہلوی جنھوں نے دیوان نظیر اکبر آبادی مرتب کرکے پہلی بار اس کی اصل غزلیات کے مجموعہ سے روشناس کرایا ہے، (ورنہ اس سے قبل کلیات نظیر کے نام سے جو مجموعے شائع ہوئے ان میں غزلیات کی تعداد محض انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھیں) انھوں نے بھی مقدمہ دیوان نظیر میں غزلیات میں نظیر کی بے راہ روی کے ذکر کو مقدم کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ الفاظ کے استعمال میں کچھ زیادہ محتاط نہیں تھا، نظموں میں تو الفاظ کی یہ ٹھونس ٹھانس چل جاتی ہے لیکن تمام غزلوں میں ان کا کھپنا مشکل ہے۔" پھر آگے چل کر انھوں نے نظیر کے باندھے ہوئے متعدد الفاظ پر اعتراضات کی بھرمار کی ہے اور اس کی تشبیہات کو ایجاد بندہ سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن جناب مخمور اکبرآبادی نے نظیر کے تغزل کی تعریف کا حق ادا کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"کہا جاتا ہے کہ نظیر کے یہاں تغزل نہیں ہے، یہ الزام قطعی غلط اور مطالعہ کی کمی پر مبنی ہے۔ نظیر تھوک فروش تاجر کی قسم کا شاعر ہے، اور غزل ایک قسم کی خردہ فروشی ہے۔ تھوک فروش کی دکان میں وہ سارا مال بڑی مقدار میں میسر آتا ہے جو خردہ فروش تھوڑا تھوڑا کرکے بیچا رہتا ہے۔ جو شاعر نظیر کی طرح انسان کے تمام و کمال نفسیات کا ماہر ہو، نہ اس نوع کے جزوی نفسیات سے کیونکر آشنا نہ ہوگا جو غزل میں باندھے جاتے ہیں۔ جو شاعر انسان کے قلب کی جملہ کیفیات کو کتاب کی طرح پڑھ سکتا ہے، وہ اس کیفیت کا بھی نبض شناس ضرور ہوگا جس کا نام محبت ہے۔ اور اس نوع کی محبت بھی جو عاشق کو معشوق سے ہوتی ہے جب

وہ بیان کے جملہ اصناف پر قدرت رکھتا ہے تو زبان کے ان لطیف و نازک اشاروں اور کنایوں سے بھی خوب واقف ہوگا...... اس کی غزلیں حسن و رنگ، مسرت و طرب، سرشاری و سرخوشی کی نوید ہیں۔ جو ملول لمحوں کو سرور بنا دیتی ہیں۔ اس نے مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں بھی ایسی ہی آسانی سے غزلیں کہی ہیں جیسی سادہ اور سہل ممتنع میں۔ بعض زمینیں اس نے خود پیدا کی ہیں، اس کی غزلوں میں بھی جگہ جگہ مکالمے کا التزام نظر آتا ہے۔ شوخی شرارت، چھیڑ چھاڑ، معاملہ بندی، جو بعض کے نزدیک غزل کی جان ہے اس کے یہاں بڑی مقدار میں موجود ہے۔"

نظیر کے تغزل کے "جو پاکیزہ نمونے" جناب محمود نے منتخب کیے ہیں، اُن میں چند ملاحظہ ہوں :-

بھلا ہوا جو نقاب تو نے اُٹھایا چہرے سے بے پردہ
دگرنہ سینہ سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا

ساقی نے سب کو بھر کے دیے جام بزم میں
ساغر جو ہم نے مانگا تو شیشہ ہلا دیا

یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

مقابل اس کے منھ کے گل کو تو کس منھ سے کرتا ہے
کہاں گل اور کہاں وہ منھ تو دیکھ اے باغباں اپنا

اسی کی مہربانی سے سبھوں کی مہربانی ہے
ہوا جب وہ نظیر اپنا تو پھر ہے سب جہاں اپنا

چمک جا پھر خدا کے واسطے اب طور کے شعلے
کہ مثل آتش فسردہ پھر کچھ دل جلا گھلا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اسی بے وفا نے لوٹ لیا

تیشہ کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا، پھر کسی کو کیا

خواب کر جاتا ہے آرام یک لخت آنکھوں سے
یاد آجاتی ہے جب ساقی کی چشم نیم خواب

لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پر بلا تمھاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمھارے سر کی قسم نوازش

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں، شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں

شہباز نے نظیر کی غزلیات کے جو اشعار انتخاب کیے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:—

رکھی ہر گز نہ ترے رخ نے رخ بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شب قدر کی قدر

مے پرستوں میں ہے یوں ساغر و مینا کا وقار
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر کی قدر

یوسف مصر سے مگر ملتے ہیں سب ترے نشاں
زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل

بچتے ہیں کشتگان عشق انکے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خون، گل سے گل

جب سے ہوا ہے کوہکن کرتے ہیں اس کا غم سدا
کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل

یار ملا جب اے نظیر، میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم، جان سے جان، روح سے روح، دل سے دل

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل، دہن ہے گل
سراپا اب تو وہ رشک چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

شور انگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبط آہ کرنا

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے کلام نظیر پر اعتراضات کرنے اور ان کی خامیاں گنانے کے بعد اس کے وہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو بقول ان کے "سرسری طور سے نظر ڈالنے میں مجھے اچھے معلوم ہوئے ہیں" ان اشعار میں سے چند درج کیے جاتے ہیں:—

تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا

بتوں کے ناز کی تب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیر سے جب ہم فقط نظیر ہوئے

طائر دل جب ہم سے گیا تو فائدہ کیا جو پوچھیں نظیر
شوخ نے اسکو ذبح کیا یا قید کیا یا چھوڑ دیا

چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

کٹی، پچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی مہندی   جب اتنے دکھ سہے تب اُسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

اب کلیات کے اُس نسخہ کی غزلیات پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے، جس کے لیے یہ مقدمہ تحریر ہو رہا ہے۔ یہ غزلیات کا مکمل ترین مجموعہ ہے۔ ردیف الف ۱۵ پوری اور ادھوری غزلوں اور دو درجن سے زائد متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ کلام کی بسم اللہ اس شعر سے ہوتی ہے:۔

دل ہوا جس روز بسمل ابروئے دلخواہ کا   تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

مطلع کے بعد دوسرا شعر یہ ہے ؂

جس نے دیکھا وہ رُخ انور تو اس کو عمر بھر   پھر نہ روئے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا

توحید پرستی اور شرک بیزاری کی شہادت مقطع کا شعر دے رہا ہے ؂

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی بت کے لیے نظیر   جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

قدرت خدا کی تعریف میں نظیر کا قلم یوں رطب اللسان ہوتا ہے:۔

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا   یا رب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا
ہے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ   ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات   اور روئے زمیں پہ گل و ریحان تماشا

مسلسل غزل لکھنے میں اوّلیت و ایجاد کا فخر نظیر ہی کو حاصل ہے، اکثر ایسی غزلوں میں مکالمہ کی شان پیدا ہو گئی ہے اور مکالمہ میں اس کا خاص لحاظ ہے کہ جس طبقہ یا صنف کی گفتگو درج کی ہے ٹھیک اُسی کی زبان لکھی ہے۔ چھٹی غزل اس سلسلہ میں قابل ملاحظہ ہے۔

خد و خال خوبی آگیں، لب لعل پان سے رنگیں   نظر آفت دل و دیں، مژہ صد مضرت افزا
کھلی رخ پہ زلف پر خم، مسی رشک رنگ نیلم   غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا
کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ، مہر پیکر   جو چلی ہو یوں جھمک کر، کہو عزم ہے کدھر کا
ہے جو قصد سیر بستاں، چلیں ہم بھی ساتھ اے جاں"   کہا سن کے "یہ اے میاں کوئی تم بھی ہو تماشا

نہ کچھ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی جو ہے دلبر ہی کی مرضی تو ہے سوچ پھر یہ کیسا"
کہا جب نظیرؔ ہم نے "یہی دل ہیں ہم تو رکھتے" تو کہا "جو نیکی ہووے تو پھر اس کا پوچھنا کیا"

اس غزل میں بالکل نئے اور انتہائی پرکیف استعارے اور تشبیہات استعمال کیے ہیں، خصوصاً دوسرے شعر میں جس میں معشوق کے مستی آلود ذہن کو شلیم سے تشبیہ دی ہے۔ اور یہ شعر تو بالکل میر تقی میر کے رنگ کا ہے ؎

نظیرؔ اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے چلو اب چپ رہو، بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

نظیرؔ کا یہ قطعہ تو درسی کتابوں میں اس کثرت سے درج ہے اور مضمون فنا کے اعتبار سے اتنا پُر اثر ہے کہ اسے ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہو سکی ہے۔ پورا قطعہ اس تبصرہ کے شروع میں درج ہو چکا ہے، یہاں صرف پہلے شعر پر اکتفا کی جاتی ہے ؎

تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا

اس قطعہ سے قبل اصل غزل کا یہ شعر بھی اسی رنگ کا ہے ؎

یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا

معاملہ بندی، جس میں اولاً جرأت نے اور پھر داغ اور امیر نے اپنا نام پیدا کیا، نظیرؔ کے یہاں بے نظیر ہے :-

وہ مجھ کو دیکھ کے اس ڈھب سے شرمسار ہوا کہ ہیں حیا ہی پر اس کی فقط نثار ہوا
بھوں کو بوسے دیے ہنس کے او ہمیں گالی ہزار شکر بھلا اس قدر تو پیار ہوا
ہمارے مرنے کو ہاں تم تو جھوٹ سمجھے تھے کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگدل کافر پڑیں قرار پہ پتھر یہ کچھ قرار ہوا

بسنت کی رُت ہندوستان کی مشہور ہے، نظیرؔ پہلا خالص ہندوستانی شاعر ہے، بسنت کے منظر سے مست ہو کر لکھتا ہے ؎

جوشِ نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا ہے طرفہ روزگار طرب زا بسنت کا

باغوں میں لطف نشو و نما کی ہیں کثرتیں — بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا
اپنا وہ خوش لباس بسنتی دکھا نظیرؔ — چمکایا حسن یار نے کیا کیا بسنت کا

ہولی کا رنگ، بسنتی رنگ سے بھی شوخ ہے، اور رکھنا چاہیے کہ بالکل تصویر کھینچ دی ہے ؎

گلال آلودہ گلچھڑوں کے وصف رخ میں بجلے ہیں — مزا کیا کیا صریر کلک سے بلبل کی چہچہ کا
گلابی انکھڑیوں کی ہر نگہ سے جام مل پی کر — کوئی سرخوش کوئی بیخود، کوئی لوٹا کوئی بہکا
چھڑکنا رنگ خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے — کبھی کچھ ناز کی وہ وہ، کبھی انداز رہ رہ کا
بھگویا دلبروں نے جب نظیرؔ اپنے کو ہولی میں — تو کیا کیا تالیوں کا غل ہوا اور شور قہ قہ کا

فارسی ترکیبوں کو اردو میں خوش اسلوبی سے نظیرؔ نے اکثر نبا ہا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا — رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبط آہ کرنا
شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاک جیب — کس باغبان سے گل کا گریباں سلا دیا
یوں سنگ ہجر توڑے ہے آئینہ ہائے دل — مینا کے ٹکڑے کرتے ہیں جوں سنگ خارہا
کچھ صید زخم خوردۂ جاناں ہمیں نہیں — ہر صید گہ میں اس کی ہیں بسمل ہزارہا

مضمون کے اعتبار سے یہ مسلسل غزل، جس میں دنیا کی بے ثباتی، مال و جاہ کی بے وقعتی، علوم و فنون کی بے بساطی دکھائی گئی ہے، نظیرؔ کے شاہکاروں میں گنی جا سکتی ہے۔ چند شعر پڑھتے چلیے ؎

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا — اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا
حد بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ — گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا
پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان — لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا
اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر — گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا
اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی — سب چھان لیے ارض و سماوات تو پھر کیا
اک دم میں ہوا ہو گئے سب علمی و نظری — تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیرؔ آہ — بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

تضمین کرنے میں تو نظیر کو ملکہ تھا، حافظ کی ایک مشہور فارسی غزل کی اُردو تضمین کا نمونہ ملاحظہ ہو، ہر ہر مصرعہ کی تضمین اُردو میں کی ہے ؎

رہوں کاہے کو دل خستہ پھروں کاہے کو آوارا — اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
خدا گر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو — بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے — بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے — جواب تلخ می زیبد لبِ لعل و شکرخا را

تصوف کے رنگ میں یہ شعر کتنا معنی خیز ہے ؎

بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار — یہ خدنگِ ناز تھا کس بے نشاں کی شست کا

تغزل کا کمال ان دو شعروں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ حیف ہے اُن ناقدین با تمکین پر، جن کی رائے میں نظیر تغزل سے خالی ہے ؎

قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے — غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر — اُدھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

"ہمہ اوست"، کے مسلک کو کس سادگی اور صفائی کے ساتھ عوام کی زبان میں بیان کیا ہے ؎

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی — بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی یہ یک رنگی۔ تس اوپر یہ قیامت ہو — نہ کم ہونا، نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا
نظیرؔ ایسا جو چنچل دلربا بہروپیا ہووے — تماشا ہے پھر ایسے شوخ سے سودے کا پٹ جانا

فارسی شعراء کے کلام کا اُردو ترجمہ کرنے میں بھی نظیر کو کمال حاصل ہے۔ غنی کشمیری کا مشہور شعر ہے:-

رنگ سبزش بخط سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

نظیر نے اس کا لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اُسے خالص ہندوستانی رنگ دیدیا ہے ؎

زلف دو پٹہ دھانی میں کر کے نہاں مرا دل باندھ لیا	صید نہ کھاوے کیونکر جل جب سبزے میں پنہاں دام کیا

عربی فقرے اور الفاظ کلام نظیر میں جا بجا ملتے ہیں اور انھیں بڑی خوش اسلوبی سے نباہا ہے ؎

کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ	سنلقی علیك قولاً ثقیلا
نکل اس کے زلفوں کے کوچے سے اے دل	تو پڑھتا قم اللیل الا قلیلا
گلستاں میں ماروں اگر آہ کا دم	فکانت جبال کثیبا مھیلا
نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ	فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

معشوق کا سراپا اور اس کے اخلاق و شمائل کا خاکہ، نظیر کی اس مشہور و معروف غزل میں موجود ہے۔ غزل کا مضمون مسلسل ہے، ؎

نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا	جو عمر دیکھو تو دس برس کا، پہ قہر آفت غضب خدا کا
جو شکل دیکھو تو بھولی بھالی، جو باتیں سنیے تو میٹھی میٹھی	پہ دل وہ پتھر کہ سر اڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر	کسی کو ٹھوکر کسی کو جھڑکی، کسی کو گالی، نپٹ لڑاکا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ، کہ دل کہیں ہے، نظر کہیں ہے،	کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کسکو قدم کی جا کا
لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی، کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے	نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے، نہ وہ منائے منے کسی کے	جو قتل عاشق پہ آ کے مچلے تو غیر کا، پھر نہ آشنا کا

نظیر کا یہ مطلع مضمون کے لحاظ سے خسرو کے فارسی مقطع سے بہت مشابہ ہے ؎

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا	اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

خسرو کا مقطع یہ ہے ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند	آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

ناخدائے سخن میر کے رنگ میں ؎

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا	کیجیے کیا، اب ہوا جو ہونا تھا
شب کو آ کر وہ پھر گیا ہیہات	کیا اسی رات، ہم کو سونا تھا

میر تقی میر کی مشہور و معروف غزل ؎

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا الخ

کا نقش ثانی نظیر کے مرقع سخن میں یہ ؎

پردہ اٹھا کر رُخ کو عیاں اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر، یاں عشق نے دل کا کام کیا

آ گئے جب صیاد کے بس میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اسی کی ٹھہری مرضی جس نے اسیر دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب تمام کیا

یار کی میگوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا اوباش بنایا رند کیا، بدنام کیا

عبرت آگیں اشعار، کلام نظیر میں بکثرت ہیں، ایک اور قابل ذکر قطعہ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو ؎

عجب سیر دیکھی نظیر اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا

ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا

ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے
ابھی شور تھا قمری نعرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

معشوق کا سراپا ایک اور جگہ ؎

سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں صبح اجالا

وہ زلفیں اُسکی سیاہ پُر خم کہ اُنکے بل اور شکن کہ بارو
نہ پہونچے سنبل نہ پہونچے ریحاں نہ پہونچے ناگن نہ پہونچے کالا

وہ آنکھیں مست اور گلابی اسکی کہ انکو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اسکی دل پر ہو گیا ہی گہرا نشہ دوبالا

لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جسکا عالم ہو کچھ نرالا

اس غزل میں نظیر نے کمال یہ کیا ہے کہ عربی فارسی اور پنجابی اور بھاشا کے شعر بھی اسی وزن اور قافیے میں لکھے ہیں، عربی شعر غالباً تصحیف کاتب کی وجہ سے ترکیب نحوی میں غلط ہو گیا ہے۔ فارسی شعر حسب ذیل ہے ؎

پری رخ من، شکر لب من دمے تو باز آ بہ پیش چشم
بباد سروت تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

بھاشا کا شعر ملاحظہ ہو ؎

تمھاری آسا لگی ہے تس دن، تمھارے درشن کو ترسیں نیناں
دُلارے سُندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن انوکھے لالا

اس مسلسل غزل میں عاشق کے مکتوب پر معشوق کے اعتراضات اُردو شاعری میں منظر حیثیت رکھتے ہیں ؎

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا — تو اس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا
جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں — یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا
چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا — ستارے اُڑ گئے تھے جو دُرِ خوش آب لکھا
لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر — کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا
جگر کباب لکھا اپنا تو کہا جل کر — بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا

ذوقؔ اور داغؔ وغیرہ نے ذیل کی زمین میں بڑے معرکہ کی غزلیں کہی ہیں، لیکن نظیرؔ کی غزل بھی کسی سے ہٹی نہیں۔ دیکھیے کس غضب کے تیور ہیں ؎

سامنے اُس صفِ مژگاں کے میں کل جاؤں گا — چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا
ہے کفِ پا وہ مصفا کہ جسے دھیان میں لا — پائے نظارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا
آپ سے چاہوں تو اُٹھ جاؤں گا اس بزم سے یا — اور اک "ہوں" بھی کرو گے تو مچل جاؤں گا
موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن — ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا
بے کلی آج ہی واں لے گئی مجھ کو تو نظیر — میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

ایک بالکل نئی تشبیہ ملاحظہ ہو:—

اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تنِ عریاں — یہ آبِ رواں کا ہے نیا پیرہن اپنا

سعدیؒ نے کہا ہے ؎

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

نظیر نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو　　جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہی وطن اپنا

ردیف الف میں نظیر کی ایک مشہور غزل اس مطلع کے ساتھ ہے ؎

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا　　المنتہ للہ تقدس و تعالےٰ

حسن اتفاق سے اس زمین میں میر، سودا، اور انشا کے سے اُستاد ان فن نے بھی طبع آزمائی کی ہے،
حضرت شہباز نے ان سب کا محاکمہ کر کے یہ ناقدانہ رائے دی ہے کہ:۔

"میری رائے میں میر، سودا، انشا، سب سے اس کی (نظیر کی) غزل بڑھی ہوئی ہے زبان میں سادگی ہے اور روانی۔ مضمون آفرینی کے لیے مبالغہ کا دامن زبردستی نہیں کھینچا گیا، نہایت عاشقانہ گہرا رنگ ہے۔ ہر شعر میں زبان اور خیالات کی گھلاوٹ پائی جاتی ہے۔ سلمہ اللہ تعالےٰ کو میر سے بہتر سودا اچک چکا تھا، اس میں گنجائش نہ تھی، نظیر نے بہ تبدیل ضمیر ترجمہ کر کے کچھ لطف پیدا کیا ہے۔ انشا نے ایک نیا فقرہ لیا۔ نظیر نے بھی مطلع ایسا ہی کہا، دونوں کے مطلع لطیف ہیں۔"

میر کا مطلع یہ ہے ؎

دل پہونچا ہلاکی کو نپٹ کھینچ کسالا　　لے یار مرے سلمہ اللہ تعالےٰ

سودا کا مطلع ؎

میں دشمن جان ڈھونڈھ کر اپنا جو نکالا　　سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالےٰ

انشا کی نگارش ؎

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھلا　　ثُم، خذ بیدی وفقک اللہ تعالےٰ

نظیر کا مطلع اوپر درج ہو چکا، غزل کے چند اشعار اور سن لیجیے۔ یقیناً شہباز کی رائے سے آپ اتفاق کریں گے ؎

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا　　ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ
دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہ آہ　　"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مر مر" مجھے کہتا ہے سو مرتا ہوں میں یارو ۔۔۔ اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا
قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، و لیکن ۔۔۔ کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"
کیا خاک اڑانے کو چلیں آہ چمن میں ۔۔۔ نہ یار نہ ساقی نہ صراحی نہ پیالا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا ۔۔۔ گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام ۔۔۔ ہم گر بھی پڑے تو کبھی نہ ظالم نے سنبھالا

سودا کا مشہور شعر ہے ؎

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ۔۔۔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

نظیر نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے ؎

اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت ۔۔۔ منفعل ساغر شراب ہوا

اور یہ تو شعر تو بالکل میر کے رنگ کے ہیں ؎

رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ ۔۔۔ اہل محفل کو اضطراب ہوا
مے ہوئی خون دل صراحی میں ۔۔۔ جام مے دیدۂ پر آب ہوا
رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا ۔۔۔ تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
پیرہن برگ گل پہ جوں شبنم ۔۔۔ عرقِ تن گلاب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں ۔۔۔ یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

نظیر نے دوسرے اردو شعرا کی طرح محض لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد وغیرہ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ہند کے روایتی عشاق اور ان کے معشوقوں کا ذکر بھی کثرت سے کیا ہے، پنجاب کے ہیر اور رانجھا کا ذکر ملاحظہ ہو ؎

میں تو صفِ محشر میں بھی لونگا تجھے پہچان ۔۔۔ رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

غالب کا مشہور قطعہ۔ اے تازہ واردانِ بساطِ ہوا ے دل الخ۔ آپ نے بار بار پڑھا اور سنا ہوگا، نظیر کا ہم مضمون قطعہ پڑھ کر "الفضل للمتقدم" کی صداقت تازہ ہو جاتی ہے ؎

اک دن دل اپنا عیش گذشتہ کو یاد کر
روروکے ہم سے مانگتا اسکا جواب تھا

یعنی وہ کیا زمانۂ عشرت تھا اے نظیرؔ
جس میں ہزار عیش سے میں کامیاب تھا

تھا جب نہ جلوہ گر تو دل و جاں میں دمبدم
عشرت کی حد نہ عیش و طرب کا حساب تھا

اب زار و ناتواں و نحیف و ضعیف ہوں
نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

اک جنبش مژہ میں وہ برہم ہوا طلسم
کیا کہیے اُسکو اور، مگر یہ کہ خواب تھا

جب ہم نے دل سے بھر کے دم سرد یوں کہا
جس میں مے طرب سے تو مست و خراب تھا

ہیہات کیا بتائیں ہم اُس عصر خوش کا نام
اے غفلت انتہا وہی عہد شباب تھا

تھی باغ زندگی کی اُسی سے ہی آب و رنگ
دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیرؔ
مجموعۂ حیات کا لُب لباب تھا

ردیف الف کے آخر میں متفرق اشعار دو درجن کے قریب درج ہیں، اُن میں سے دو شعر قابل انتخاب ہیں:

نہ گُل اپنا نہ خار اپنا، نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل و رجوئبار
اک جھڑا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہہ گیا

غزلیات کی ردیف الف ختم ہوئی۔ "ب" کی ردیف بہت مختصر ہے، لیکن اشعار آبدار کے لحاظ سے اُسے نظر انداز نہیں کر سکتے ؎

ہیں گرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب
لیکن اس کو کہتے ہیں سب خوب، خوب خوب

فارسی کا ایک مشہور شعر ہے: ؎

یک دل و خیل آرزو دل بہ چہ مدعا دہم
تن ہمہ ریش ریش شد پنبہ کجا کجا نہم

نظیر کے یہاں یہ مضمون یوں ادا ہوا ہے: ؎

ایک تمنا ہو تو یار سے کہیے نظیرؔ
دل ہے پُر از آرزو، کیجے کیا کیا طلب

اس ردیف کی جان یہ غزل ہے۔ جو یورپ کی پوری فلسفیانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے اور اس میں نہایت اعلیٰ قسم کی فارسی ترکیبوں نے کلام کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں: ؎

بحر ہستی میں صحبت احباب — یوں ہے جیسے بر روئے آب حباب
بادۂ ناب کیا ہے خون جگر — زردی رنگ ہے شب مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں — وہ بھی ہے ایک ہوائے خانہ خراب
حسن اور عشق کیا ہیں، یہ بھی ہیں — خطفۂ برق و قطرۂ سیماب
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے — مثل تحریر موج نقش بر آب
گردش آسماں میں ہم کیا ہیں — پر کا ہے میانہ گرداب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں — ایک مثل خیال و دیگر خواب
فرصت عمر قطرۂ شبنم — وصل محبوب گوہر نایاب
سب کتابوں کے کھل گئے معنی — جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

پ کی ردیف کچھ اور مختصر ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

ہے جو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ — رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پرورئی در دست چپ
جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں — اُسکے قبضہ میں ہے سوزینت فزائی در دست چپ
شکوہ تو کریں ہم اُس سے اکثر — پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

ت کی ردیف میں بھی اختصار کا یہی عالم ہے۔ تغزل کے بے بہا نمونے اس میں بھی مل جاتے ہیں:۔

آگے ہی دل اپنا تو یہ سودائی ہے کم بخت — اور تس پہ سنا یہ کہ بہار آئی ہے کم بخت
یارو ہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی — آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہے کم بخت
رہنے دو ہمیں کنج قفس میں کہ ہمارے — قسمت میں یہی گوشۂ تنہائی ہے کم بخت

ٹ ردیف (ٹ) کے اس شعر میں معشوق کی تلوّن مزاجی کا نقشہ کیا خوب کھینچا ہے ؎

نظیرؔ دل کو بچا دے، یا روک اس صنم سے کہ جس میں ہو دے
گھڑی مچلنا، گھڑی جھپکنا، گھڑی جھجکنا، گھڑی لگاوٹ

اس لگاوٹ کی مشکل ردیف میں ایک اور غزل بھی ہے، مقطع ملاحظہ ہو:۔

سننے میں نظیر اسکے لگاوٹ تو ہے لیکن ابرو میں جو چین آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ث کی ردیف صرف دو غزلوں پر مشتمل ہے، ایک شعر پڑھتے چلیے ؎

سن کے خواہش بوسۂ دشنام کی بولا وہ شوخ یہ تمنا بھی ہے بے جا، مدعا یہ بھی عبث

ج کی ردیف بھی غزلوں کی تعداد میں ث کے برابر ہے، پہلی غزل کا مقطع قابل ذکر ہے ؎

دل تو نہ دیتے ہم آہ لے گئی لیکن نظیر اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

چ کی ردیف میں تصوف کے مسائل ان دو شعروں میں سیدھے سادے لفظوں میں بیان کر دیے ہیں ؎

طریق عشق بے رہبر نہ ہو طے کہ ہے یہ راہ نہایت پیچ در پیچ
نہ ہووے دل کی تکل کٹ کے برباد اگر ڈالے نہ وہ تار نظر پیچ

ایک غزل میں چار پانچ سوالات معشوق سے کرکے مقطع میں اُس کی جانب سے ایک جواب دیا ہے جو تجاہل عارفانہ کی بہترین مثال ہے ؎

سُن کے یہ نظیر اس نے کہا ہنس کے لعبت باز جانے اُسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

حائے حطی کی ردیف میں یہ مقطع، عشق حقیقی کے رنگ میں ڈوبا ہوا، قابل ذکر ہے ؎

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیر اس یار کا ہم کو جیسی ہیں صبح اور پہر اور شام اور پھر آج اور کل اور طرح

خ کی ردیف کیوں خالی چھوڑ دیے ؎

پھرتے ہیں اس جبیں کی تمنا میں مہ جبیں اور رُخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رُخ

دال کی ردیف کے یہ اشعار شاعر کے کمال تغزل پر دال ہیں ؎

دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہم میں مگر جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند
تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند

فارسی ترکیبوں کو خوش اسلوبی سے لانے کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو ؎

در پے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند خواہندۂ یک جان ہیں ادھر مو کمرے چند

ذال کی ردیف میں مجنوں اور فرہاد کے لیے نئی نئی عام پسند تشبیہیں لائے ہیں ؎

زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ
کوہ کن کوہ کو کس لیے کاٹا کرتا دیتے غم خوار نہ کیا اسکے تئیں لا تعویذ
آخر اُسکے بھی گیا دل کا دھڑکنا اُس وقت قبر کا تیشہ نے جب اسکے تراشا تعویذ

س کی ردیف ذرا ٹیڑھی ہے، اس شعر میں لطیف اور نادر فارسی ترکیب کے ساتھ معنی کی بلاغت ملاحظہ ہو:-

اس لطف سے جز موئے قلم مانی تقدیر کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور

اس غزل کا مقطع اور اس سے قبل کا ایک شعر بھی قابل انتخاب ہیں:-

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور
غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیر آہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

اس ردیف میں ایک قطعہ بند غزل بے تکلفانہ سوال و جواب میں بھی بہت خوب ہے:-

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشک حور
ہم کریں عجز و نیاز و انکسار تم کرو جور و جفا، ناز و غرور
کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور
سُن کے فرمایا کہ گُل نے باغ میں کب لیا بُلبل کے دل کو کر کے زور[1]
شمع نے بھی کب کہا پروانے کو یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور
بلبل و پروانہ جب آپ ہی گریں اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور
عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

رعایت لفظی کی گلکاریاں ملاحظہ ہوں:-

سبزہ پڑا ہے کان میں اُس سبز رنگ کے سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پہ

دو اشعار عبرت آثار بھی پڑھ لیجیے:-

پڑی ہے خاک گورستاں کیا کیا قد موزوں پہ اُگی ہر گھاس کس کس گلبدن کے روئے گلگوں پہ

[1] زور بمعنی مکر و حیلہ ۱۲

وہ رکھے اینٹ چھاتی پر پڑے زیرِ خاک سوتے ہیں — چمکتے تھے سنہرے قصرِ جن کے بامِ گردوں پر

قرآن مجید میں دنیا کو "متاع الغرور" کہا ہے۔ نظیر نے اُس حقیقت کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

دنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر — اُلفت میں اُسکی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
ہوتا ہے آخر اسکے گرفتار کا یہ حال — جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثلِ قند — جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل — ملتے ہیں اپنے دستِ تاسف بیک دگر

اس ردیف کے ساتھ مستزاد بھی شامل ہے، ایک شعر نمونۃً ملاحظہ ہو ؎

یوں ہجر میں روتا ہوں اُس گل کے شب و روز۔ کر نالہ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے روتی تھیں یعقوب کی آنکھیں، ہر شام و سحر کو، خوناب میں بھر بھر

ایک مستزاد مثلث بھی شامل ہے، اس میں ہندی الفاظ اور تشبیہات کا استعمال کس روانی سے کیا ہے ؎

سدھ لے گئی بالے کی جھمک، صبر کرن پھول اور عقل کو ٹیکے — بالے گی گئی جھوک لگا سینہ میں اک تل دل لے گئے جھمکے
اور جی کے تئیں لے گئی زنجیر طلائی، زنجیر پنہا کر

کاجل کی کھنچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں، جو ہوش اڑایا — مستی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں جو غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینہ میں لگائی، مہندی کو دکھا کر

ڈ کی ردیف کتنی ثقیل ہے، مگر نظیر نے اس بھاری پتھر کو بھی پانی کر کے دکھا دیا ؎

اے شوخ ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ — ایسا ہی چھیڑنا ہے تو اہلِ وفا کو چھیڑ

ردیف ذ کا بھی مختصر ہے صرف دو شعر ملاحظہ کرتے چلیے ؎

جو آوے منھ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز — غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز
نظیر حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال — میں کس سے پوچھوں یہ مدت تب ہے کیا چیز

ردیف س کی ایک فرد سن لیجیے جو واقعی اپنے رنگ میں فرد ہے ؎

ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہے طائرِ دل بھلا — اُسے کنج پہونچے ہے اے صبا تو گھڑی گھڑی نہ ہلا قفس

ناامیدی کا اظہار جدتِ تشبیہ کے ساتھ ؎

ہوں ناامیدِ وصل سے یوں جیسے وقتِ نزع	رو کر کہے طبیب سے بیمار بس جی بس

نظیر اکبر آبادی کے اشعار ذیل کو درج کرکے جناب مخمور اکبر آبادی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:۔
”فارسی ترکیب بنانے کا اسلوب غالب نے نظیر سے سیکھا تھا“ ؎

گروہِ مژہ ہے مائلِ جنگِ پرِ طاؤس	تو سہم کے بے پر ہو خدنگِ پرِ طاؤس
یوں زلفِ معنبر کے خطِ سبز ہے نزدیک	گویا پرِ طوطی ہے بہ چنگِ پرِ طاؤس
دیکھے جو ترے عاشقِ گل خوردہ کی تصویر	حیرت زدہ ہو دیدۂ تنگِ پرِ طاؤس

اگلے زمانہ میں دستور تھا کہ کلام مجید اور درسی کتابوں میں مکتبوں کے طالب علم مور کے پر رکھا کرتے تھے۔ نظیر کی عمر معلمی میں گذری ان کی بلند پروازی اس چیز کو کیسے نظر انداز کرتی ؎

لکھ لکھ کے نظیر اس غزلِ تازہ کو خوباں	رکھ لیں گے کتابوں میں بہ رنگِ پرِ طاؤس

شمع اور پروانہ کے بارہ میں شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے قلم نہ اٹھایا ہو، نظیر کے یہاں یہ چیز بھی ملاحظہ ہو

اے شمع ٹک تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی	کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس
اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب	اٹھ کے پھرے تو آکے ہر اک سر کے آس پاس

ہم معنی الفاظ کو جمع کرنا اور ان کے جوڑ پر متناسب الفاظ لانا نظیر کا خاص شیوہ ہے۔ ش کی ردیف میں سے اس کی مثال پیش ہے ؎

اٹھاویں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے کہ جن کے ہوویں	جفا، تلطف، عتاب، شفقت، غضب، توجہ، ستم، نوازش

نامہ بر کا ایک پھڑکتا ہوا جواب ملاحظہ ہو ؎

جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں	زباں قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش

ص کی ردیف میں دو ہی غزلیں ہیں۔ صرف ایک شعر ملاحظہ ہو جس میں اخلاص کی نایابی کا ذکر ہے ؎

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص	لیک مشکل ہے ہم نشیں اخلاص

ض کی ردیف میں معشوق کا طنزِ لطیف ملاحظہ ہو ؎

اب تلک دھن ہے حسن دنداں کی — دیکھو اس پوپلے نظیر کی عرض

مصرعوں کے توازن و تقابل کا نظیر کو بڑا شوق ہے، ط کی ردیف میں اسکی بلند پایہ مثال دیکھیے:-

قد کو ہے سرو سہی سے ہم قدی — تن کو ہے نازک تری سے ارتباط

ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی — آن کو غارت گری سے ارتباط

ہر مژہ کو تیر سے ہے ہم سری — چشم کو افسوں گری سے ارتباط

اس کے بعد ظ کی ردیف کے دو شعروں میں ایک انقلاب کا منظر دکھایا ہے:-

کیا تماشا ہے یارو، کل تو نظیر — تھا بہت خانقاہ سے محظوظ

آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ — مغبچے کی نگاہ سے محفوظ

ردیف ع کی دونوں غزلوں کی ردیف شمع ہے۔ کلام کی تابانی ملاحظہ ہو:-

محفل میں اسکے تن کی نزاکت کو دیکھ کر — کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع

ہے منصفی تو یوں پر پروانہ پر لکھے — لکھنا اگر کسی کو ہو وصفِ جمال شمع

ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر — وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر — حسن کے گرمی بازار میں مشہور کی شمع

ردیف غین معجمہ کا صرف ایک شعر حاضر ہے:-

دیکھی جس دن سے اُس پری کی چشم — پھر ہمیں ہوش کا ملا نہ سُراغ

ردیف فا، کی پہلی غزل کا مطلع قابل ذکر ہے:-

ساقی یہ پلا اس کو جو ہو جام سے واقف — ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

تغزل و حسن بیان کی کچھ اور اعلیٰ مثالیں:-

مستی کے سوا دو زمیں اس چشم سیہ کے — کافر ہو جو ہو گردشِ ایام سے واقف

مرکر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ — اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنہ — تھے کا ہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

اور مقطع کس غضب کا ہے :۔

کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ آہ
دل اُسکو دیا جسکے نہیں نام سے واقف

تقابل و تضاد اور لف و نشر کی مثال دیکھیے :۔

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخ چنچل اُس طرف
تھی سادہ لوحی اس طرف مکر و فسوں چھل اُس طرف
کیا کیا دکھاتی ہے الم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف تو لف مسلسل اُس طرف

یہ شعر تو امانت لکھنوی کی آبرو کھوتا نظر آتا ہے ؎

غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیرؔ
گھات میں رہتے ہیں بالے کے "مگر" دونوں طرف

ق کی ردیف میں بھی ایک ایسا ہی شعر ہے ؎

مضمون سرد مہری جاناں رقم کروں
گر ہاتھ آئے کاغذِ کشمیر کا ورق

غالب کا مشہور شعر ہے ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

یہی خواب کا معاملہ نظیرؔ کے یہاں ردیف "ک" میں یوں رقم ہوا ہے :۔

چشم اپنی گئی کھل جو نظیرؔ اس میں تو پھر ہم
ملتے کفِ افسوس رہے وقت سحر تک

ردیف "گ" کا ایک شعر :۔ ؎

دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم
پھر نہ اُس دن سے پی مے گل رنگ

ردیف لام کی پہلی غزل میں تشبیہات کا کمال دیکھیے :۔

یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق
یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آ کر نظر سے متصل
ہیں یہ زلفیں منھ پہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ
چلتے چلتے تھم رہے آ کر قمر سے متصل

دل کی ردیف میں تو کہنا چاہیے کہ نظیرؔ نے دل نکال کر رکھ دیا ہے :۔

آوے اگر بتاں کے تئیں رسم دلبری
تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نہ پائے دل
اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دعا
ظالم خدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل

اور جب یہ تو فدا ہو وہ ظالم ہوا اس قدر جو مطلقاً ترا وہ نہ خاطر میں لائے دل
شیدا ہوں میں تو لیلیٰ و مجنوں کی چاہ پر خالق نے کیا ہی خوب تھے انکے بنائے دل
تھے اُسکے پاک کے آبلے چھاتی پہ اسکی آہ کیا اتحاد جسم تھا اور کیا صفائے دل

اس غزل میں معشوق کی سراپا کشی میں کہنا چاہیے کہ قلم توڑ دیا ہے۔ کتنے مشکل قافیوں کو نبا ہا ہے۔ متناسب الفاظ اور ان کی شوکت گویا قاآنی کے قصائد کا نمونہ پیش کرتی ہے:۔

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بے کل پری رُو تند خو سرکش ہٹیلا، چلبلا، چنچل
وہ عارض اور جبین تاباں کہ ہوں دیکھ اسکو شرمندہ قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
کفوں میں، انگلیوں میں، لعل لب میں، چشم میگوں میں حنا، آفت، ستم فندق، مستی جادو، فسوں کاجل
نزاکت اور لطافت وہ کف پا تک کہ حیراں ہوں سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، دُر، پرنیاں، مخمل

اور اس قسم کے کلام کو تو ایک حد تک شاہ نصیر دہلوی کے رنگ سے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ انھیں کی طرح، مشکل طرح اختیار کرنے کے باوجود کلام کی طرحداری علی حالہ قائم رکھی ہے ؎

کھلی جو تنک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل
دن کو تو ہم فتنہ سے ہم اس سے مل سکتے نہیں آتا ہے جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل
تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل تاب سے تاب رخ سے رخ نور سے نور ظل سے ظل
یوسف مصر سے گر ملتے ہیں سب ترے نشاں ٭ زلف سے زلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل
جلنے ہر کشتگان عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے اشک سے اشک، نم سے نم، خوں سے خوں، گل سے گل
جب سے موئے کوہکن کرتے ہیں اُسکا غم سدا کوہ سے کوہ، جُو سے جُو، سنگ سے سنگ، سل سے سل
یار ملا جب اے نظیر میرے گلے تو مل گئے جسم سے جسم جان سے جان، روح سے روح دل سے دل

جو دل کو دیجیے تو دل میں خوش ہو کرے ہے کس کس طرح سے ہلچل
اگر نہ دیجیے تو وہ ہیں کیا کیا جتا وے خفگی، عتاب، اکڑ، بل
کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی

جو سوچے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

اس کے مقطع میں محاورے ذرا عامیانہ استعمال ہو گئے ہیں۔ مگر یہ تو نظیر کا خاص رنگ ہی ہے ؎

نہ جل میں آوے نہ بھڑ کے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیر اک دم
بڑا ہی پُر فن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا چنچل

ایک اور مقطع خاص نظیر کے رنگ کا ؎

ہے دم غنیمت اے نظیر اب میکدہ میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں، پھر دیکھ لیجیو کل کی کل

ہم کی ردیف میں سب سے مشہور غزل "ہم" کی ردیف والی ہے اور بقول صاحب روح نظیر، آج بھی اکبر آباد (آگرہ)، اور اس کے قرب و جوار میں خلائق کے زبان زد ہے۔ کس غضب کی بے کسی کھائی ہے۔ یہ غزل اُردو کے شاہکاروں اور شاہ پاروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے:-

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب و دانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بت خانے کو ہم

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیر
تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مرجانے کو ہم

کس غضب کا مطلع ہے: ؎

نہ اُسکے نام سے واقف نہ اُسکی جا معلوم
ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بُت خدا معلوم

عاشق کے تجاہل کے بعد معشوق کا تجاہل بھی اسی غزل کے ایک اور شعر میں پڑھتے چلیے: ؎

ہم اُس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے
قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم

میر کے رنگ میں :-

جو ملنا ہے مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

مسلسل غزل کہنے میں نظیر کو کمال حاصل ہے، کئی مثالیں پہلے گزر چکیں اب ایک اور مثال دیکھیے:۔

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائینگے ہم
تو ہار کے اک دن اسکی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائینگے ہم

بیزار کرینگے خاطر کو پہلے تو تمھاری چاہت سے
پھر دلکو کبھی منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائینگے ہم

گر کہنا دل نے مان لیا اور رُک بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیویگا تو بھیس بدل کر آئینگے ہم

اول تو نہیں پہچانوگے اور لوگے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دلکو خوش کر جائینگے ہم

گر چھپنا بھی کھل جاویگا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی انکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائینگے ہم

اور اس غزل میں تو تغزل کا کمال ہی دکھا دیا ہے:۔

کبھو دیکھوں وسنبل باغ کو، مجھے اُس خم زلف دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارض گل کی طرف مجھے اُس رخ مہرِ وفا کی قسم

یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کُشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اسکی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم

جو نہیں آیا ادھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو لبیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اُس بُت ہوش ربا کی قسم

بدن اُسکا ہے رُود کش برگ سمن، مرے بر میں جو آئے وہ رشکِ چمن
رکھے غنچۂ دل مرا گل کے ثمن، مجھے اُس کھلے بند قبا کی قسم

ترے عشق نے دل میں جو درد دیا تو کچھ اس سے مزا میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں، نہ کروں میں دوا، میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم

لگی منہدی جو ہاتھوں میں اُسکے میاں، تو وہ سُرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں سو وہ کھاتی ہے اس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیر جو اس کے تئیں تو تھا شرم وحیا سے وہ سرو قدیں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں میں کہوں کیا اب اُسکی حیا کی قسم

شروع میں ایک غزل کا مطلع درج ہوچکا ہے جس میں عاشق کی ترجمانی یوں کی گئی ہے ؎

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائینگے ہم
تو ہار کے آخر اسکی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائینگے ہم

میم ہی کی ردیف میں معشوق نے اس کا جواب بھی دیدیا ہے ؎

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤگے تم
ہم اور چھپیں گے یا نت تک جی خوب ہی پھر گھبراؤگے تم

اسی غزل کا ایک اور شعر ؎

گر چھپکر دیکھنے آؤگے ہم اپنے بالاخانے کے
سب پردے چھوڑے رکھینگے پھر کیونکر دیکھنے پاؤگے تم

یہ کلام تو سارے کا سارا حمد خداوندی میں ہے :۔

اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام
قدیر و حی و کریم و مہیمن و منعام

بروج بارہ میں لاکر رکھی وہ باریکی
کہ جسکو پہونچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام

یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ ان کے یار
عطارد و زحل و زہرہ، مشتری بہرام

جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام

چمک رہا ہے اسی کی یہ قدرتوں کا نور
بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام

ردیف ن کی پہلی غزل میں دام زلف اور اسکے متعلقات کا کس خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے :۔

دل خم ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے
دام میں لیتا ہے اس کاکل کا اک اک بل ہمیں

اور یہ مطلع کس غضب کا ہے ؎

کہتے ہیں یاں کہ "مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں"
پیارے جو ہم سے پوچھو، تو یاں کیا، کہیں نہیں

اور اس کے بعد ہی ؎

تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں
یوں نازنیں بہت ہیں پہ ناز آفریں نہیں

زلف کا جنجال ملاحظہ ہو :۔

خم، تاب، حلقے، بل، چین، گرہ و شکن ملے باہم
زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں

اسی ردیف میں ایک مسلسل غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :۔

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی رسمی کام کریں ... کلک اُٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے ... بعد اسکے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں

لیکن مقطع میں نامۂ شوق کی تحریر کو محض عبث ٹھہرایا ہے ؎

اسمیں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیر ... وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ لکھیں بدنام کریں

ذیل کا شعر کتنا عبرت آگین ہے ؎

چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ ... یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

خاص میر کے رنگ کے اشعار ملاحظہ ہوں :۔

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں ... نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے میں بھی پھرا کروں
جو نہیں دیا میں نے طلب کیا تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر ... مجھے خوف ہے کہ مبادا اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں
مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر ... تو کہا کہ اسکی دوا یہ ہے تو کہا کرے میں سنا کروں

کہیں کہیں ریختی کے نمونے بھی ملتے ہیں جس میں آگے چل کر جان صاحب نے کمال حاصل کیا ؎

کبھو مِسّی، کبھی پس پس، کبھو بیالہ ٹیک ... دماغ کرتی تھی کیا کیا خراب کے پینے میں

فارسی ترکیبوں کو کلام میں بے ساختہ استعمال کرنے کی دو مثالیں ؎

چاہت کے اب افشائے اسرار تو ہم ہیں ... کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ ... حسرت زدۂ شوخی رفتار تو ہم ہیں

ذیل کی مسلسل غزل فلسفیانہ حقائق سے پُر اور عبرت انگیزی میں فرد ہے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں ... دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں
یہ کاسۂ فیروز گوں ہے شیشہ بازِ پُر فسوں ... جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اُسکے ہیں زیر نگیں
کل دامن صحرا میں ہم گذرے جو وقت صبحدم ... اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں ... تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تہِ ہیں زیر زمیں

میر تقی میر کے یہاں بھی اس کا ہم مضمون ایک قطعہ "کل پاؤں اک کاسۂ سر پر جو آگیا" سے شروع ہونے والا

موجود ہے۔ نظیر کے کلام میں اُمید و رجا کا پیغام بھی جا بجا ملتا ہے اور یہ غزل تو پوری اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے:۔

عیش کر خوباں میں اے دل شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی تو زندگانی پھر کہاں

جس قدر پینا ہو پی لے پانی ان کے ہاتھ سے
آب جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں

اُلفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
مہرباں ہی اُٹھ گئے یہ مہربانی پھر کہاں

واعظ و ناصح بکیں تو ان کے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ، یہ شعر خوانی پھر کہاں

ایک اور غزل میں بھی رنگ نمایاں ہے:۔

ہجوم ابر ہے، چمکے ہے برق اور مینہ برستا ہو
نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

صدائے بلبلاں ہے، آبجو ہے، صحن گلشن ہے
سمن ہے سرو ہے، گلنار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عیش کی پیتا ہے مے ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہے گل ہے گل رخسار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

تشبیہ کی جدت ملاحظہ ہو ؎

ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

اسی غزل کا ایک اور چیدہ شعر ؎

تلا نہ حسن تمہارا و گر نہ میزاں نے
فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں

مسلسل غزل میں معشوق کی سراپا نگاری اور اس کے عادات و شمائل کا بیان نظیر کے مخصصات کلام سے ہے، اس کی چند مثالیں پہلے درج ہو چکی ہیں اس ردیف میں بھی ایک مثال موجود ہے:۔

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن
گل رُخ و گلگوں قبا و گل عذار و گل بدن

مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رُو، مہ جبیں
سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں
برق و ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

زلف و کاکل، خال و خط، چاروں کے یہ چاروں غلام — مشکِ تبت، مشکِ چیں، مشکِ خطا، مشکِ ختن
نازنیں، نازآفریں، نازک بدن، نازک مزاج — غنچہ لب، رنگیں ادا، سیمیں زنخ، شیریں دہن
بے مروت، بے وفا، بیدرد، بے پروا خرام — جنگجو، قتال وضع و تندخو و دل شکن
دوش و بر، دندان و لب، چاروں سے یہ چاروں خجل — نسترن، برگ سمن، دُرِّ عدن، لعلِ یمن
سختی و بیرحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے — معتمد، مومی الیہ و مستشار و مؤتمن

محاورات کا استعمال نظیر کے یہاں کثرت سے ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو؎

چار حرف اس بتِ پُرخوں کے اوپر بھیج اے نظیر — آپ سے آپ جو ہو جاوے خفا تیسرے دن

اس تیسرے دن کی ردیف کے دو شعر اور سن لیجیے:۔

غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش — ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن
لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے — مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن

زاہد اور شاعر کی باہمی نوک جھونک اردو شاعری میں فارسی کے اثر سے بکثرت ملتی ہے، نظیر کے یہاں کیوں نہ ہوتی:۔

دور از طریق مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا — گر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں

اس غزل کا مطلع صوفیانہ رنگ کا ہے:۔

لیتا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں — اے یار میں تو کشتۂ روزِ الست ہوں

غالب کا مصرعہ ہے: "میں ہوں اپنے شکست کی آواز"، نظیر کا مقطع ملاحظہ ہو:۔

ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر — میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

صنعت تضاد کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں — پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں

اور یہ غزل بھی ناخدائے سخن میر کے طرز کی ہے:۔

دل ٹھہرا ایک تبسم پر، کچھ اور نہ بھائے جان نہیں — گر ہنس دیجیے اور لے لیجیے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرزِ تغافل ہے یار و
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
تم کہتے ہو جسکو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اسکی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اسکے دام سے تو وہ دانا ہے نادان نہیں

ردیف ن میں ایک اور مسلسل غزل عبرت و فنا کے تذکرہ سے پر ملتی ہے، بلند معنی کے ساتھ ساتھ شوکت الفاظ بھی برابر قائم ہے :۔

کیا دل لگاویں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں
نے واں ثبات اس سے بہم، نے یاں قیام اپنے تئیں

تھا اک مکان دلکشا، رشکِ چمن جس کی فضا
تھی اس جگہ رونق فزا، رقاصہ شوخ اک نازنیں

قد حسرت سرو چمن، لب غیرتِ لعلِ یمن
جعد معنبر پرشکن، نوک مژہ نشتر قریں

دیکھ اسکے رقصوں کی ادا دل رقص میں تھے جابجا
نغمات یکسر سحر زا، انداز کل جادو گزیں

ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و تواں
طور تکلم دُر فشاں، طرز تبسم شکریں

گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ ہو گئی
وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں

وہ گل سا کھڑا زرد ہے، گرمی کا عالم سرد ہے
جان رنج سے پر درد ہے، آزردہ دل اندوہگیں

نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی
نے لب میں وہ سُرخی رہی نے منھ میں وہ دُرِ ثمیں

دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں
تھی کل تو رشکِ گلستاں، ہے آج خارہ سہگیں

بولی نظیر عبرت ہیں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہے چناں گاہے چنیں

یہ غزل تو تغزل کے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے :۔

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں

دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

دل بھی اور جان بھی دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گل کہیں، غنچہ کہیں، بلبلِ بدنام کہیں

اور یہ شعر تو جان تغزل ہے :۔

خدا کی شان جنھیں بات بھی نہ آتی تھی
وہ اب کریں ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

واو کی ردیف میں دست حنائی کی دست رسی کس خوبی سے دکھائی ہے:۔

دکھلا حنائی دست لیا، جھپٹ کے دین و دل کیا دسترس ہے، دیکھیے اس دستگاہ کو

اور یہ شعر تو ضرب المثل بن چکا ہے:۔

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

ایک غزل پوری کی پوری مکالمہ میں ہے، دو شعر اس کے بھی سنیے:۔

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو" کہا کہ "اسلیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"

کہا کہ "عرض کریں ہم پہ جو گذرتا ہے" کہا "خبر ہے ہمیں، کیوں زباں پہ لاتے ہو"

ذیل کے شعر میں بالکل نیا مضمون پیدا کیا ہے:۔

گو آتشِ گل بھڑکی ہے پر یہ نہیں توفیق پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

ایک اور شعر اسی ردیف کا قابل انتخاب ہے:۔

ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے وہ آن غضب ہے جو خداداد کوئی ہو

اپنی محرومی و تشنہ لبی کی انتہا، ردیف ھاء میں دکھائی ہے۔

دریا بھی بہے مے کے، پرلے بادہ پرستاں یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوے آہ

"عشق اللہ" کی ترکیب نظیر نے اختراع کی اور پوری دو غزلیں اس میں لکھ ڈالیں۔ پہلی غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب کوئی اس فتنۂ دوراں سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ کشتۂ شمشیر نگاہِ قاتل جا کے اس گنج شہیداں سے کہو عشق اللہ

غالب کی ایک غزل بہترین فارسی ترکیبوں سے مملو اس مطلع کے ساتھ آپکی نظر سے گذری ہوگی:۔

از مہر تا بہ ذرہ دل و دین ہے آئینہ طوطی کو شش جہت کے مقابل ہے آئینہ

نظیر کی غزل بھی اسی ٹکر کی ہے:۔

بسکہ دل اُسکا ہے مانوسِ خیال آئینہ ہے وہ ملکِ حسن محروسِ خیالِ آئینہ

تھا وہ پشت بام پر عکس آرسی میں ہم نے بھی — زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ
تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جبر سے — بلبل تصویر و طاؤس خیال آئینہ
ہے اگر منظور سیر عالم حیرت نظیر — تو دل اپنا کر تو مجبوس خیال آئینہ

ی کی ردیف بہت بڑی ہے۔ دوسری غزل مسلسل ہے، دل کی جدائی کا نقشہ کیا بے مثل کھینچا ہے:

میاں دل تجھے لے چلے حسن والے — کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے
ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رولوں — تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہالے
خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے — کہیں مت نکلنا اندھیرے اجالے
ترے اور بھی ہیں طلبگار کتنے — مبادا کوئی تجھ کو واں سے اڑالے
نظیر آہ دل کی جدائی بری ہے — بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

تغزل کے بلند پایہ نمونے اس غزل میں ملاحظہ کیجیے:۔

ہیں سب سے تو اے ماہ اشارات ولیکن — رہتی ہے پھری ابروئے خمدار ہمیں سے
محفل میں جو دیکھا تو ادھر تم ہو خفا اور — ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے
سمجھے گا جو رتبے کو نظیر اہل وفا کے — تو ملنے لگا وہ طرحدار ہمیں سے

رعایت لفظی کا کمال دیکھیے:۔

دل دیکھ شمع رو کے کوچے سے کب اٹھیں ہم — پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے

میر کے رنگ میں:۔

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے — دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
اسکی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپکر — تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

چاندنی کا مضمون بہت سے شعراء نے باندھا ہے۔ نظیر کے یہاں پوری ایک غزل اسی کی ردیف میں ہے، مطلع کی تابانی ملاحظہ ہو:۔

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی — خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

کس غضب کا ترنم اس غزل میں ہے، اور دیکھیے کہ فارسی ترکیبوں کا استعمال کس نفاست سے کیا ہے۔

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار — لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی
کوچے میں اُسکے بیٹھنا، حسن کو اُسکے دیکھنا — ہم تو اسی کو سمجھے ہیں، باغ بھی اور بہار بھی
دیکھتے کیا ہو بے طرح، دلکی لگے ہیں گھاتمیں — غمزۂ پُر فریب بھی، عشوۂ سحر کار بھی
زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی — دام لیے ہے مستعد، طرۂ تابدار بھی

نظیر کا مخصوص رنگ اس غزل سے ظاہر ہوتا ہے:۔

ہے پھنسا جو زلف میں اسکے دل تو بتاویں کیا تجھے ہم نشیں
کبھی بل سے بل کبھی خم سے خم، کبھی تاب پیچ سے تاب ہے

وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں، کبھی چشم غم سے پُر آب ہے

وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رُخ پہ رُخ، کبھی لب پہ لب، کبھی ساغر مے ناب ہے

انشاء کی مشہور اور معرکۃ الآرا غزل ہے۔

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حور کی سوجھی — لا لا تھا ادھر دے کہ بہت دور کی سوجھی

نظیر کی غزل بے ساختگی، سلاست، شگفتگی اور انداز بیان میں انشاء کی غزل سے کہیں فائق ہے،
چند اشعار دیدۂ انصاف سے ملاحظہ ہوں:۔

دیکھ عقد ثریا ہمیں انگور کی سوجھی — کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی
ہم نے تو اُسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے — پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی
سر پاؤں سے جب پھنس گئے اُس زلف سیہ میں — تب ہم کو سیاہی شب دیجور کی سوجھی

مشکل قافیہ اور ردیف میں بہتر سے بہتر شعر نکالنے میں نظیر کو ملکہ حاصل ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو:۔

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی — پھر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی

پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے — اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی
پلکیں تو چھیدیں تھیں دل، مارے تھی برچھی نگاہ — ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی

ایک اور مثال :۔

بہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے — کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری

نئی نئی تشبیہات، اور نئے نئے الفاظ کے ساتھ مضمون میں معاملہ بندی، نظیر کا خاص حصہ ہے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ جھمکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے — اسی بالے کی دولت سے تمہارا بول بالا ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اسکی چھدتے ہیں میں حیراں ہوں — نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
وہ مکھڑا اگل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے — سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے
کن انکھیوں کی نگہ گیتی، اشارت قہر چتون کے — جو دوں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے

عشق و محبت کے مختلف مدارج ایک شعر میں۔

ہنسے، روئے، پھرے، رسوا ہوئے جاگے، بندھے چھوٹے — غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے

اس غزل کا ایک اور بے مثل شعر۔

تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں اور بیدرد خوباں میں — جو اُسکے ہاتھ گل ٹوٹے، تو ان کے ہاتھ دل ٹوٹے

وصل و عیش کی گھڑیاں کتنی جلد گذرتی ہیں، لیکن ہجر و مصیبت کا وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ اس مضمون کو نظیر نے یوں باندھا ہے۔

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں۔ — آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

فلسفیانہ واقعیت پسندی کی ایک بے نظیر مثال کلام نظیر میں۔

مر بھی جاویں گے تو جز پیرہن عریانی — آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن یاد رہے

سراپا نگاری میں نظیر کے کمال کی بہت سی مثالیں گذر چکیں، ردیف ی میں بھی یہ کمال کئی جگہ دکھایا ہے، ایک غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

جبیں مہتاب، آنکھیں شوخ، شیریں لب، گہر دنداں
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہو

اور یہ غزل تو سراپا نگاری کے اعتبار سے اُردو شاعری میں بے نظیر مانی جا چکی ہے :-

رُخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب نام خدا ہو ترے قربان پری

جھمکے جھمکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری، موتی پری اور کان پری

رشک خورشید جبیں، ابر سیہ سی پٹی
لہر چوٹی کی غضب، زلف پریشان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
قہر کاجل کی کھنچاوٹ، مسی و پان پری

مینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھپے دل جس سے
حور چتنی کی جھلک، گوہر غلطان پری

محاورے نظم کرنے میں نظیر کو مہارت ہے :-

اب ترے رونے کا عالم حد سے گذرا اے نظیر
اشک نے تیرے تو سب جل تھل اُلکل کر بھر دیے

ایام شباب کی پر حسرت یاد۔

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اُس وقت ہنر تھے

دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی
زلفیں الم شام تھیں رُخ رشکِ سحر تھے

کیا شور تھے، کیا زور تھے، ہر لحظہ اہا ہا
کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف خطر تھے

دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیر آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

اور یہ مطلع کس غضب کا ہے۔

سرشک چشم سے موتی بہت پروئے گئے
ولے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے

یہ غزل سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے۔

کیا ادا کیا ناز ہے، کیا آن ہے
یاں پری کا حسن بھی حیران ہے

اُس کے سبز رنگ کی ہے چمن میں دھوم
کیوں نہ ہو آخر کو ہندوستان ہے

جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج
لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے

دل بھی ہے دل سے تصدق آپ پر　　جان بھی جی جان سے قربان ہے

اور یہ مقطع بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں :۔

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں　　یہاں نظیر سے جب ہم فقط نظیر ہوئے

کاروان شباب کے چشم زدن میں اور چپ چپاتے گذر جانے کی تصویر صرف ایک شعر میں کھینچ کر رکھدی ہے،

یوں کارواں شباب کا گذرا کہ گوش زد　　آوازہ پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی

نظیر کی فلسفیانہ نگاہ نے حباب کی مختصر زندگی سے انسانی زندگی کی کیا بے نظیر تمثیل دی ہے۔

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر　　ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ اک حباب سے

دنیا کی وقتی خوشی ہرگز قابل اعتبار نہیں، اس کو نظیر نے یوں ادا کیا ہے۔

ہے آج تو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم　　کل سر کو پٹکنا ہے چمن کی روشوں سے

دل لگانے کے بعد کیا کیا ہوتا ہے، صرف ایک شعر میں۔

لے روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے　　نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

چشم تر کا مقابلہ ابر باران سے۔

مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہو کیا نسبت　　کہ وہ دریا کا پانی اور خون دل یہ برساتی

ایک اور جگہ "کچھ نہیں اور سب کچھ ہے" کا مقابلہ ملاحظہ ہو۔

ہستیاں، نیستیاں، یاں بھی ہیں ایسی جیسے　　وہ کمر، اور وہ دہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

بے زری، فاقہ کشی، مفلسی بے اسبابی　　ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

ضمیمہ غزلیات

غزلیات کے ضمیمے میں بھی بہت سے قابل انتخاب اشعار ہیں، لیکن صرف چند ہی کے اندراج پر اکتفا کی جاتی ہے، کیونکہ ابھی نظیر کے دیگر اصناف کلام پر اظہار رائے بھی کرنا ہے۔

گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا اور کیا دیا　　سب کچھ دیا، اگر دل بے مدعا دیا

ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیر
کام مشکل تھا، پر اللہ نے آسان کیا

ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے
کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا

ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیر کو بھی اسی بے وفا نے لوٹ لیا

نظیر اُس شوخ نے سیکھی زبان فارسی جب سے
دلوں کے حق میں جز بشکن اسے مشکن نہیں آتا

ہر شب ترے فراق میں اے اختر مراد
اپنی ہر ایک آہ ہے گنجِ ستارہ ہا

ہے تو وہ مہر حسن کہ ہر دم تری طرف
گل اختر سپہر ہیں گرم نظارہ ہا

کرتی ہے اک نگاہ کی گردش ہزار ناز
رکھتی ہے ایک جنبش ابرو اشارہ ہا

بدن گل، چہرہ گل، لب گل اور دہن ہے گل
سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا

یہ دلِ ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا
اسکو اپنا گھر سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

لکھیں نہ حرف وفا کیا کریں کہ اول سے
ہوئی قلم کو ہمارے یہی نوشت نصیب

آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ
جو جنبشِ عشق ہو وہ کرے پاس سب اسباب

طلب ہے کسکو رہائی ہے بحر ہستی میں
اگر صدف ہے تو اسکو بھی ہے گہر کی طلب

جہاں بھی خواب ہے اور ہم بھی خواب ہیں اے دل
عجب بہار کا دیکھا یہ ہم نے خواب میں خواب

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ حجاب

آگے ہی دل اپنا یہ سودائی ہے کم بخت
اور تس پہ سنا یہ کہ بہار آئی ہے کم بخت

یہ دل جس کو کہتے ہیں عرش الٰہی
سو اس دل کو یارو میں یاں بیچتا ہوں

ذرا میری ہمت تو دیکھو عزیزو
کہاں کی ہے جنس اور کہاں بیچتا ہوں

میں ایک اپنے یوسف کی خاطر عزیزو
یہ ہستی کا سب کارواں بیچتا ہوں

کیا کس کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ
حسرت زدہ شوخی رفتار تو ہم ہیں

ہم سے تو نزع میں بھی نہ بولا وہ غنچہ لب
اپنی کھلی نہ تا بہ دم واپسیں گرہ

کل جو گلشن میں گیا میں کہ ذرا غم کھو لے
واں بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری

حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر سے — وہ کہتے ہیں غافل، یہ بقا ہے یہ فنا ہے
کیا دام زلف چاہیے جس جا پہ خال ہو — دانا کے واسطے تو یہ دانہ ہی جال ہو
گئی فلک تئیں پر اسکے دل میں راہ نہ کی — ہماری آہ نے پیدا یہ دستگاہ نہ کی
غنچہ لب، مہر جبیں، عارض گلفام پری — گلشن حسن ہو اب تو وہ گل اندام پری
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار — ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوکِ گیاہ — مثالِ قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے
کٹی کچلی گئی، ٹوٹی چھنی، بھیگی، پسی مہندی — جب اتنے دکھ سہے تب اُسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

تضمین نگاری

نظیر کے کلام کا ایک خاصہ بڑا حصہ تضمینوں پر مشتمل ہے، حضرت شہباز نے لکھا ہے :۔
"اُردو کے شعراء میں آج تک نظیر سے بہتر کسی نے تضمین نہیں کی۔ گویا نظیر تضمین کا بادشاہ ہے"

تذکرہ گلستان باطن میں لکھا ہے کہ تقریباً پورے دیوان حافظ کی تضمین اُردو میں کر ڈالی تھی۔ اس کے علاوہ پندنامہ سعدیؒ ذکریا، کی تضمین میں تو کہنا چاہیے کہ لفظ اور معنی ہر اعتبار سے سعدی سے مشابہت کاملہ حاصل کر لی ہے۔ سعدی کے علاوہ خسرو، کی بعض فارسی غزلوں اور اساتذۂ اُردو کی متعدد غزلوں کی تضمین بہترین انداز میں کی ہے۔ کلام سعدی کی تضمین کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو :۔

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے — وہ حُسن کہ تے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اُسکی میں خوبی کے قرینے — خورشید رُخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، سنگ دلے، تنگ دہانے

خسرو کی مشہور و معروف غزل کی تضمین۔

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری　قد سے خجل سرو سہی، رفتار سے کبکِ دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و ادا و دلبری　اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیبا تری

کلام حافظ کی تضمین میں کمال نظیر ملاحظہ ہو:۔

گو کہ مے پینے میں ہیں بدنامیاں　عزت و حرمت کا جاتا ہے نشاں
ہم تو سمجھے نہیں یہ، لا ساقی میاں　گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

اصل کمال تو کریائے سعدی کی تضمین میں دکھایا ہے، چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

الٰہی تو ستار و غفار ہے　مرا یاں گناہوں کا انبار ہے
نہ حامی کوئی نے مددگار ہے　اب اس بے کسی میں تو ہی یار ہے
نداریم غیر از تو فریاد رس
تو عاصیاں را خطا بخش و بس

کرم میں وہ خوبی ہے اے مہرباں　کہ ہوتا ہے جس کا ہر اک جا بیاں
زباں سے قلم سے قدم سے میاں　کیا کر کرم اور یقیں اس کو جاں
کرم نامدار را جہانت کند
کرم کامدار را امانت کند

تکبر جو کرتا ہے یاں اختیار　وہ رہتا ہے لوگوں کی نظروں میں خوار
حذر اس سے رکھتے ہیں اہل وقار　یہی یاد رکھ دل میں اے ہوشیار
کسے را کہ خصلت تکبر بود
سرش پُر غرور از تصور بود

اُردو شعراء کے کلام پر بھی نظیر نے تضمین کی ہے۔ سراج کی غزل پر تضمین کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

کسی وقت مکتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سوا اس علم کا یہ کمال تھا
گیا جب کہ مدرسۂ عشق میں تو اب آگے یارو کہوں میں کیا
وہ عجب گھڑی تھی کہ جب گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی وہیں دھری رہی

فغاں کی غزل پر تضمین :۔

دل دیتا ہوں یارب مجھے الزام نہ ہووے — اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوش زد عام نہ ہووے — ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے
دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

نظیر کے کلام میں مخمس بھی کثرت سے ہیں، اور ان میں بھی نظیر نے مہارت فن کا ثبوت قدم قدم پر پیش کیا ہے۔ نمونے ملاحظہ ہوں :۔

سُرخی سے اسکے لب کی کب لعل ہو برابر — دنداں کو اسکے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پر خم نوک مژہ ہے نشتر — زلف اس صنم کی جب جا ہوتی ہے دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

ایک مخمس میں نظیر نے اپنی مشہور غزل کی تضمین کی ہے، پر لطف مقطع ملاحظہ ہو:۔

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے — کون سے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے
شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے — یار ملا جو آ نظیرؔ میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم، جاں سے جان، روح سے روح، دل سے دل

مہندی والی مشہور غزل کا مخمس ملاحظہ ہو:۔

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پہ عاشق ہوئی مہندی — کہ باطن میں ہوئی ہے سُرخ، ظاہر میں ہری مہندی
کرے خونیں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی — کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی، مہندی

جب اتنے دکھ سہے جب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

خمسہ جات میں خمسہ ہفت زبان بھی نظیر کی قدرت کلام کو ظاہر کرتا ہے، لیکن عربی اشعار میں کاتب کی غلطی نے کلام کو بے لطف کر دیا ہے۔

یہ خمسہ واسوخت کے طرز میں ہے، ایک بند ملاحظہ کیجیے :۔

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے — کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
میں تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے — یہ بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہرجائی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

"موتی" کے عنوان سے نظیر کا خمسہ اُردو ادب کے دُرِ بے بہا کی حیثیت رکھتا ہے، اس صاف نظم میں اس غواص سخن نے وہ وہ جوہر طبع دکھائے ہیں اور ہر ہر زیور میں موتی ہی کی آب و تاب اور حسن و نزاکت پر وہ کمال سخندانی دکھایا ہے، جس کی داد نہ دینا ظلم عظیم ہے۔ سوانح نگار نظیر جناب شہباز کی تحقیق ہے کہ موتی، نظیر کی ایک محبوبہ کا نام تھا اور یہ نظم ساری کی ساری اُس کی تعریف میں ہے۔ یہ پورا خمسہ طویل ہے، محض اقتباس پر اکتفا کرنی پڑے گی :۔

کبھی وہ ناز میں ہنسکر جو کچھ باتیں بناتی ہے — تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے — وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لبِ رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت — کہ خجلی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اُدھاہٹ کچھ مسی کی اور کچھ اُس پر پان کی رنگت — وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور اُدھر نیلم، ادھر مرجان، اُدھر موتی

گلے میں اُسکے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں — چمن کے گل سب اُسکے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطرات شبنم دل میں روتے ہیں — فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

پری کے سراپا' والے خمسہ پر جناب مخمور نے بہت کچھ لکھا ہے، اور ان کے نزدیک یہ "شاہکار لفظی مصوری کا جیتا جاگتا معجزہ اور جزئیات نگاری کا زندہ جاوید کرشمہ ہے۔ اُردو زبان کے شعری سرمایہ میں یہ ایک عدیم النظیر جمال پارہ ہے جسے دنیا کے کسی ادب کے بہترین عہد کے کارناموں کے مقابلے میں آسانی سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس میں نظیر کا آرٹ اپنی پوری ندرت و قوت کے ساتھ جلوہ گر ہے..... لفظوں کی ترتیب، ان کا توازن، ان کا ترنم، سارا اہتمام لاجواب و بے نظیر ہے۔ بحر کی موسیقیت ان محاسن پر مستزاد اور اپنی جگہ خود ایک لذت و مسرت ہے"۔ ذیل کے اقتباسات پڑھ کر آپ بھی مخمور کی اس رائے سے اتفاق کا اظہار کریں گے اور کلام کی خوبی آپ کو مست کیے بغیر نہیں رہیگی:

خونریز کرشمہ ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی — مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھنچاوٹ ویسی ہی
قتال نگہ اور دشت غضب، آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی — پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی لگاوٹ ویسی ہی
عیار نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی

وہ کافر دھج، جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے — پازیب کڑے پائل گھنگھرو کڑیاں چھڑیاں گجرے توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے، — وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن — بلدار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل، جی کی دشمن
مذکور کروں کیا اب یارو اُس شوخ کے کیا کیا چنچل پن — کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، پھڑکے بازو، تھر کے سب تن
گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہی

"خواب کا طلسم" کہنے کو تو عاشقانہ خمسہ ہے، لیکن معنوی اعتبار سے اس میں فنا و بے ثباتی عالم کو دل نشین انداز میں ظاہر کیا ہے ابتدا میں دنیا کی ظاہر فریبیاں دکھائی ہیں پھر ایک ستم پیشہ مہ لقا سے ملاقات اور وصال کا نقشہ کھینچا ہے اور آخر میں اس عارضی عیش و نشاط کا خاتمہ دکھایا ہے، اور اسے محض ایک خواب قرار دیا ہے، جس کے بعد محض اس کی حسرت باقی رہ جاتی ہے۔ آخری اشعار ملاحظہ ہوں:-

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں — چاہا میں اُس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں

اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی
یہ حادثہ مجھ پہ پڑا آکے یک بیک　　آنکھوں سے میرے اُس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی قرار گیا، جل گئی پلک　　جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

مسدسات

پہلا مسدس جدائی کے عنوان سے ہے، ہر بند چوٹ کھائے دل پر تازہ داغ لگانے والا اور فراق زدہ عاشق کو خون کے آنسو رُلانے والا۔ نمونے ملاحظہ ہوں:۔

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جدائی کا　　ولے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا　　بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا
غضب ہے قہر ہے یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلادے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں　　گلی میں اسکی کبھی جاکے سر پٹکتا ہوں
کبھی دوانہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں　　نکلتی جاں نہیں اور پڑا سسکتا ہوں
غضب ہے قہر ہے۔۔۔۔۔۔۔

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں اے دلِ غمناک　　جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال، جگر خستہ اور گریباں چاک　　یہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک
غضب ہے، قہر ہے۔۔۔۔۔۔۔

نہ سدھ ہے سیر کی مجھ کو، نہ انجمن کی خبر　　نہ یاد باغ کی ہے اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر　　نہ ہوش دل کا ہے نہ مجھ کو تن و بدن کی خبر
غضب ہے، قہر ہے۔۔۔۔۔۔۔

ما بعد دوسرا مسدس "مجبوری محبت" کے عنوان سے ہے، اس میں بھی کمال غم نصیبی دکھانے میں کمال دکھا دیا ہے:۔

گر ہاتھ دھو کر بیٹھ رہوں، اب میں صبر کر | یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بہ گھر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر | اس بیکسی میں آہ کہاں پٹکوں اپنا سر
فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں

تیسرا مسدس بعنوان "فراق" ہے۔ یہی رنگ اس میں بھی نمایاں ہے:۔

تم وہاں بیٹھے ہو، ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب | نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہی خواب
بیقراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب | کیا کہیں، تم بن پڑا ہے، ہم پہ اب کیسا عذاب
چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے، جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

"التماس اخلاص"، پر عاشق نے نشۂ جوانی سے سرمست معشوق کے سامنے عرض مدعا کے ساتھ ساتھ حسن جمال کی بے ثباتی کو ظاہر کرنے اور اُسے سنگدلی سے باز رکھنے کی بھی حتی المقدور کوشش کر ڈالی ہے اشعار میں ہندی ضرب الامثال کا استعمال بھی نہایت خوبی کے ساتھ ہوا ہے، اور تشبیہات کی جدت بھی قابل ملاحظہ ہے۔

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار | چاہنے والے سے کرلے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا، اور جوبن کا مت گن اعتبار | کاٹھ کی ہانڈی نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار
مان لے کہنا مرا، اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان، ہنس لے بول لے

اب تو منہ گل ہے، پیارے، پھر دھتورا آکھ ہے | آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سوکھا ساکھ ہے
جو اُٹھا شعلہ بھبھوکا، آخرش کو راکھ ہے | چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ہے

مان لے کہنا مرا اے ....

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پری رو بن رہے ۔ چاند سے مکھڑے رہے اور گل سے اُنکے تن رہے
نہ کسی کا دھن رہے اور نہ سدا جوبن رہے نہ سدا جھولے ترئی اور نہ سدا ساون رہے

مان لے کہنا مرا ....

وصل و فراق کے عنوان سے سعدیؒ کے مشہور شعر :۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

کی تضمین کی ہے :۔

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا جب ہم نے کی نگہ تو لیا پردے میں چھپا
اپنا بڑھایا حسن، کیا ہم کو مبتلا صد آفریں ہے، اے مرے عیار مہ لقا

دیدار می نمائی ....

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب۔
جب پھنس گئے ہم آہ تو جھٹکا دیا شتاب اب فطرتوں کا تیری، غرض ہے یہی جواب

دیدار می نمائی ....

مسدس "رضا جوئی" کا مقطع، عاشقانہ تسلیم و رضا کی بہترین مثال ہے :۔

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو پیار ے یا تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اُتارے اب تو نظیرؔ عاشق کہتے ہیں یہ پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے

ترکیب بند و ترجیع بند

نظیر کے اس مجموعہ کلام میں چند ترکیب بند اور ترجیع بند بھی شامل ہیں ان میں بھی نظیر نے قدرتِ کلام

دکھائی ہے۔ ترکیب بند کا پہلا بند نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:۔

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا
اُسے جو مہر سے ہے ذرّہ پروری منظور تو پھر ادھر کو جھکتا وہ مہروار آیا
مزاج اس کا جو عاشق نواز ہے ہمدم تو راہ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو تمھارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر بھلا ہوا کہ تمھارا ابھی گل عذار آیا
خوشی یہ بولی تمھارے میں گرد خاطر ہوں
اِدھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

ترجیع بند میں معشوق سے مخاطبت کس زور و شور سے کی ہے:۔

اے گل اندام، دل آرام، پریزاد صنم کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
نہ تکلم، نہ تبسم، نہ تلطف نہ کرم کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
تو تو معشوق ہے، البتہ نہیں تجھ کو غم لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت درد و الم
چاہے شمشیر لگائے تو پر ابرو نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

چاندنی کے عنوان سے ایک نہایت پر لطف "دگرہ بند" بھی اس کے ساتھ درج ہے۔ بحر کی روانی اور ترنم، مضمون کے لطف کو دوچند کرتی ہے صبح کی منظر کشی ہمارے شعراء نے کثرت سے کی ہے لیکن نظیر اس منظر کشی میں بھی فرد نظر آرہے ہیں:۔

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے ہوا چلی یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

اس شعر سے قبل بزم عشرت کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس پر بھی نگاہ ڈالیے پھر اس شعر کا پورا لطف حاصل ہوگا

چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک لپک

عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک   ایسے مزے ہیں عیش میں آہ کہیں ہے کٹ دہک

اسی نظم کا ایک اور شعر، قاآنی کے فارسی کلام کی یاد دلانے والا:۔

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟   یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری، وہ یا صنم؟

اس کے ما بعد شب عیش بھی اسی ٹکر کی ہے، اسکا ٹیپ کا بند یہ ہے:۔

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی   پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

شب عیش کے پہلو بہ پہلو "سوز فراق" کے جملہ پہلوؤں کو ادا کرنا نظیر کے حصہ میں آیا تھا، اس نظم میں جس کا عنوان ہی سوز فراق ہے" اس کے ہر بند میں ایک شعر فارسی، اور ایک ہندی شعر کی تضمین کرتے گئے ہیں۔ دیکھیے الفاظ کتنے متناسب لائے ہیں:۔

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے   جگر کی بے کلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے   تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپ ہی کو دکھ پانا بھی ہوتا ہے   کف افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستمے روز ازل داغ جدائی را   نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی، پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی، پیت نہ کیجو کوئے

نظیر کے سے پُرگو شاعر سے بحر طویل کیوں بچتی۔ کلیات میں دو مصرعے اُردو کے اور دو فارسی کے درج ہیں۔ پہلے مصرعہ کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:۔

ایک دن باغ میں جاکر، چشم حیرت زدہ وا کر، جامۂ صبر قبا کر، طائر ہوش اُڑا کر، شوق کو راہ نما کر، مرغ نظارہ اُڑا کر، دیکھی رنگت جو چمن کی، خوبی نسترن و سمن کی، شکل غنچوں کے دہن کی، تازگی لالہ کے تن کی، تازگی گُل کے بدن کی

قطعات، قصائد و رباعیات

قطعات کے اقتباس قطعہ بند غزلوں کے تحت میں کثرت سے دیے جا چکے۔ قصائد کا عدم وجود

برابر ہے، حکیم باطن نے اپنے تذکرہ میں ان کے کسی قصیدے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ شہباز کے خیال میں، غالباً قصائد کا کوئی بڑا مجموعہ ان کا موجود نہیں، البتہ غزلیات بہ بعض بعض میں شوکت الفاظ، تسلسل مضمون، وغیرہ سے قصائد کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ قصائد کی کمی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نظیر فقیر منش تھے، بادشاہوں اور امراء و رؤسا کی مدح سرائی سے بمراحل دور رہتے تھے۔ بہرحال قصیدہ کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

تو بس اس میں تو عبرت پذیر ہو اے دل — کہ عیش و عشرت دنیا، خیال ہے یا خواب
تو جس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلہ خس — تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش بر آب
تو آب جسکو سمجھتا ہے عطش غفلت ہے — وہ موج آب نہیں ہے، فقط ہے موج سراب

شہباز نے قصائد کے تحت میں ان دو مسلسل غزلوں کو بھی شامل کیا ہے:۔

(۱) یہ جواہر خانہ دنیا جو ہے با آب و تاب — اہل صورت کا ہے دریا، اہل معنی کا سراب
(۲) کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں — دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں

رباعیاں بھی تعداد میں بہت نہیں (اور شہباز کو تو ان کی اُردو رباعی ایک بھی نہیں ملی صرف فارسی کی چند رباعیاں ملیں) لیکن ان میں سلاست و روانی نمایاں ہے۔ اور بندش ہر جگہ بے مثل ہے:۔

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا — مکھڑے میں عجب حسن کا نقشہ دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی — جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

ساقی سے جو ہم نے مے کا ایک جام لیا — پیتے ہی نشے کا، سر انجام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے — یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

مثنویاں

صرف تین مثنویاں شامل مجموعہ ہیں پہلی کا نام مثنوی سیر دریا ہے، یہ تمہید، صفت کشتی مع صفت دریا۔

صفت شیریں آب، صفت موج، صفت حباب، صفت گرداب، صفت ماہی، صفت صدف وریگ صفت ساحل، صفت ذرۂ ریگ اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس صنف سخن میں شاعر کی روانی طبع کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو　　شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثل باد　　جس کو ہووے آرزو باد مراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق　　جس کے چپو ہوں بدست اشتیاق

شیریں آب کے وصف میں معنوی لذت کے ساتھ ساتھ رعایت لفظی سے بھی لطف اندوز ہوتے چلیے:۔

قند ہی چپکا نہ تھا کچھ ہو کے مات　　منھ سے مصری کے بھی نکلی تھی نہ بات

دوسری مثنوی اس زمانہ کے عوام رواج کے مطابق ایک پری کے قصہ پر مشتمل ہے تمہید کے شعر یہ ہیں:۔

عجب دلکشا عالم حسن ہے　　عجب جانفزا عالم حسن ہے
ادا حسن کی وہ ہے اور آن بھی　　کہ جس پر فدا ہے دل اور جان بھی
جہاں صاحب حسن تشریف لائیں　　تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں
اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں　　خوشامد کریں دل سے خدمت کریں
جنھیں نازنیں ہنس کے دشنام دیں　　وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں

تیسری مثنوی ایک عشق کی داستان ہے، میر تقی میر کی دریائے عشق، مصحفی کی بحر المحبت، اور نواب مرزا شوق کی زہر عشق، سبھی میں عشق کے بارہ میں بہترین اشعار موجود ہیں، نظیر کے یہاں بھی اس جنس کا کال نہیں:۔

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہے　　عجب عشق کی رسم اور راہ ہے
عجب عشق کی شوکت و شان ہے　　عجب عشق کا طور و عنوان ہے
عجب عشق کا رمز اور راز ہے　　عجب عشق کا سوز اور ساز ہے

اور اشعار تو میر حسن کی شہرۂ آفاق مثنوی سحر البیان سے مشابہت رکھتے ہیں:۔

ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی ‏ ‏ ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں پھر رہیں ‏ ‏ اُدھر قمریاں شور و غل کر رہیں
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے ‏ ‏ وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے

نظمیات

تنویات کے بعد کلیات میں ایک عنوان نظمیات کا قائم کیا گیا ہے اور اس میں بسم اللہ "نظیر محراب عبادت ہیں" سے کی گئی ہے ۔ یہ ایک قسم کی مناجات ہے ۔ مقطع ملاحظہ ہو :۔

ترا شکر احسان ہو کس سے ادا ‏ ‏ ہمیں مہر سے تو نے پیدا کیا
کیے اور الطاف بے انتہا ‏ ‏ نظیر اس سوا کیا کہے سر جھکا
یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

حمد باری میں دوسری نظم "اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم" میں اعلیٰ درجہ کا ترنم پایا جاتا ہے اور معنوی خوبی کا تو کہنا ہی کیا ۔ موحد کی زبان سے اسکے سوا اور کیا نکل سکتا ہے :۔

تو خالق ارض و سما تو حاکم قدرت نما ‏ ‏ ہے حکم تیرا جا بجا ، عرش تا تحت الثریٰ
برتر مقدس ذو العلا بندے ترے شاہ و گدا ‏ ‏ دنیا و دیں کی یا خدا ، برحق تجھی کو ہے روا
فرمانروائی ، حاکمی ، شاہی ، خدائی ، سروری

حمد کے بعد نعت نبیؐ ملاحظہ ہو :۔

تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ ‏ ‏ سر گروہِ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
حاکم دین متیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ ‏ ‏ قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

کلمہ کی تعریف میں ایک ایمان پرور نظم کہی ہے ، ایک بند اُس کا بھی :۔

اسی کلمے سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در ‏ ‏ یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر

اسی کلمہ کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھل کر یہ سب کلموں سے ہے بہتر یہ سب کلموں سے ہے برتر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو اب یاں بھی سلامت ہے اگر یاں سے تو جاوے گا تو پھر واں بھی سلامت ہے
پڑھیگا جو اسے اُسکا دل و جاں بھی سلامت ہے اُسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسکے بعد حضرت علیؓ کی منقبت بھی اسی جوش عقیدت کے ساتھ کی ہے:۔

اسی نے ایک حملہ سے گرایا باب خیبر کا کروڑوں کا فردں سے جا لڑا وہ اک تن تنہا
چھ بیر العلم میں کود کر دیوں کو جا مارا ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منھ موڑا
بہادر، بے دل و یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

حضرت علیؓ کے معجزہ والی نظم بہت مشہور رہ چکی ہے اور اب بھی فقرا اسے خوش الحانی سے گاتے اور اس کی بدولت پیسے کماتے ہیں۔ اس نظم میں واقعہ نگاری کے ساتھ جذبات نگاری کا بھی کمال دکھایا ہے، الفاظ ایسے چن چن کر رکھے ہیں کہ بیساختہ سننے والے پر اثر کرتے ہیں۔ نظم کا ہر بند پر کیف ہے مقطع نظیر کے جوش عقیدت کا آئینہ دار ہے:۔

اے شاہ یہ نظیر تمھارا غلام ہے رکھتا سوا تمھارے کسی سے نہ کام ہے
عاصی ہے پر گناہ ہے اور ناتمام ہے دن رات اُسکا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجیو میری آبرو یا شیر کردگار

خیبر کی لڑائی میں، بزم نگار، نظیر، رزم نگاری کا کمال دکھاتے نظر آتے ہیں۔ نظم میں قافیے بھی سنگھاڑا، کڑاڑا، پچھاڑا، اُکھاڑا، دہاڑا وغیرہ لگاکر پوری حربی شان پیدا کر دی ہے، نظم آواز بلند سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ واقعی برابر کی چوٹیں چل رہی ہیں اور میدان کارزار گرم ہے

مرحب تو وہیں گر پڑا یہ دیکھ کے ساماں سب پر ہوئے مولیٰ کے مرے نور نمایاں
اُس کا فر بد کیش کے تب چھٹ گئے اوساں مولیٰ نے اُسے مار کے ٹھوکر سے اُسی آں

حارث کو کچل کوٹ کے مرحب کو بچھاڑا

تھا ان میں ہی اک اور پہلوان زور آور ۔ مرحب کو اٹھانے لگا آکر وہ زور آور
دُلدل نے اُسے دیکھ کے جلدی سے اُچھل کر ۔ اک لات جڑی قہر کی، دانتوں سے پکڑ کر
یوں چاب لیا، جیسے چباتے ہیں سنگھاڑا

مدح پنجتن میں نظیر کے قلم کی روانی جس کے ساتھ والہانہ عقیدت بھی شامل ہے، ملاحظہ ہو:۔

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی ۔ اور آرزو ہے ساقی کوثر کے جام کی
یہ بیت مجھ کو ورد ہے ہر صبح و شام کی ۔ تسبیح ہزار دانہ ہے اور اُنکے نام کی
سمرن مجھے بھلی ہے، یہ پنجتن کے نام کی

نظیر کی شیعیت، اہل سنت کے بزرگوں خصوصاً صوفیائے کرام کے ساتھ اظہار عقیدت میں کبھی بھی مزاحم نہیں ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعصب اور تنگ نظری سے نظیر بالکل مبرا تھے ۔

پہلا بند ملاحظہ ہو:۔

ہیں دو جہاں کے سلطان حضرت سلیم چشتی ۔ عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتی ۔ مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

ایک اور شیخ طریقت حضرت شیخ علی مخدوم جلالی ملقب بہ داتا گنج بخش (جن کا مزار لاہور میں ہی) کی شان میں نظیر نے اسی قسم کا خراج عقیدت پیش کیا ہے:۔

کر عرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیر ۔ اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیر
رکھ ان کی یاد جی میں تو ہر حال اے نظیر ۔ رہتا ہے جگ میں خوشدل و خوشحال اے نظیر
ہے دل سے جو غلام، گرو گنج بخش کا

تقریبات اہل اسلام

نظیر، اپنے زمانہ کی معاشرت کی تصویر کشی میں اپنے سارے معاصرین ہی پر فوقیت نہیں رکھتے

بلکہ اس سلسلہ میں بہت کچھ ایجاد و اختراع کا سہرا اُنھیں کے سر ہے ۔ اور اس معاشرت کے بیان میں وہ خاص طور سے عوامی شاعر کی حیثیت سے نظر آتے ہیں ۔ اس سلسلہ میں اُنھوں نے مذہبی و نیم مذہبی تقریبات پر بھی دل کھول کے طبع آزمائی کی ہے، اور اُن کی ذرا ذرا سی جزئیات کو بھی انتہائی حسن کاری کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ دیکھیے شب برات کی آتشبازی کس طرح چھڑائی ہے ۔

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی ۔ اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہوگئی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی ۔ پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا، آنکھیں جھلس گئیں ۔ چھاتی کسی کی جل گئی، باہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں ۔ مونچھیں کسی کی پھنک گئیں پلکیں جھلس گئیں
رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

عید کی تقریب سعید، پر نظیر کی گلفشانی، سبھی کو مست کرنے والی ہے :-

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی ۔ اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی ۔ کچھ دلبروں کے وصل کی، کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اُٹھ کے نہانے کی دھوم ہے ۔ شیر و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے ۔ لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے
ایسی نہ شب برات الخ......

لیکن جو بد نصیب عاشق، عید کے روز بھی محبوب سے بعید و مہجور رہا، اس کی ہجران نصیبی پر آنسو بہانے اور آہ سرد بھرنے کا حق بھی نظیر ہی نے "عید" کے عنوان کی ایک اور نظم میں ادا کر دیا ہے :-

رکھتے تھے ہم اُمید یہ دل میں کہ عید کو ۔ کیا کیا گلے لگاویں گے دلبر کو شاد ہو

سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو　　تھی آس عید کی، سو گئی وہ بھی دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دلِ امیدوار آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے　　یعنی کہ عید گاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے　　ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستمِ انتظار آہ

وطنِ مالوف اکبر آباد (آگرہ) کی محبت نظیر کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی، وہاں کی ایک ایک چیز کی تعریف میں وہ رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ وہاں کی عید گاہ کا نظارہ عید کے دن کا دکھایا ہے:-

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں　　تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں　　سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار　　خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار　　غل شور باجے بھولے کھلونوں کی ہے پکار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

تقریباتِ اہلِ ہنود

ہندوؤں کی تقریبات، میلوں ٹھیلوں، نیز ان کے ماقبل تاریخ کے واقعات کو جنھیں ان کے یہاں مذہبی درجہ حاصل ہے، جس خوش اسلوبی اور قادر الکلامی کے ساتھ نظیر نے نظم کیا ہے، اس کی مثال اُردو کے کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ ہر ایسی چیز کے بارہ میں انھوں نے اتنی جزئی واقفیت کا اظہار کیا ہے، اور ایسی نظموں میں الفاظ اور محاورے، اور تلمیحات و تشبیہات بھی اس قسم کے لائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب، اُس کی تاریخ، اور رسوم

نیز ہندو معاشرت پر ان کی نظر کتنی گہری تھی، پیرایۂ بیان ہر جگہ عقیدت کا ہے، اور

با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام

کا مصرعہ نظیر پر حرف بحرف صادق نظر آتا ہے۔

بسنت کے رنگین تہوار پر طبع آزمائی کرتے وقت شاعر بالکل مست و بیخود نظر آتا ہے اس کا شمار رندانِ آزاد میں کرنا پڑتا ہے:۔

جب کھیت پہ سرسوں کے دیا جا کے قدم گاڑ — سب کھیت اُٹھا سر کے اُپر رکھ لیا جھاڑ
محبوب رنگیلوں کی بھی اک ساتھ لگی جھاڑ — ہر جھاڑ سے سرسوں کے نبھی کہتی تھی ابھی جھاڑ

سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

ایک اور نغمہ اس تہوار کا سنتے چلیے:۔

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی — ہنس کر کہا یہ ہم نے اے جان بسنت آئی
سنتے ہیں اُس پری نے گل گل شگفتہ ہو کر — پوشاک زر فشانی اپنی وہ ہیں رنگائی
اک پنکھڑی اُٹھا کر نازک سی انگلیوں میں — رنگت پھر اُس کی اپنی پوشاک سے ملائی

بعض غزلیں بھی پوری کی پوری بسنتی رنگ میں رنگی نظر آتی ہیں، ان کے اقتباسات غزلیات کے تحت گذر چکے۔ اب ہولی کی بہار دیکھیے۔ اس کلام کے دیکھنے کے بعد اب کون معترض کہہ سکتا ہے کہ اُردو محض مسلمانوں کی زبان ہے جس میں ہندوؤں اور ہندوستان کی ہر قابل ذکر چیز کو مسلمان شعرا اور ادیبوں نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا ہے۔ ہولی پر نظیر کی متعدد نظمیں ہیں۔ پہلی نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔ اظہار مسرت و سرخوشی کا بالکل وہی عالم ہے جو انکی عید والی نظموں کا ہے۔

ہوا جو آ کے نشاں آشکار ہولی کا — بجا رباب سے مل کر ستار ہولی کا
سرور، رقص ہوا بے شمار ہولی کا — ہنسی خوشی میں بڑھا کاروبار ہولی کا

زباں پہ نام ہوا بار بار ہولی کا

یہی عیش و طرب کا رنگ دوسری نظم میں دیکھیے:۔

گھنگھرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار　　سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
طبلوں کے کھڑکے طبلے یہ سازوں کے بجے تار　　راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکار رہے ہے مرد نگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

اور اس نظم کی بحر کتنی پر کیف اور کتنی موسیقی بھری ہے :—

یہ روپ دکھا کر ہولی کے جب نین رسیلے ٹک مٹکے　　منگوائے تھال گلالوں کے بھر ڈالے رنگوں سے مٹکے
پھر سانگ بہت تیار ہوئے اور ٹھاٹھ خوشی کے جھمکے　　غل شور ہوئے خوشحالی کے اور ناچنے گانے کے کھٹکے
مردنگیں باجیں تال بجے، کچھ کھنک کھنک کچھ دھنک دھنک
جب خوب بہار آئے رنگ بھرے پھر کیا کیا ہولی جھمک اٹھی　　کچھ حسن کی جھمکیں ناز بھریں کچھ شوق ناز اداؤں کی
سب چاہنے والے گرد کھڑے نظارہ کرتے ہنسی خوشی　　محبوب نشے کی خوبی میں پھر عاشق اوپر گھڑی گھڑی
ہیں رنگ چھڑکتے سرخی کے کچھ لپک لپک کچھ چھپک چھپک

ایک اور نظم کا مقطع :—

نظیر ہولی کا موسم جو جگ میں آتا ہے　　وہ ایسا کون ہے ہولی نہیں مناتا ہے
کوئی تو رنگ چھڑکتا ہے کوئی گاتا ہے　　جو خالی رہتا ہے وہ دیکھنے کو جاتا ہے
جو عیش چاہو سو ملتا ہے یار ہولی میں

اور "ہولی کی بہاریں" والی نظم تو نظیر کے بہترین کلام میں شمار ہونے کے قابل ہے، موسم کی پوری کیفیت لفظوں کے ذریعہ بیان کردی ہے اور ہولی کی رنگ رلیوں کی دلچسپیاں نہایت وجد آور طرز پر دکھائی ہیں :—

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی　　اور دف کے شور کھڑکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی　　خم شیشے جام چھلکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا — وہ سب سامان مہیا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا — اس عیش مزے کے عالم میں اک غول کھڑا ہو محبوبوں کا
کپڑوں پہ رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہی بہار ایک دوسری جگہ، نظیر کے پربہار اور سحر کار قلم سے :۔

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں — رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں — کچھ کودے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

دیوالی کے تہوار پر بھی نظیر نے طبع آزمائی کی ہے :۔

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا — ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا — کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تہوار — کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونے کھیلوں بتاسوں کا گرم ہے بازار — ہر اک دوکان میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

راکھی کی نظم رکشا بندھن کے تہوار سے تعلق رکھتی ہے، اس میں عاشقانہ جذبات کی بہترین مصوری کی گئی ہے :۔

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی، گل بھی شبنم بھی — جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے، اہاہا، غنیمت ہے یہ عالم بھی — اٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

کنھیا جی کی راس، ہندوؤں کی خاص دلچسپی کی نظم ہے اس میں ہندی الفاظ کا استعمال نہایت بے ساختگی سے موجود ہے :۔

ہے روپ کشن جی کا جو دیکھو عجب انوپ | اور ان کے ساتھ چمکے ہے سب گوپیوں کا روپ
مہتابیاں چھٹیں ہیں گویا کھل رہی ہے دھوپ | اس روشنی میں دیکھ کے وہ روپ اور سروپ
ہر آن گوپیوں کا یہی کچھ بلاس ہے
دیکھو بہاریں آج کنھیا کی راس ہے

بلدیو جی کا میلہ، نظیر کی بیانیہ نظموں میں سرفہرست بنائے جانے کے قابل ہے جس میں صرف میلہ ہی کی جامع اور دلچسپ تصویر نہیں کھینچی ہے بلکہ اس زمانہ کے تمدن و معاشرت کا پورا نقشہ صحیح صحیح کھینچ دیا ہے۔ کہیں بھی تصنع اور آورد کا پتہ نشان نہیں۔ ہندوؤں کے یہاں کی تلمیحات اس نظم میں کثرت سے لائی گئی ہیں اور الفاظ بھی انھیں کے مناسب و متناسب:۔

ہے کہیں رام اور کہیں لچھمن | کہیں کچھ مچھ ہے اور کہیں راون
کہیں بارا، کہیں مدن موہن | کہیں بلدیو اور کہیں سیکشن
سب سروپوں میں ہیں اُسی کے جتن | کہیں نرسنگھ ہے وہ نارائن
کہیں مکلا ہے سیر کو بن بن | کہیں کہتا پھرے ہے یوں بن بن
رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
روز بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان | آئے ہیں دور دور سے انسان
کوئی درشن کوئی دعائیں مان | سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھل رہے ہیں گل ریحان | ہار بدھی، مٹھائی اور پکوان
بھیڑ، انبوہ، غل دکاں دُکان | اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن
رنگ ہے روپ ہے الخ.....

آگرہ سے متعلق نظمیں:۔

نظیر کے کلام میں اُن کے وطن ثانی اکبر آباد (آگرہ) کا مقامی رنگ بھی کثرت سے ملتا ہے۔

وہاں کے عُرس اور میلوں اور ہر قسم کی تفریحات، عمارات وغیرہ کے بارہ میں انھوں نے بہت کچھ کہا ہے اور چونکہ دل سے کہا ہے اس لیے بہت خوب کہا ہے۔ ہولی، دیوالی، عید، شب برات وغیرہ کے سارے ہندو مسلم تہواروں میں انھوں نے آگرہ ہی کی مقامی خصوصیات ان تہواروں کے منانے کے سلسلہ میں دکھائی ہیں۔ نظم اکبر آباد میں حُبِ وطن کا جوش ہر مصرعہ سے نمایاں و عیاں ہے، اور وطن کی ترقی اور مامونیت کے لیے دُعا بھی انتہائی صدق دل سے کی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:۔

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری　　شرمندہ جسکو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ شکِ ملاحت سے ہے بھری　　لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن رُوئے مہر طلعت و شب زلفِ مہوشاں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام　　ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدحام
ہر طور دل رہے ہے خوش اور طبع شاد کام　　میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دُعا مدام
بستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

آگرے کی تیراکی، نظیر کے سے غواص سخن کا قلم ہی صحیح صحیح دکھا سکتا تھا۔ آگرہ میں، دریا کے کنارے جتنے قابل ذکر و قابل دید مقامات واقع تھے، اُن سب کا نام اس نظم میں درج ہے، اب ان میں سے بہت سے مقامات فنا ہو چکے، لیکن نظیر کی نظم کی بدولت اُن کے نام زندہ چلے آتے ہیں۔ تیراکوں کی خاص اصطلاحیں بھی اس نظم میں موجود ہیں۔ اور تیراکی کا سماں تو ایسا دکھایا ہے کہ بیساختہ زبان سے سبحان اللہ نکل جاتا ہے:۔

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے یارے　　پیراک اس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے، تن گورے گورے پیارے　　پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں، کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

"حضرت سلیم چشتی کا عرس" والی نظم میں شاعر نے بکمال خلوص گلہائے عقیدت مزار شیخ پر نذر گذارے ہیں:۔

رنگ ہے گلشن بہشتی کا　　عُرس حضرت سلیم چشتی کا

"تاج محل" دنیا کی مشہور اور لاجواب عمارتوں میں ہے، اس کا مکمل مرقع، نظیر ہی کے یہاں موجود ہے۔ عمارت کی ایک ایک خوبی گنائی ہے، اس کے چمن کی بہار دکھائی ہے، اُسکے نقش و نگار کو سراہا ہے:۔

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے　　مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے　　روضہ جو اس مکاں میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

گنبد ہے اُسکا زور بلندی سے بہرہ مند　　گرد اسکے گمز یاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند　　ایسا ہلال اُس میں سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

اب آگرہ کا شہر آشوب بھی ملاحظہ ہو، غریب طبقہ کے حال زار کا کیسا اچھا نقشہ کھینچا ہے اور صاحب مقدرت لوگوں کو ان کی اعانت پر آمادہ کیا ہے:۔

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی　　کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی　　ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جو ایک بار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ　　آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے بُرے وقت سے پناہ　　وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

آگرہ کے کھیل تماشوں کے ذکر میں بھی نظیر نے خوب جولانی طبع دکھائی ہے "کبوتر بازی" والی نظم میں کبوتر بازی پوری تفصیل سے بتائی ہے۔ ایک شعر خاص طور سے قابل ذکر ہے:۔

تاروں کے وہ انداز نہیں بام فلک پر | جو کرتے ہیں چھتری کے اُپر ناز کبوتر

نظم "ریچھ کا بچہ" بظاہر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت ایک اعلیٰ درجہ کی تمثیل ہے:۔

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہے سدھایا | لڑنے کے سوا ناچ بھی اسکو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی ترے تئیں گت پہ بجایا | اس ڈھب سے اُسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچہ

اسی جوڑ کی ایک اور طفلانہ نظم اژدھے کا بچہ بھی ہے:۔

بیچے ہے اب تو کوئی بلبل بئے کا بچہ | اور بیچتا ہے کوئی طوطی ہرے کا بچہ
مینا بیا لٹورے اور ابلقے کا بچہ | تیتر بٹیر، سارس، شکرے بوے کا بچہ
سب بیچتے ہیں آ کر چیتے کھرے کا بچہ
ہم بیچتے ہیں یارو، لو اژدہے کا بچہ

مدارج عمر

عمر کے مختلف مدارج، لڑکپن، جوانی، ضعیفی، سب کی تصویریں نظیر کے شاعرانہ قلم نے جس خوبی سے کھینچی ہیں ان کی نظیر اچھے اچھے اُستادوں میں بھی کم ملے گی۔ ان میں طفلی کا مضمون تو شاید سب سے اچھوتا ہی ہے۔ پہلا بند ملاحظہ ہو:۔

کیا دن تھے یارو وہ بھی جبکہ بھولے بھالے | نکلے تھی دائی لے کر پھرتی کبھی ددا لے
روئی کوئی رکھائے، بدھی کوئی پنھالے | ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھالے
موٹے ہوں یا کہ دُبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

"لطف شباب" کے عنوان سے عیش مجسم بنی ہوئی نظم کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا | جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا کہیں شیدا

پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے تڑپتا مرتے ہیں سسکتے ہیں بلکتے ہیں اہا ہا
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اب "عالم پیری" کا پُرحسرت نقشہ ملاحظہ ہو۔ نظم خاصی طویل ہے، اور اسے بہت شہرت حاصل ہو چکی ہے، متعدد یورپین ناقدین مثلاً ڈاکٹر فیلن اور فرانسیسی مستشرق موسیو دی تاسی نے اس کی بہت کچھ توصیف کی ہے:۔

کیا قہر ہے یارو جسے آجائے بڑھاپا اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں، غم لائے بڑھاپا ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے چُہلیں ہیں کہا دیں ہیں پری رو ہیں جھمکتے
ہم اُن کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے وہ عیش و طرب کرتے ہیں، ہم سر ہیں پٹکتے
سب چیز کو ہوتا ہے الخ۔

اس نظم کا صرف ایک اور شعر پڑھتے چلیے:۔

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے

"بڑھاپے کے عشق"، یہ نظم دوسرے رنگ کی ہے، اس میں فارسی کے مشہور شعر ؎

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

کی تضمین کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:۔

طاقت بدن میں کہیے تو اب نام کو نہیں ہوتا ہے اب بھی سیر تماشا اگر کہیں
جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دلشاد ہم وہیں جو ہم کو دیکھتا ہے، وہ کہتا ہے "آفریں"
پیرے کہ دم ز عشق الخ......

نظیر کو مناظرہ نگاری میں کمال حاصل ہے۔ اس کے دو بہترین نمونے "مناظرہ شیب وشباب" اور "موازنہ زور وکمزوری" میں ملتے ہیں۔ اول الذکر میں جوانی اور بڑھاپے کے سارے لوازم وامتیازات مکالمے کے طرز میں نہایت روانی کے ساتھ نظم کیے ہیں۔ بعد میں جدید اردو شاعری میں مولانا حالی نے غالباً اسی اسلوب کو پیش نظر رکھ کر "مناظرہ رحم وانصاف" پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ وغیرہ نظمیں لکھیں۔ دو بند ملاحظہ ہوں:۔

ادھر ہے تیر سا قامت اُدھر وہ پیٹھ کماں　　اُدھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑ کے نشاں
جوانی کہتی ہے بڑھ کر سن بڑھاپے میاں　　کہ تیری خیر اسی میں ہے چل سرک اس آں
دگرنہ تیری اجل میرے ہاتھ آئی ہے

بڑھاپے کا جواب اس دوسرے بند میں:۔

کہا بڑھاپے نے سُن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ　　تو ہم بھی سوکھ کے جھڑبیری کے ہوئے ہیں جھاڑ
ابھی کہے تو تیرے کپڑے لتے ڈالیں پھاڑ　　ذرا سی بات میں اکدم کے بیچ لیویں اکھاڑ
ہر ایک مونچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

اب زور وکمزوری کا موازنہ دیکھیے

عیش وعشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں　　خرمی خوشدلی وعیش وطرب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہیے عجب زور میں ہیں　　زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں
سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ اس طور اسیر　　جس میں نہ طاقت تحریر نہ تاب تقریر
طبع افسردہ، دل آزردہ، بدن نحیف حقیر　　جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہیے نظیر
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

عبرت وفنا

نظیر کے یہاں یوں تو عیش وطرب، رندی وہوسناکی کے مضامین کی بہتات ہے، لیکن دوسری طرف

عبرت وفنا کے مضامین کی بھی کمی نہیں بلکہ اگر دیدۂ انصاف سے دیکھا جائے تو نظیر کا اصل اور طبعی رنگ سخن یہی ہے اور اس رنگ میں انھوں نے جو کچھ کہا آج بھی سخت سے سخت دل والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پہلے "موت کا دھڑکا" سنیے:۔

ہے دم کی بات جو تھے مالک اپنے گھر کے — جب مر گئے تو ہر گز گھر کے رہے نہ در کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے — پوچھا نہ پھر کسی نے یہ تھے میاں کدھر کے
ڈرتی ہے روح یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بری بلا ہے

"کل نفس ذائقۃ الموت" کی تشریح عام فہم مثالوں کے ذریعہ۔ صرف ایک بند ملاحظہ ہو:۔

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا — یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا — پورے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکاں محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

ایک اور پُر عبرت نظم عالم گذران کے عنوان سے ہے:۔

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر — اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر
جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر — اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا۔

"فنا نامہ" میں گویا آیت کریمہ "کل من علیہا فان" کی تشریح عام فہم اور حد درجہ موثر مثالوں کے ذریعہ کر ڈالی ہے:۔

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا — کر بند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
لے کر سند اجل کا جب فوجدار آیا — اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا
ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر ہوا تو پھر کیا

لہ یہ سب مقامات کے نام ہیں ۱۲۔

یا ہو حکیم حاذق کرنے لگے طبابت — مُردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کرامت
کھوے مرض ہزاروں دھوئی ہر اک کی زحمت — جب آئی سر پہ اپنے پھر کچھ چلی نہ حکمت
لقماں یا فلاطوں آکر ہوا تو پھر کیا

ایک اور نظم اسی رنگ کی ''مراتب دنیا محض بے ثبات ہیں'' کے موضوع پر:۔

یا نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دسترخوان پر — میوے مٹھائی بامزے حلوائے تر شیر و شکر
یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھر نظر — ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کی خاطر در بدر
گر یوں ہوا تو کیا ہوا اور وں ہوا تو کیا ہوا

''رہے نام اللہ کا'' کا مقطع جس میں شعر و سخن کی بے ثباتی دکھائی ہے، خاص طور سے قابل ذکر ہے:۔

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی — آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ کہ کہانی — کچھ باقی نظیرؔ اب نہیں، سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب ذرا طلسم زندگی کی حقیقت ملاحظہ ہو:۔

آہ کیا کہیے رہی جب تلک اپنی حیات — تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے ساتھ
جب مرے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات — زندگی اپنی تھی کل جو نسٹھ گھڑی کی کائنات
اتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

اس ایک دن اور ایک رات میں جو کچھ ہم نے کیا اس کی تفصیل کا ایک نمونہ:۔

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر — مسجد و تالاب و مندر، حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر — تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر
اتنے عرصہ ہی میں الخ.........

انسان خاک کا پتلا ہے، اور آخر خاک ہی میں اُسکو ملنا ہے، یہ حقیقت نظیر کے عارفانہ قلم سے ملاحظہ ہو

کس کس طرح کے ہوگئے محبوب کج کلاہ ۔۔۔ تن جن کے مثل پھول تھے اور منھ بھی رشک ماہ
جاتی ہے ان کی قبر پہ جب دم مری نگاہ ۔۔۔ روتا ہوں پھر تو میں یہی کہہ کہہ کے دمیں آہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

یہی عبرت اور فنا کا مضمون ایک اور نظم میں دیکھیے :۔

یا کوٹھی کر کر سیٹھ ہوئے یا کھود زمیں کو کھیتی کی ۔۔۔ لکھ ڈالیں بہیاں لاکھوں کی، بوڈالی دھرتی بُری بھلی
جب ہنڈی آئی مالک کی اور آکر جم کی بھیج لگی ۔۔۔ یا کوٹھی کوٹھے بیٹھ گئے، وہاں کھیتی باڑی کھیت رہی
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک رہے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قضیے پاک ہوئے

"بعد از فنا" نظم میں جنازہ کا منظر دکھاتے ہوئے اُس زمانہ کی ساری سواریوں اور ان سے متعلق سارے الفاظ جمع کردیے ہیں ۔ یہ سب سواریاں اب متروک ہوچکی ہیں :۔

گھوڑ بہل، فیل بہل، شتر بہل، راہ وار ۔۔۔ ہرنوں کی بہل، بکری بہل، گھنٹے گھنگھرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار ۔۔۔ پھر بہلیاں نہ بہل نہ جھنکار نہ پکار
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ، محافہ، اور وہ چنڈول بگھیاں ۔۔۔ وہ پینسیں، وہ بوچے وہ چوپائے خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو کھڑ کھڑیہ پر رواں ۔۔۔ بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا، میاں
جب چار کاندھے پر الخ......

فقیروں کی صدا، یا "پیری کی سواری، اور سفر آخرت کی تیاری" بھی نہایت درجہ عبرتناک ہے۔ اس میں خاص طور سے بوڑھوں کو مخاطب کیا ہے کہ اب زندگی ختم ہوا چاہتی ہے، چلنے کی تیاری کرو، ہندی الفاظ کو اس خوبی سے نظم کیا ہے کہ روانی اور تاثیر دونوں میں انتہائی اضافہ ہوگیا ہے۔

قرب موت کے علامات جس طرح اس نظم میں دکھائے گئے ہیں اُردو شاعری میں انکی مثال کہیں اور نہیں ملتی:

یہ اسپ بہت کودا اُچھلا، اب کوڑا مارو زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا، لشکر بھاگ چکا، اب میاں میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مت دیر کرو
تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا، چاندی بال ہوئے منھ پھیلا، پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا کان ہوئے بہرے اور آنکھیں بھی چندھیائی گئیں
سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سُست ہوا آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گذری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا الخ.........

بنجارہ نامہ، نظیر کی مقبول ترین نظم ہے عرصہ تک اُردو کی درسی کتابوں میں اس کے اقتباسات پڑھائے جاتے رہے اور اب بھی شاید کہیں کہیں رائج ہے اسکی بحر عبرت و حسرت کے مضامین کے اظہار کے لیے نہایت موزوں ہے اور الفاظ بھی ایسے چن کر استعمال کیے ہیں کہ ان سے بہتر ذکرِ فنا کے لیے اور مل نہیں سکتے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ناصحانہ نظم ہے جس میں بنجاروں کی خانہ بدوش زندگی سے انسان کی حباب آسا زندگی کی مماثلت دکھائی ہے:

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا، بیل، شتر، کیا گونی پلا سر بھارا
کیا گیہوں چاول، موٹھ، مٹر، کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر، مصری، قند، گری، کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ، منقا، سونٹھ، مرچ، کیا کیسر، لونگ، سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

نظیر کے یہاں مناظرِ قدرت کی مصوری بھی بہت اعلیٰ قسم کی ہے آجکل کی نیچرل شاعری کے قدردان ان پر بیساختہ سر دھنتے ہیں۔ نئی نئی تشبیہات نے لطفِ کلام کو دوبالا کر دیا ہے برسات کے مناظر ان کے یہاں خاص طور سے دلفریب ہیں صرف ایک بند ملاحظہ ہو:-

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منھ اُٹھا کر — ہر کوہ و دشت کو بھی کہتے ہیں یوں سُنا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر — کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آکر
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

برسات میں اُنکی سب سے مشہور نظم "برسات کی بہاریں" ہے۔ اس میں آوازسے برسات کی تصویر کی گئی ہے اور ساتھ ہی جہاں عاشق کے اضطراب کا نقشہ کھینچا ہے، وہاں ہندی شاعری کی خصوصیت یعنی عورت کو عاشق قرار دیکر اس کے صدمۂ ہجر کی وضاحت کی گئی ہے:۔

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ، قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں، یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سناتی — سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بے کل ہیں کہتی جاتی — مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی
کیا کیا مچی ہیں الخ........

برسات کے بعد اب جاڑے کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ محاکات کا کمال دکھا دیا ہے:۔

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی — اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی — پالا بھی برف پگلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھونک اُچھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر کے یہاں اخلاقی شاعری کا سرمایہ اتنا موجود ہے کہ انھیں آسانی سے اُردو کا سعدی قرار دیا جا سکے۔ اس قسم کے کلام کے کچھ نمونے بھی اوپر گذر چکے اب کچھ اور ملاحظہ ہوں۔ "مذمت دنیا" کی نظم میں فارسیت نمایاں اور مطالب نہایت بلند پایہ ہیں

وہ ناز و حسن رکھتی ہے اے دل یہ پیرزال — جو اک نگہ میں ڈالے ہے گردن میں لاکھ جال
پہلے نشاط و عیش و طرب پھر غم و وبال — ہوتا ہے آخر اسکے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر

ایک اور نظم اسی مضمون کی جس میں اعمال کی سزا و جزا نہایت مؤثر انداز میں دکھائی ہے:۔

یاں زہر دے تو زہر لے، شکر میں شکر دیکھ لے نیکوں کو نیکی کا مزہ، موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دے، موتی ملیں، پتھر میں پتھر دیکھ لے گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہات لے

نظم آئینہ میں "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کی دلنشین تشریح کرتے ہوئے انسان کی عظمت و جلالت قدر پر روشنی ڈالی گئی ہے

لے آئینہ کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
خال سیاہ اور خطِ مشکبار دیکھ زلف دراز و طرۂ عنبر تتار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نظیر کے فلسفیانہ کلام میں "آدمی نامہ" سر فہرست قرار دیے جانے کے قابل ہے انسانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں کی بہترین عکاسی کی گئی ہے، نظم کی سادگی، روانی اور بے تکلفی بے نظیر ہے:۔

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر کا ہنس نامہ آج تک زندہ و مقبول ہے، معنوی اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حکیمانہ تمثیل ہے اور ظاہر خوبی میں سب سے نمایاں اور مابہ الامتیاز یہ ہے کہ جتنے پرندوں کے نام اس نظم میں جمع کر دیے ہیں، اُردو کی کسی نظم میں نہیں مل سکتے

چنڈول، اگن، ابلقے جھپان، بئے ڈھیر مینا و بئے کالکلے، بگلے بھی سمن بر
طوطے بھی کئی طور کے ٹوئیاں کوئی لہبر رہتے تھے بہت جانور اس پیڑ کے اوپر
اس نے بھی کسی شاخ پر گھر اپنا سنوارا

نظیر کا فارسی کلام زیادہ تر متفرق اشعار، دو چار غزلوں، چند قطعات و رباعیات اور سات خطوط منظوم اور

دوواسوخت پر مشتمل ہے۔ روضۂ تاج گنج کی تعریف کا قطعہ ملاحظہ ہو:۔

فضایش پُربہار و نزہت افزا ۔۔۔ بہر جا نرگس و نسریں ہویدا
چنیں خوبی کہ از ہر سو عیان است ۔۔۔ ہمہ از دولت شاہ جہان است

ایک رباعی بھی ملاحظہ کرتے چلیے:۔

یک بار بآں سمن بر غنچہ دہن ۔۔۔ گفتم بہ نیاز و عجز "کاے رشک چمن
بیمار کہ کرد نرگس شہلا را" ۔۔۔ چشمش بزبانِ مژہ فرمود کہ من

کلام نظیر پر اعتراضات

نظیر کے کلام پر اس کے معاصرین نے لفظی اور معنوی ہر اعتبار سے بہت حرف گیری کی ہے اور پروفیسر شہباز نے زندگانی بے نظیر میں ان سارے اعتراضات کا احاطہ کرکے ان کے شافی جوابات دیے ہیں اور بعض اعتراضوں کی معقول توجیہات بھی پیش کی ہیں۔ انھوں نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے:۔

"نظیر کے زمانہ سے آج تک زمانہ نے بہت ترقی کی ہے اور یہ بات کوئی ہماری ہی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر زبان میں ترقی کی رفتار یونہی واقع ہوئی ہے۔ بہت سی ترکیبیں جو اُس وقت عام تھیں اب بالکل معیوب ہیں"۔ اس کے بعد انھوں نے غالبؔ، ذوقؔ، ظفرؔ، مومنؔ وغیرہ کے کلام سے مثالیں دی ہیں کہ ان لوگوں نے بھی اپنے یہاں فلاں فلاں الفاظ اور ترکیبوں کا استعمال کیا ہے جو آج اُردو شاعری میں متروک ہی نہیں بلکہ معیوب سمجھی جاتی ہے، لیکن اسکے باوجود ان شعرا نامدار کے کمال پر کوئی حرف نہیں۔ نظیر پر ایک بڑا اعتراض اس کے ہمعصر ناقدوں نے یہ کیا ہے کہ اس نے عام لوگوں کی بول چال اور محاورے لکھے ہیں لیکن معترضوں نے یہ حقیقت بالکل نظر انداز کردی ہے کہ نظیر نے عوام کے الفاظ اور محاورات کا استعمال اپنے اس کلام میں کیا ہے جس میں اُس نے عوام کو مخاطب اصلی بنایا ہے، جہاں جہاں خواص کی طرف اس کا روئے سخن ہے، وہاں اس قسم کے مقبول عام فقروں اور الفاظ کا استعمال اس نے نہیں کیا ہے۔ نظیر کا اصل جوہر کلام یہی ہے کہ وہ جس طبقہ سے مخاطب ہوتا ہے یا جو طبقہ نظم نگاری میں اُسکے پیش نظر ہوتا ہے

وہ اسکے مطابق حال الفاظ لاتا ہے، اور اسی رنگ میں ڈوب کر سخنوری کا کمال دکھاتا ہے۔ نظیر پر دوسرا سنگین الزام فحاشی کا ہے۔ مطبوعہ کلیات میں ان کے ایسے اشعار میں غیر مہذب الفاظ کو خارج کرکے انکی جگہ نقطے لگا دیے گئے ہیں لیکن پڑھنے والا عموماً آسانی سے حذف شدہ الفاظ کو سمجھ لیتا ہے۔ لیکن اول تو نظیر کے اتنے بڑے ذخیرۂ کلام میں ایسے اشعار کی مجموعی تعداد چند سو سے زائد نہیں، انکے کلام میں اسکے برعکس اعلیٰ قسم کی اخلاقی تعلیم کثرت سے ملتی ہے جو اس ساری ظرافت آمیز فحاشی یا حقیقت نگاری پر مشتمل فحاشی کی تلافی کر دیتی ہے اور سارے مجموعۂ کلام کی بنا پر نظیر کا شمار فحش گو اور رند منش شعرا میں نہیں بلکہ سنجیدہ معلم اخلاق شعرا کی صف میں ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ نظیر کے یہاں اس قسم کی چیزیں محض اس بنا پر ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنے زمانہ کی معاشرت کا بالکل صحیح صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ ان کے زمانہ کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں، وہ ان میں کسی بات کو خلاف واقعہ نہیں بتا سکتے۔ آج کل یورپ و امریکہ میں آزادی اور بے حجابی نسواں کی وجہ سے معاشرت میں جنسی بے اعتدالی پھیلی ہوئی ہے۔ اس دور کا کوئی شاعر معاشرت نگاری اگر کرے گا تو لامحالہ اسے ان چیزوں کا ذکر بھی کرنا پڑے گا۔ تقریباً یہی پوزیشن نظیر کی تھی، خدا نخواستہ وہ فحاشی اور بے حیائی کے مبلغ نہ تھے۔ انھوں نے معاشرت انسانی کے جو تاریک پہلو دکھائے وہ غلط اور غیر فطری نہ تھے، بلکہ عجب نہیں کہ اس سے انکا مقصد بگڑی ہوئی معاشرت کی اصلاح ہو۔ شیخ سعدیؒ کو دنیا بجا طور پر بہترین معلم اخلاق مانتی ہے اور ان کے بزرگ بلکہ شیخ طریقت ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں، لیکن کلیات سعدیؒ کے حصۂ نظم میں تو اس قسم کی عریانی اور فحاشی (جسکے سامنے میاں نظیر کی فحاشی بھی مات نظر آتی ہے) ملتی ہے خود گلستان سعدی کے باب پنجم و ششم میں ایسی حکایتیں موجود ہیں جو طالب علموں کو پڑھائی نہیں جا سکتیں، جو لوگ نظیر پر نکتہ چینی کرتے ہیں، سعدیؒ وغیرہ کی ان تحریروں کی آخر کیا توجیہ و تاویل کر سکتے ہیں۔

نظیر پر یہ الزام بھی ہے کہ انھوں نے الفاظ عوام کے تلفظ کے مطابق نظم کیے ہیں۔ یہ اعتراض اسلیے بے وقعت ہے کہ نظیر نے جہاں قصداً عوام کی زبان لکھی ہے، وہاں اگر وہ عوام میں مروج تلفظ ترک کر دیتے تو ان پر عوامی شاعر کا اطلاق ہی صحیح نہ ہوتا۔

شاعرانہ حیثیت سے نظیر پر بڑا اعتراض ایک یہ ہے کہ بعض حروف جن کا تقطیع میں گرنا استادوں نے

ناجائز رکھا ہے مثلاً ع، ح، ہ، ر، وغیرہ، ان کے کلام میں جا بجا تقطیع سے گر گئے ہیں۔ مثلاً
اسقاط "عین" کی مثال ؎

ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی   جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

اسقاط "ح" کی مثال ؎

اس نے جب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا   مہربان مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا پیسے کا"

اسقاط "ہ" کی مثال ؎

کہتا ہے کوئی کسی سے اے دلربا ہٹیلے   ایک ہی گلابی مے کی ہاتھوں سے میرے پی لے

اسقاط "ر" کی مثال ؎

جو پاسا پھینکے بنا بنا کر اور داؤں کتنے ہی دل میں ٹھانے   جو چاہتا ہے اٹھارہ آویں تو اسکو پڑتے ہیں تین کانے

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نظیر کے زمانہ میں عین کے اسقاط کو شعرا معیوب نہیں سمجھتے تھے، اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تقطیع میں اکثر تلفظ کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اردو میں عین اور الف کا تلفظ ملتا جلتا ہے، مثلاً عید، علم وغیرہ کا تلفظ اید اور الم کی طرح ہوتا ہے۔ اسقاط عین کی مثالیں سودا کے یہاں بھی ملتی ہیں مثلاً ؎

اس عقدے کو کیجیے گا ہم پر بھی صاف   کہ وضع جہاں سے ہے یہ بر خلاف

اسی طرح فارسی شعرا غنی کشمیری، ظہوری ترشیزی، قاآنی شیرازی کے یہاں بھی متعدد مثالیں ایسی ہی ملتی ہیں۔
سقوط "ح" کی مثال بھی سودا اور ان کے شاگردوں کے یہاں ملتی ہے، مثلاً ؎

دنیا نہیں اے یار تلاش اپنی سے منظور   کرتا ہوں اس محبت کو میں اتمام جہاں پہ

یہی حال اسقاط "ہ" کا ہے، سودا کہتے ہیں ؎

پس ہمت کے نزدیک ہے کیا بھلا   کہ میں اور پر ٹالوں اپنی بلا

یگانۂ روزگار فارسی شاعر عرفی کا شعر ہے ؎

پیش عرفی مدہ از دست عناں کاین استاد   خویش را ابلہ نمودہ است نہ بے ابلہ نیست

اسقاط ر میں لفظ اور کی "ر" گرنے کا جواب یہ ہے کہ اور کا تلفظ کئی طرح پر ہے کہیں تو اور قول کے

وزن پر ہوتا ہے اور اس کا تلفظ 'از' بوزن 'زر' اور کہیں باسقاط 'را' بوزن ضو ہوتا ہے۔ لیکن وہ لکھا صرف دو طرح جاتا ہے 'اور' 'با' "و"۔ نظیر نے جس مقام پر اسے لکھا ہے وہاں مقصود "و" (یعنی واو عاطفہ ہندی) لکھتا تھا، مگر چونکہ تلفظ کے مطابق لکھنے کا رواج اس عہد میں زائد نہ تھا، اس لیے تلفظ خواہ کوئی سا مقصود ہو، لکھا ایک ہی طرح جاتا تھا۔

نظیر کے زمانہ میں تصحیح الفاظ کے قواعد میں اتنی سختی نہیں برتی جاتی تھی جتنی بعد میں برتی جانے لگی، اس وقت تو عموماً یہی دیکھا جاتا تھا کہ گفتگو میں الفاظ کس طرح رائج ہیں، مثلاً تسبیح اگرچہ بر وزن تصحیح ہے لیکن تلفظ میں محض تسبی ہے، اس لیے اس زمانہ میں اس کی جمع تسبیاں بھی عام طور سے رائج تھی۔ اسی قسم کے غلط العوام الفاظ نظیر کے یہاں کثرت سے ہیں، لیکن دوسرے مشہور اساتذہ یہاں تک کہ مرزا محمد رفیع سودا کا کلام بھی ان سے خالی نہیں، مثلاً مسلا مسائل ؎

کہا حضرت نے سُن کر تم ہو گمراہ   نہیں مسلہ مسائل سے کچھ آگاہ

کمی کے بجائے کمیں ؎

کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے کمیں   پاس سے میرے تم نہ جاؤ کہیں

اس طرح زبان کی تبدیلی کے باعث اُس وقت کے بہت سے محاورے آج ہمیں معیوب نظر آتے ہیں، لیکن اُس زمانہ میں کوئی بھی ان کے عام رواج کی وجہ سے معترض نہیں ہوتا تھا، اس زمانہ میں اضافت کی علامت اور فاعل کی علامت کو حذف کر دینے کا عام رواج تھا، اور یہی حال اور بہت سے الفاظ کا بھی تھا، اُس زمانہ میں ماٹی، مٹی کے بجائے مستعمل تھی۔ "لاگا"۔ "لگا" کے معنی میں رائج تھا، "ان کے تئیں" کے بجائے "انھوں کے تئیں" بولا جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔

رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ ھَدَانِیْ اِلیٰ عُیُوْبِہٖ

غزلیات دیوان نظیر اردو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردیف الف

(۱)

دل ہوا جس روز بسمل ابروے دلخواہ کا ۔ تھا وہی پہلا دن اس بسمل کی بسم اللہ کا

جس نے دیکھا وہ رخ انور تو اسکو عمر بھر ۔ پھر نہ روے مہر خوش آیا نہ چہرہ ماہ کا

ایک دن آگے خلیل اللہ کے اک شخص نے ۔ یک بیک آکر لیا منھ سے جو نام اللہ کا

اُس خلیل اللہ نے سنتے ہی آکر شوق میں ۔ سب دیا اس کو جو تھا اسباب عز و جاہ کا

اور کہا اے شخص پھر بہر خدا یہ نام لے ۔ میں بجاں مشتاق ہوں اس اسم خاطر خواہ کا

گر وہ لیتا نام پھر اللہ کا تو بالیقیں ۔ جی نکل جاتا وہیں حضرت خلیل اللہ کا

حاصل اس کہنے کا اُسکی چاہ کچھ آساں نہیں ۔ جب کوئی ایسا ہو جب لے نام اُسکی چاہ کا

دی ہمیں اُس نے نفخت فیہ من روحی سے جان[ے] ۔ مال بھی ہم کو دیا عرفاں کی رسم و راہ کا

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی بت اے نظیر ۔ جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا

[ے] یعنی ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی ۱۲ منہ

(۲)

دل کو چشم یار نے جب جام سے اپنا دیا ۔ اُن سے خوش ہو کر لیا اور کہہ کے بسم اللہ پیا

دیکھ اُس کی جامہ زیبی گل نے اپنا پیرہن ۔ اس قدر پھاڑا کہ بلبل سے نہیں جاتا سیا

بے قراری سے نگاہ سیمبر پھیری اُدھر
کی عنایت ہم کو اس سیماب[1] نے یہ کیمیا

اس کے کوچے میں جسے جا بیٹھنے کو مل گئی
مسندِ زر بافت پر غالب ہے اس کا بوریا

دل پھنسا بیٹھا تو اس زلفِ مسلسل سے نظیر
اے اسیرِ دامِ نافہمی یہ تو نے کیا کیا

(۳)

خوباں[2] کو جب اُس کا رُخِ زیبا نظر آیا
کہتے ہیں جسے حسن وہ کیا کیا نظر آیا

محبوب قمر شکل جسے رشک سے دیکھیں
اُس چہرۂ انور میں وہ نقشا نظر آیا

دیکھا نگہ مہ نے اُدھر شام کو کیا کیا
خورشید سحر کو اُسے تکتا نظر آیا

ہر قطرۂ شبنم سے لگا منہ کو چھپانے
جب گل کو گلستاں میں وہ مکھڑا نظر آیا

ہم کیا ہیں نظیر اُس سے تو ہر آئینہ رو کو
حیرت کا اثر آئینہ آسا نظر آیا

(۴)

تجھے کچھ بھی خدا کا ترس ہے اے سنگدل ترسا
ہمارا دل بہت ترسا ارے ترسا نہ اب ترسا

میں اس پر مبتلا وہ غیر مذہب شوخ اب ترسا
قیامت ہے مسلماں عاشق اور معشوق ہے ترسا

فقط تیرِ نگہ سے تو نہ دل کی آرزو نکلی
ترے قرباں لگا اب کے کوئی اس سے بھی بہتر سا

نہ جاؤں میں تو اُسکے پاس لیکن کیا کروں یارو
یکایک کچھ جگر میں آ کے لگ جاتا ہے نشتر سا

پکارا دور سے دے کر صفیر اُس نے تو کیا میرا
دھڑک کر یک بیک سینے میں دل لوٹا کبوتر سا

ہوا بیمار تیرے عشق میں جو چرخ چارم پر
مسیحا پڑھ رہا ہے کچھ بچھا کر اپنا بستر سا

نظیر اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے
چلو اب چپ رہو بس کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

---

[1] سیماب پارہ سیماب سے کیمیا بنتی ہے ۱۲ -
[2] اب اس قسم کی جمع متروک ہے - آسی -

(۵)

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا — یارب تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا
ہے عرش سے تا فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ — ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات — اور روئے زمیں پر گل و ریحان تماشا
جنات، پری، دیو، ملک، حور بھی نادر — انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا
جب حسن، کے جاتی ہے مرقع پہ نظر آہ — کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا
چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں — رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا
گر عشق کے کوچے میں گزر کیجے تو واں بھی — ہر وقت نئی سیر ہے ہر آن تماشا
منھ زرد، بدن خشک، جگر چاک، المناک — غل، شور، تپش، نالہ و افغان تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ
سب ارض و سما کی ہے گلستان تماشا

(۶)

مجھے اس جھمک سے آیا نظر اک نگار رعنا — کہ خور اسکے حسن رخ کو لگا تکنے ذرہ آسا[۱]
خد و خال خوبی آگیں، لب لعل پاں سے رنگیں — نظر آفتِ دل و دیں، مژہ صد مضرت افزا
بڑی رخ پہ زلف پر خم، مسی رشک رنگ نیلم — غرض اس طرح کا عالم کہ پری کہے اہا ہا!
کہا ہم نے "اے سمن بر، پری چہرہ مہر پیکر — جو چلی ہو یوں جھمک کر، کہو عزم ہے کدھر کا
ہے یہ وقت سیر بستاں، چلیں ہم بھی ساتھ اے جاں" — کہا ہنس کے یہ "اے میاں، کوئی تم بھی ہو تماشا
ہے یہ آشنائی اگلی، نہ شناخت اک دو دن کی — جو ہے دل ربا کی مرضی، تو ہے لوچ پھر یہ کیسا"

کہا جب نظیر ہم نے "یہی دل میں ہم تو رکھتے"
تو کہا "جو نیکی ہو وے تو پھر اس کا پوچھنا کیا"

[۱] آسا کو ہم تماشا کہا گیا ہے صحبت کے معنے میں ہے ۱۲

(۷)

شور افگن جنوں ہے جس جا نگاہ کرنا — رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا
جانا بھی آگے اُس کے اکثر پئے نظارہ — باعث بھی بہرِ اخفا پھر رو براہ کرنا
ملنا بھی اُس روش سے جس میں گمانِ اُلفت — گر کچھ بھی ہو تو دل میں دور اشتباہ کرنا
پوچھا اگر اُس صنم نے "ہم حُسن میں ہیں کیسے؟" — تو بے شعوری اپنی، ہنس کر، گواہ کرنا

کیا کیا نظیر تجھ میں مکر و فریب ہیں، جو
اُس رمز آشنا سے اس ڈھب کی چاہ کرنا

(۸)

وہ رشکِ چمن کل جو زیبِ چمن تھا — چمن جنبشِ شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اُس بن چمن میں، تو ہر گل — مجھے اُس گھڑی اخگرِ پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا — خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا
تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا — گیا وہ تو، جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا — مشیّن بدن تھا، معطّر کفن تھا
جو قبرِ کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا — نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

"یہ ایک نسخے میں آغاز قطعہ مقطع سے ہے"

(۹)

وہ مجھ کو دیکھ کچھ اُس ڈھب سے شرمسار ہوا — کہ میں حیا ہی پر اُس کی فقط نثار ہوا
سبھوں کو بوسے دیے ہنس کے، اور ہمیں گالی — ہزار شکر! بھلا اس قدر تو پیار ہوا
ہمارے مرنے کو، ہاں، تم تو جھوٹ سمجھے تھے — کہا رقیب نے، لو، اب تو اعتبار ہوا
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگدل کافر — پڑیں قرار پہ پتھر، یہ کچھ قرار ہوا

گلے کا ہار جو اُس گلبدن کا ٹوٹ پڑا — تو ڈر نظر کا وہیں اُس کو ایک بار ہوا

کسی سے اور تو کچھ بس چلا نہ اُس کا نظیر
ندانؔ[1] میرے ہی آکر گلے کا ہار ہوا

(۱۰)

جوش نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا — ہے طرفہ روزگار طرب زا بسنت کا
باغوں میں لطفِ نشو و نما کی ہیں کثرتیں — بزموں میں نغمہ خوشدلی افزا بسنت کا
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی وہ دلبراں — ہے جن سے زرنگار سراپا بسنت کا
چادر پہ یار کے یہ کہا ہم نے صبحدم — اے جاں، ہے اب تو ہر کہیں چرچا بسنت کا
تشریف تم نہ لائے جو کر کر بسنتی پوش — کہیے، گناہ ہم نے کیا کیا بسنت کا
سنتے ہی اس بہار سے نکلا، کہ جس کے تئیں — دل دیکھتے ہی ہو گیا شیدا بسنت کا

اپنا وہ خوش لباسِ بسنتی دکھا، نظیر
چمکایا حسن یار نے کیا کیا بسنت کا

[1] ندان ۔ آخرکار ۔ پرانا لفظ ہے اور اب اُردو میں متروک ہے ۱۲

(۱۱)

بتوں کے زرد پیراہن میں عطرِ چنپا جب مہکا — ہوا نقشا عیاں ہولی کی کیا کیا رسم اور رہ کا
گلال آلودہ گلچہروں کے وصفِ رُخ میں نکلے ہیں — مزا کیا کیا صریرِ کلک سے بلبل کی چہچہہ کا
گلابی انکھڑیوں کی ہر نگہ سے جام مل پی کر — کوئی سرخوش، کوئی بیخود، کوئی لوٹا، کوئی بہکا
چھڑکتا رنگ، خوباں پر عجب شوخی دکھاتا ہے — کبھی کچھ نازکی وہ وہ، کبھی انداز رہ رہ کا

بھگویا دلبروں نے جب نظیر اپنے کو ہولی میں
تو کیا کیا تالیوں کا غل ہوا، اور شور قہ قہ کا

(۱۲)

گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا — اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈا بھی نہ پایا
قصوں میں رہے حرف و حکایات تو پھر کیا

حد بوس و کنار اور جو تھا اس کے سوا آہ
گر وہ بھی میسر ہوا ہیہات تو پھر کیا

دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں، مری جاں،
کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا

پھر اڑ گئی اک آن میں سب حشمت و سب شان
لے شرق سے تا غرب لگا ہات تو پھر کیا

اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات تو پھر کیا

جب آئی اجل پھر وہیں اٹھ بھاگے شتابی
رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا

دو دن کو جو تعویذ و فتیلہ، و عمل سے
تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا

اس عمر دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سموات تو پھر کیا

اک دم میں ہوا ہو گئے سب علمی و نظری
تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا

اس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا در در پھرا خیرات تو پھر کیا

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

(۱۴)

سحر آیا جو نہیں میں کلبۂ احزاں میں بچارا
وہیں اک بار گی جوش جنوں نے دل کو للکارا

پڑا ہے کیا فسردہ مثل برف[1]، اے شعلۂ آتش
بہار آئی، دکھا گر تجھ میں ہے کچھ توت و یارا[2]

اڑا کر گرد، مل کر خاک، نکلا گھر سے پھر باہر
چڑھایا بند، اور ہو کر کے، نالہ آہ کا مارا

ہجوم محشرم - ہنگامہ ام، دیوانہ ام، مستم،
نہ از پا سے شناسم سر، نمی دانم زبر بالا را

قضا نے لا دہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

کھنکتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ
اگر گرجا زمیں کے رعد کی نوبت کا نقارا

نظر آیا جو نہیں پھر ہوش میں، تو کہکے یہ بولا
کہ "آخر ہر کمالے را زوالے می شود یارا"

[1] جھنکارا - صحیح جھنکار ہے نظیر کا اختراع و تصرف ہے ۱۲
[2] یارا میں الف ندائیہ ہے آسی

(۱۴)

رہوں کاہے کو دلخستہ پھروں کاہے کو آوارا
اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

خدا اگر مجھ گدا کو سلطنت بخشے تو میں یارو
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

ہم اپنا تو بہشت و چشمۂ کوثر سمجھتے ہیں
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلیٰ را

زمیں پر آیا جب یوسف اسی دن آسماں رویا
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

یہ ظالم سنگدل محبوب جادوگر ستم پیشہ
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

جو صاحب حسن ہیں ہرگز نہیں محتاج زینت کے
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

بتوں کی گالیوں میں بھی عجب لذت نکلتی ہے
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را

تو ہستی کی گرہ پر عقل کے ناخن نہ توڑ اے دل
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معما را

نظیر اس لطف سے تضمیں کر تو مصرع حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

سلہ شست
چٹکی ۱۲ سلہ
ادا و ناز ، روش
اسی

(۱۵)

دیکھ لے جو عالم اس کے حسن بالادست کا
حوصلا اتنا کہاں اپنی نگاہ پست کا

نیست رہتے ہم تو یہ سیریں کہاں سے دیکھتے
یہ فقط احسان ہے اس ذات پاک ہست کا

بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

بات کچھ کہتا ہے اور نکلے ہے منھ سے کچھ نظیر
یہ نشہ تجھ کو ہوا کس کی نگاہ مست کا

(۱۶)

دیا دل تو پھر عہد و پیمان کیسا
لیا جس نے اس کا ہے احسان کیسا

جہاں زلف کافر میں دل پھنس گیا ہے
تو داں دین کیسا اور ایمان کیسا

اداتے کیا دل کو پہلو میں بیکل
کرے گی ستم دیکھیے آن کیسا

ادھر کاجل آنکھوں میں کیا کیا کھلا ہے — ملا ہے مسی سے اُدھر پان کیسا

نظیر اس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیسا"

(۱۴)

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دلبرانہ تھا — اپنا بھی اس طرف گزر عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی — تھا کچھ فریب واں تو ادھر کچھ بہانہ تھا
چاہت ہماری تاڑتے ہیں واں کے تاڑباز — تس پر ہنوز خوب طرح دل لگا نہ تھا
کیا کیا دلوں میں ہوتی تھی بن دیکھے بیکلی — ہے کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا

اب اس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیر
کیا جانے وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

(۱۵)

نگہ کے سامنے اُس کا جو نہی جمال ہوا — وہ دل ہی جانے ہے اُس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند — تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے — غرض پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
ادھر سے بھر دیا مے نے نگاہ کا ساغر — ادھر سے زلف کا حلقہ گلے کا جال ہوا

بہارِ حسن وہ آئی نظر جو اس کی نظیر
تو دل وہیں چمنِ عشق میں نہال ہوا

(۱۶)

لطفِ تشریف جو عشق اسکے نے آغاز کیا — ہم نے تعظیم کی اور جھپ[لہ] درِ دل باز کیا
دیکھ کر اس کو بتاں بجز سب اپنا بھولے — اس شہِ حسن کے عالم نے یہ اعجاز کیا
لطف سے جس کی طرف ایک نگہ کی اُس نے — اُس کو سو قدر و شرف سے وہیں ممتاز کیا

لہ جھپ: فوراً آسی

جس کے ہاں پاؤں رکھا اُس نے تو کیا کیا اسکو
عالم ظاہر و باطن میں سرافراز کیا

ہم تو کس گنتی میں ہیں جن نے اُس کے تو نظیرؔ
ہیں جو معشوق انھیں عاشقِ جانباز کیا

(۲۰)

مرا خط ہے جہاں یار و وہ رشکِ حور لیجانا
کسی صورت سے تم وہاں تک مرا مذکور لیجانا

اگر وہ شعلہ رو پوچھے مرے دل کے پھپولوں کو
تو اُس کے سامنے اک خوشۂ انگور لیجانا

جو یہ پوچھے کہ اب کتنی ہے اُسکے رنگ پر زردی
تو یارو تم گُل صد برگ یا کافور لیجانا

اگر پوچھے مرے سینے کے زخموں کو تو اے یارو
کہیں سے ڈھونڈھ کر اک خانۂ زنبور لیجانا

رقیب روسیہ کے حال کا گر ماجرا پوچھے
تو اس کے سامنے جنگل سے اک لنگور لیجانا

نظیرؔ اک دن خوشی سے یار نے ہنس کر کہا مجھ کو
کہ تو بھی ایک بوسہ ہم سے اے رنجور لیجانا

(۲۱)

بتوں کی مجلس میں شب کو مہرو جو اور ٹک بھی قیام کرتا
گُنشت دیراں صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا

خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا
جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے میری میں نام کرتا

گڑ دڑ دل جو موئے پڑے ہیں، نکلتے خوں میں کفن سے نالاں
قیامت آجاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتی پیارے تیرے ملاپ اوپر
رقیب آپی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیامؔ؎ا کرتا

وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا تو مسکرا کر

ا؎ پیام کرتا فارسی کے محاورہ کا ترجمہ ہو سکتا ہے لیکن اردو میں اس [illegible] خلاف [illegible] ہے

تڑپتی بلبل، سسکتی قمری، گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا

بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے ہے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن نکھاتا، نہ شب بناتا، نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مخموری کی، فرشتے ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں انکو سلام کرتا

نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت جو اُس سے آکر کلام کرتا

(۲۲)

کلال گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کو جام کرتا[1]
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب یہ عیش مدام کرتا

جو پاتا لذت لبانِ مستاں مے محبت سے تیری زاہد
تو صومعے[2] سے نکل کے اپنے وہ میکدے میں مقام کرتا

وہ بزم اپنی تھی میکشی کی نہ سیر ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو میں یہ کہکر سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن نکھاتا، نہ شب بناتا، نہ صبح لاتا، نہ شام کرتا

نظیر آخر کو ہار کر میں گلی میں اُس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو لے کے مجھ کو وہ شوخ اپنا غلام کرتا

---

[1] یہ غزل مجمع الاشعار سے لی گئی ہے۔ دو شعر اس کے بادنیٰ تغیر غزل ۲۱ میں گزر چکے ہیں باقی شعر نئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اسی غزل کی نظیر نے نظر ثانی کی ہے یا ممکن ہے کہ دو غزلہ ہو ۱۲

[2] صومعہ عبادتخانۂ ترسایاں (نصرانیاں) ۱۲

(۲۳)

شانے سے اس کے کل جو ہمیں دردشانہ تھا — وہ دردشانہ کاہے کو تھا رشک شانہ تھا
ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا تو وہ خدنگ — واں ہی لگا غرض جہاں اس کا نشانہ تھا
زریں مباف کا بھی دکھا تا کمر کو موڑ — لمبی کو اسپ شوق کے اک تازیانہ تھا
لیلےٰ ہی اسکے ہوش سے واقف تھی ورنہ یہاں — اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنون دِوانہ تھا

اقرار کر کے وہ جو نہ آیا میاں نظیر
وہ پُرفسوں ہے یہ بھی اک اس کا بہانہ تھا

(۲۴)

جب سرِ زلف تا کمر پہونچا — اس کمر کو بہت ضرر پہونچا
اکی پہونچی سے بھی لچکتا ہے — نازک اس کا ہے اس قدر پہونچا
اے نسیم سحر تو اس گل کو — ق — بیکلی کی مری خبر پہونچا
کہیو اے جاں نظیر کو تیرے — رنج ہجر اب تو بیشتر پہونچا

یا بلالے اسے ادھر اے جاں
یا تو ہی آپ کو اُدھر پہونچا

نامۂ یار جو سحر پہونچا — خوش رقم خوب وقت پہ پہونچا
تھا لکھا یوں کہ اے نظیر اب تک — کس سبب تو نہیں ادھر پہونچا
میں نے اس کو کہا کہ اے محبوب — اس لیئے میں نہیں اُدھر پہونچا
یوں سُنا تھا کہ تم آپ ہی آتے ہو — اس میں نامہ یہ پُر گھر پہونچا

مجھ کو پہونچا ہی جانو اپنے پاس
آج۔ کل۔ شام یا سحر پہونچا

لہ شانہ اول یعنی کنگھی۔ دوم یعنی کندھا ۱۲ لہ لمبی سے مراد راہی شوق آسی

(۲۵)

ساقی ظہور صبح د تر تیج ہے نور کا
دے مے یہی تو وقت ہے نورِ ظہور[1] کا

کوچہ میں اس کے جس کو جگہ مل گئی وہ پھر
مائل ہوا نہ صحن چمن کے سرور کا

یہ گل[2] جو ہم نے ہاتھ پہ کھائے ہیں روبرو
ہم کو یہی ملا ہے تبرک حضور کا

سیماب جس کو کہتے ہیں سیماب یہ نہیں
دل آب ہوگیا ہے کسی ناصبور کا

مے پی کے عاشقی کے خرابات میں نظیر
نے ڈر ہے محتسب[3] کا نہ صدر الصدور کا

(۲۶)

یہاں ہیں جو نہ ہوا اس پری کا دیوانہ
تو اس نے آہ مزا عاشقی کا کیا جانا

کہا یہ شوخ نے ہم کو تو چاہتا ہے نظیر
یہ پوچھا میں نے بھلا تم نے کس طرح جانا

تو ہنس کے کہنے لگا اس طرح میں سمجھا ہوں
کہ تجھ کو پاس ہمارے ہے دمبدم آنا

جو ہم نہ ہو دیں تو آکر ہمارے کوچے میں
یہ جم کے بیٹھنا پہروں تلک نہ گھبرانا

جو ہم خفا ہوں تو آکر ہزار منت سے
خوشی ہو چھیڑنا ہنس ہنس کے گالیاں کھانا

ق

پس ایسی باتوں سے کیونکر نہ چاہ ثابت ہو
خدا کو دیکھا نہیں عقل سے تو پہچانا

(۲۷)

ہوئی صبح جب گھر سے وہ یار نکلا
کہا خلق نے رشک گلزار نکلا

گئی آگئے پیچ میں زلف کے واں
مری چشموں سے جو گھر بار نکلا

قضا تیری کافر ادھر آگئی جو
بھلی لٹ پٹی باندھ دستار نکلا

عجب پھیر قسمت کا ہے میری یارو
جسے یار سمجھا وہ اغیار نکلا

خفا ہم سے شب کو صنم ہو نشے میں
سرے مجھ کو سے کر وہ بازار نکلا

---

[1] نورِ ظہور کا وقت صبح کے وقت کو کہتے ہیں ۱۲

[2] گل کھانا ۔ آگ میں گرم کی ہوئی چیز سے داغ کھانا

[3] محتسب ۔ منہیات شرعیہ پر احتساب رکھنے والا

صدر الصدور شاہی زمانہ میں ایک بڑا عہدہ ہوتا تھا ۱۲ آسی

بہت چاہا دل بیچ دیجے صنم کو ۔۔۔ میرے دل کا وہ نا خریدار نکلا

صراحی سے ساقی نے مے جو پلائی
نظیر اس قدر ہو کے سرشار نکلا

(۲۸)

کیا جو یار نے ہم سے پیام رخصت کا ۔۔۔ تو دم نکل گیا سنتے ہی نام رخصت کا
مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو ۔۔۔ سُنا جو شوخ کے منھ سے کلام رخصت کا
چلا ہوں یار کی مجلس سے اُٹھ کے اے ساقی ۔۔۔ مجھے پلا دے تو اب ایک جام رخصت کا
میاں جو شکل ستم کی تھی سو تو سب دیکھی ۔۔۔ امیدوار ہے اب یہ غلام رخصت کا

تم اپنے ظلم سے ہرگز نہ باز آؤ گے
چلا ، نظیر سے لیجے سلام رخصت کا

(۲۹)

کل مرے قتل کو اس ڈھب سے وہ بانکا نکلا ۔۔۔ منھ سے جلاد فلک کے بھی اہا ہا نکلا
آگے آہوں کے نشاں سمجھے مرے اشکوں کے ۔۔۔ آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا
یوں تو ہم کچھ نہ تھے پر مثل انار و مہتاب ۔۔۔ جب ہمیں آگ لگائی تو تماشا نکلا
کیا غلط فہمی ہے صد حیف کہ مرتے دم تک ۔۔۔ جس کو ہم سمجھے تھے قاتل وہ مسیحا نکلا
غم میں ہم بھان متی بن کے جہاں بیٹھے تھے ۔۔۔ اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا
سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے میرے ۔۔۔ شعلے پر شعلہ بھبھوکے پہ بھبھوکا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۳۰)

نظر پڑا اک بُتِ پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا ۔۔۔ جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ قہر و آفت غضب خدا کا

جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی جو باتیں سنیے تو میٹھی میٹھی ۔ یہ دل وہ پتھر کہ سر اُڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پر ۔ کسی کو ٹھوکر کسیکو چھکڑ، کسی کو گالی، بہنٹ لڑاکا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے نظر کہیں ہے ۔ کہاں کا اونچا کہاں کا نیچا خیال کسکو قدم کی جا کا
لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے ۔ نظر جو نیچی کرے تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
یہ جھنجھلاہٹ یہ چلبلاہٹ خبر نہ سر کی نہ تن کی سُدھ بُدھ ۔ جو چیرا بکھرا، بلا سے بکھرا، نہ بند باندھا کبھو قبا کا
گلے لپٹنے میں یوں شتابی کہ مثل بجلی کے اضطرابی ۔ کہیں جو چمکا چمک چمک کر، کہیں جو لپکا تو دیکھ چھپاکا
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے نہ وہ منائے منے کسی کے ۔ جو قتل عاشق پہ آکے مچلے تو غیر کا پھر نہ آشنا کا
یہ رحم یہ نفرت یہ دور کھینچنا یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے ۔ جو پتا کھڑکے ہوا سے لگ کر تو سمجھے کھٹکا نگہ کے پا کا
جتاوے الفت چڑھاوے ابرو ادھر لگاوٹ ادھر تقاتل ۔ کرے تبسم جھڑک دے ہر دم روش ہٹیلی چلن دغا کا

نظیر ہٹ جا پرے سرک جا بدل سے صورت چھپا لے منہ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستمگر، تو یا یہ ہو گا ابھی جھڑاکا

(۳۱)

کہئے اس شوخ سے دل کا جو میں احوال گیا ۔ واں نہ تفصیل گئی پیش نہ اجمال گیا
دام کاکل سے گلا کیا۔ یہ جو ہے طائر دل ۔ آپ اپنے یہ پھنسانے کو پر و بال گیا
ق
دل بے تاب کی کیا جانے ہوئی کیا صورت ۔ پیچھے اس شوخ ستمگر کے جو فی الحال گیا
لے گیا ساتھ لگا وہ بت قاتل گھر تک ۔ یا اُسے مار کے رستے میں کہیں ڈال گیا

خیر وہ حال ہوا یا یہ ہوئی شکل نظیر
کچھ تاسف نہ کرو۔ جانے دو۔ جنجال گیا

(۳۲)

دل لگا کر قرار کھونا تھا ۔ ہم کو سیماب وار ہونا تھا
دل کو اس سیمبر کے کوچے میں ۔ عاشقوں کی طرح جو سونا تھا

۱ چھپاکا جلدی
۲ جھڑاکا مراد سنایا۔ خاتمہ ۱۲
آسی

ق
جب وہ سویا تو چاؤ تھا تکیہ ۔۔۔ حاصلِ مدعا بچھونا تھا
جوں ملی چشم تر کفِ پا سے ۔۔۔ وہیں واں آبلے کا ہونا تھا

اشک تھا گرم تر نظیرؔ اے
کچھ دمِ سرد سے سمونا تھا

(۳۴)

عشق میں عقل و ہوش کھونا تھا ۔۔۔ کیجے کیا اب ہوا جو ہونا تھا
شب کو آکر وہ پھر گیا ہیہات ۔۔۔ کیا اسی رات ہم کو سونا تھا

ق
کھول دی چاہ دیدۂ تر نے ۔۔۔ یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا
اور جو ایسا ہی تھا تو گوہر اشک ۔۔۔ ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا

یا چھپانا نظیرؔ تھا بہتر
یا تعشق سے ہاتھ دھونا تھا

(۳۵)

عاشق ہو دم کے لینے کو جنجال کر دیا ۔۔۔ دل نے ہمارے جی کا یہ احوال کر دیا
سینہ سپر بنا کے ہوا اس کے روبرو ۔۔۔ مژگاں نے اس سپر کو بھی غربال کر دیا
مہندی بھرے جو ہاتھ سے اُنکا تو اس نے بھی ۔۔۔ ایسے طمانچے مارے کہ منھ لال کر دیا

ق
ہنس کر کہا تمھارے طرف کل ہم آئیں گے ۔۔۔ ہم کو یہ کہہ کے یار نے خوشحال کر دیا

پھر پاؤں در پہ آکے رکھا اُسنے جب نظیرؔ
جتنے تھے رنج و غم انھیں پامال کر دیا

(۳۶)

کر لیتے الگ ہم تو دل اس شوخ سے کب کا ۔۔۔ گر اور بھی ہوتا کوئی اس طور کی چھب کا
بوسہ کی عوض ہوتے ہیں دشنام سے مسرور ۔۔۔ اتنا تو کرم ہم پہ بھی ہے یار کے لب کا

ق

اس کان کے جھمکے کی لٹک دیکھ لی شاید
ہر خوشہ اسی تاک میں رہتا ہے عنب کا

دیکھا جو بڑی دیر تلک اس نے منہ اپنا
اے دست حنا بستہ میں آئینہ حلب کا

جب ہم نے کہا رکھیے اب آئینہ کو، یہ تو
حصہ ہے کسی اور بھی دیدار طلب کا

یہ سُن کے ادھر اس نے کیا غصے میں منہ سرخ
بھبکا ادھر آئینہ بھی ہمسر ہو غضب کا

تم ربط کے ڈھب جس سے لڑاتے ہو نظیر آہ
وہ دلبرِ عیار ہے کچھ اور ہی ڈھب کا

(۳۷)

حسن اُس شوخ کا اہاہا
جن نے دیکھا کہا اہاہاہا

زلف ڈالے ہے گردن دل میں
دام کیا کیا بڑھا اہاہاہا

تیغِ ابرو بھی کرتی ہے دل پر
وار کیا کیا نیا اہاہاہا

آن پر آن وہ اجی او ہو
اور ادا پر ادا اہاہاہا

ناز سے جو نہ ہو وہ کرتی ہے
چپکے چپکے جیا اہاہاہا

ق

طائرِ دل پہ اُس کا بازِ نگاہ
جس گھڑی آپڑا اہاہاہا

اس کی پھرتی اور اسکی لپ جھپ کا
کیا تماشا ہوا اہاہاہا

ق

بزم خوباں میں جب گیا وہ شوخ
اپنی سج دھج بنا اہاہاہا

کی "او ہو ہو" کسی نے دیکھ نظیر
کوئی کہنے لگا اہاہاہا ہے

(۳۸)

کان میں اس شوخ چنچل کے جو تھیں بالا پڑا
آگئی جگر میں برق اور ماہ پر ہالا پڑا

دیکھنا ہمدم یہ اُترا سنبلستاں میں قمر
یا یہ کاکل میں کسی کے چھلے ہے بالا پڑا

ق

دیکھ نقشِ تن مرا اپنی گلی کی خاک پر
یوں کہا یہاں تو او دیوانہ نہ تو آنا پڑا

عیش سے بھر نیند سونے کے لیے اس جا مگر
رات تھا کوئی ہمارا چاہنے والا پڑا

جب گُل لالہ سے پوچھا میں نے اے دل سوختہ
کس طرح سینے میں تیرے داغ یہ کالا پڑا

سن کے بولا جس سے تو جلتا ہوا آیا ہے یاں
یار مجھ پہ بھی اسی آتش کا یہ کالا پڑا

سنگدل، محبوب کو کہنا غلط تھا اے نظیر
ہم نے جب جانا جب اس بیدرد سے پالا[1] پڑا

(۳۸)

پردہ[2] اُٹھا کر رخ کو عیاں اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول ادھر یاں عشق نے دل کا کام کیا

آ گئے جب صیاد کے بس میں سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اُسی کی ٹھہری مرضی جن نے اسیر دام کیا

چشم نے چھینا پلکوں نے چھیدا زلف نے باندھا دل کو آہ
ابرو نے ایسی تیغ جڑی جو قصہ ہی سب اتمام کیا

سخت خجل ہیں اور شرمندہ رہ رہ کر پچھتاتے ہیں
خواب میں اُس سے رات لڑے ہم کیا ہی خیال خام کیا

ق

چھوڑ دیا جب ہم نے صنم کے کوچے میں آنے جانے کو
پھر تو ادھر اس شوخ نے ہم سے شکوہ بھرا پیغام کیا

اور ادھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی واہ جی واہ
اُٹھتے چلتے یار سے ملتے اب تو بہت آرام کیا

یار کی مے گوں چشم نے اپنی ایک نگہ سے ہم کو نظیر
مست کیا، اوباش بنایا، رند کیا، بدنام کیا

(۳۹)

[1] پالا پڑنا۔ سابقہ ہونا۔ معاملہ پڑنا ۱۲

[2] میر کی غزل بھی اسی زمین میں موجود ہے۔ اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا الخ مقابلہ کرو ۱۲ - آسی

جب میں سُنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ اُلٹ گیا

فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب
لیلےٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ[1] گیا

میں عشق کا جلا ہوں مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اُکھٹ[2] گیا

اتنا کوئی کہے کہ دِوانے، پڑا اسے کیا
جا دیکھ ابھی ادھر کوئی پریوں کا غٹ[3] گیا

چھینا تھا دل کو چشم نے، لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اس صفِ مژگاں میں بٹ گیا

کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ[4] گیا

آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اس پری کے جو پردہ الٹ گیا

سُن کر لگی یہ کہنے وہ عیّار نازنیں
"کیا بولیں، چل، ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ[5] گیا"

جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا
جس سے یہ دل اداس ہوا جی اُچٹ گیا

آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جان،
سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

عشاق جاں نثاروں میں میں تو امام ہوں
یہ کہہ کے میں جو اس کے گلے سے لپٹ گیا

ق
کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا جھڑک جھڑک
پر میں بھی قینچی باندھ[6] کے ایسا چمٹ گیا

یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں مرا ادھر
ٹکڑے ہوا، اور اس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

آخر اسی بہانے ملا یار سے نظیرؔ
کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۴۰)

مرا دل ہے مشتاق اس گلبدن کا
کہ یہ باغ اک گل ہے جسکے چمن کا

وہی زلف ہے جس کی نکہت سے اب تک
پڑا خون سوکھے ہے مشکِ ختن کا

وہی لعل لب ہے، کہ حسرت سے جس کے
جگر آج تک خوں ہے لعلِ یمن کا

عجب سیر دیکھی نظیرؔ اس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا

[1] لٹ جانا۔ زار و نزار ہونا نحیف ہونا ۱۲
[2] اُکھٹنا سوکھنا اُجڑنا خراب و تباہ ہونا ۱۲
[3] غٹ۔ مجمع، گروہ پرا ۱۲
[4] نٹنا۔ مکرنا ۱۲
[5] دل پھٹنا۔ دل میں کدورت پیدا ہونا۔ بیزار ہونا ۱۲
[6] قینچی باندھ کر لپٹنا۔ دونوں ہاتھ کھول کر اس طرح لپٹنا کہ دوسرا مجبور ہو جائے قینچی باندھنا۔ حریف کی دونوں ٹانگوں میں اپنی ٹانگیں ڈال دینا۔ آسی

ابھی یک دگر جمع تھے سنبل و گل
ابھی چہچہے بلبلوں کے عیاں تھے
ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا
ابھی شور تھا قمریٔ نعرہ زن کا

گھڑی بھر کے ہی بعد دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

(۴۱)

ملا مجھ سے وہ آج چنچل چھبیلا
کیا مجھ سے جس نے عداوت کا پنجہ
نکل اس کی زلفوں کے کوچے سے لے دل
کہتا میں ماروں اگر آہ کا دم
ہوا رنگ سُن کر رقیبوں کا نیلا
سنلقی علیکؔ قولاً ثقیلا
تو پڑھتا، قم اللیل الا قلیلا
فکانت[1] جبالُ کثیبًا مہیلا

نظیرؔ اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الوکیلا

(۴۲)

آن رکھتا ہے عجب یار کا لڑ کر چلنا
جتنے بن بن کے نکلتے ہیں صنم نام خدا
ناتوانی کا بھلا ہو جو ہوا مجھ کو نصیب
اُسکی کاکل ہے بُری مان کہا ای افعی
ہر قدم ناز کے غصّے میں اکڑ کر چلنا
سب میں بھاتا ہے مجھے اس کا بگڑ کر چلنا
اُسکی دیوار کی اینٹوں کو رگڑ کر چلنا
دیکھیو اس سے تو کاندھا نہ رگڑ کر چلنا

چلتے چلتے نہ خلش کر فلکِ دُوں سے نظیرؔ
فائدہ کیا ہے کمینے سے جھگڑ کر چلنا

(۴۳)

سحر[2] جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا

ن سنلقی علیہم عن ابا نقبال

[1] اصل آیت یوں ہے:- فکانتِ الجبالُ کثیبًا مَّھیلًا

[2] اس غزل میں سات زبانیں استعمال کی ہیں۔ اسی

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتوں بھی کچھ تماشا
بھنوئیں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اُس کی دل کو ہو گیا ہی گھر انشہ دو بالا
لبوں پہ سُرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی، وہ قدِ زیبا
کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
نگہ لڑائی ہے اُس نے جس دم، جھٹک لیا جھپٹ دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا پلک پلک نے اُدھر اُچھالا
جو لے لیا دل کو میرے یارو تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُسکا وے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا
پری رخِ من، شکر لبِ من، دمے تو باز آ بہ پیشِ چشم
بیاد سروِ تو بے قرارم، نہالِ عشقت شدہ است بالا
فداک وجھک عشی شرقا دموع تہر او من فراقک
کثیر حزنا مع الھموم ثقیل ہجرا دکا الجبالا
ثنائے ملتے نوں دل ہے بے کل اہی او وہ کلاں نت آگھدا ہے

له عبارت اسکی بہ ترکیب نحوی ٹھیک نہیں مگر ہر جگہ یوں ہی مندرج ہے ۱۲

سدا اے مُنّوں نے اپنے گھر وچ نہیں توانتھے اسادے نال آ
تہاری آسا لگی ہر نس دن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں
دُلارے سُندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
چہن کے من کو جو چھینوں تھی اے یار کائیں لگائی اتنی
بھرائیں آکر کھبر لومھاں کی پلک کٹارا جو تھان نے گھالا
اگن برت ہے ہیا میں موسے برہ میں تیرے لئے من موہنواں
تورے جو نیناں نے موہا مجکو نہ جینوں تنکو بھوا و کھالا
جگت سبھا، امت برہکھ، اٹک کھسوا، امن کرن کھا
دواتی کینی ہمتن سُر بچن، نہ سُدھ کی گر پر، نہ بدھ کی جھالا

کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک لے جاں
بنا کے سج دھج، بھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(۴۴)

ادھر یار جب مہربانی کرے گا — تو اپنا بھی جی شادمانی کرے گا
دیا دل نظیر اسکو یوں کہہ کے لے جاں — ق — کہوگے تو یہ پاسبانی کرے گا
پڑھے گا یہ اشعار بیٹھو گے جب تک — جو لیٹو گے افسانہ خوانی کرے گا
بٹھاؤ گے در پر تو ہو گا یہ درباں — لڑاؤ گے تو پہلوانی کرے گا

اطاعت میں، خدمت میں، فرمانبری میں
غرض ہر طرح جانفشانی کرے گا

(۴۵)

جو دل دے کے کچھ شادکامی کرے گا — تو اپنی یہاں نیک نامی کرے گا
جسے چاہ کی یاد ہے پختہ کاری — وہ کاہے کو الفت میں خامی کرے گا

کہا یوں نظیرؔ ایک دن دل سے میں نے ق وہ بت تجھ پہ کیا لطف سامی کرے گا
بڑی دوڑ یہ، تلخ دشنام دے کر ذرا ہنس کے شیریں کلامی کرے گا

جہاں دیکھتا ہوں وہ آگے تو پیچھے
میاں کیا تو اس کی غلامی کرے گا

(۴۶)

ڈر ہم کو نظر کا ہے، وہ گھر سے چلا ہوگا کچھ ہار پڑے ہوں گے کچھ عطر ملا ہوگا
بالی کو ہلا ہم سے کتنوں کو دیا چکر چھلّوں سے بھی کیا جانے کس کس کو چھلا ہوگا
محفل میں ہوئی ہو گی یاد اسکو بہت میری جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہوگا
اس لب سے ملی ہو گی دشنام بھی اک جس کو شکر کی طرف اُس کا پھر دل نہ چلا ہوگا

مت دیکھ نظیرؔ اس کی ہر دم خم ابرو کو
اک روز یہی شمشیر اور دل کا گلا ہوگا

(۴۷)

وہ غنچہ دہن جس کو اک دم بھی ملا ہوگا دل گل کی طرح اس کا پہلو میں کھلا ہوگا
ہاتھ اس کے حنا بستہ ایسے ہیں کہ دیکھ ان کو سینہ کئی عاشق کا ناخن سے چھلا ہوگا
کوچے میں نظیرؔ اس کے دل جا تو پڑا لیکن ق ہر دم کا ستم اس سے کاہے کو جھلا ہوگا
ابرو نے کیا ہوگا جس وقت اسے بسمل وہ ضعف زدہ ہرگز تڑپا نہ ہلا ہوگا

پلکیں تو جھکی ہوں گی آنکھوں پہ نقاہت سے
اور چشم کے جادو سے منھ بھی تو کِلا ہوگا

(۴۸)

بیٹھو یاں بھی کوئی پل کیا ہوگا ہم بھی عاشق ہیں خلل کیا ہوگا
دل ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر جان من دل کا بدل کیا ہوگا

لہ جھلا ہوگا۔ برداشت ہوا ہوگا
لہ منھ کلنا۔ بات نہ کر سکنا،،
آسی

حسن کے ناز اُٹھانے کے سوا ہم سے اور حسن عمل کیا ہوگا
کل کا اقرار جو میں کر کے اُٹھا بولا بیٹھ اور بھی چل کیا ہوگا
تو جو کل آنے کو کہتا ہے نظیر تجھ کو معلوم ہے کل کیا ہوگا

(۴۹)

سنا تھا شور قاتل کی اکڑ کا نظر آیا تو دل سینے میں دھڑکا
نگہ کا تیر وہ مارا کہ دل سے نہ صدمہ اُٹھ سکا جس کی رگڑ کا
فرو کچھ ہو چلا تھا شعلۂ دل دیا جھپکوں نے پھر مژگاں کی بھڑکا
ہوئی ہم کو میسر جب شب وصل ق رہا جی میں سحر ہونے کا دھڑکا
پلک جھپکی تھی کچھ اس میں نظیر آہ جو آنکھیں کھل گئیں دیکھا تو تڑکا

(۵۰)

کل اس کے چہرے کو ہم نے جو آفتاب لکھا تو اُس نے پڑھ کے وہ نامہ بہت عتاب لکھا
جبیں کو مہ جو لکھا تو کہا ہو چیں بہ جبیں یہ کیسی اس کی سمجھ تھی جو ماہتاب لکھا
چمکتے دانتوں کو گوہر لکھا تو ہنس کے کہا ستارے اُڑ گئے تھے جو دُرِ خوش آب لکھا
لکھا جو مشک خطا زلف کو تو بل کھا کر کہا خطا کی جو یہ حرف ناصواب لکھا
گلاب عرق کو لکھا تو بولا ناک چڑھا اسے نہ عطر میسر تھا جو گلاب لکھا
جگر کباب لکھا اپنا، تو کہا جل کر بھلا جی کیا میں شرابی تھا جو کباب لکھا
حساب شوق کا دفتر لکھا تو جھنجھلا کر کہا میں کیا متصدی تھا جو حساب لکھا
جو بے حساب لکھا اشتیاق دل تو کہا وہ کس حساب میں ہے یہ بھی بےحساب لکھا
ہوئی جو ردوبدل ایسی کتنی بار نظیر تو اس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا

(۵۱)

رُخ و جبیں، مژہ تیز و چشم و ابرو کو
سنان و بدر و مہ و نرگس و ہلال، لکھا

تن و دل و لب و دنداں کو روے فکرت سے
عقیق و سیم و دُر و سنگ کے مثال، لکھا

ذقن کو، چاہ، زنخداں کو، گوش و گردن کو
صراحی، سیب و گل و چشمۂ زلال، لکھا

کفِ حنائی و انگشت ساعد و قد کو
ساک و برگ گل و غنچہ و نہال، لکھا

(۵۲)

اپنے کوچے میں جس کو جا دینا
ق اس کو لازم نہیں اُٹھا دینا

لے چلا تھا نظیرؔ وہ جس دن
تھا ہمیں دل کو یہ جتا دینا

جب یہ کھینچیں نگہ کی تجھ پر تیغ
تو سر اپنا وہیں جھکا دینا

اور یہ اُس شوخ سے بھی کہنا تھا
اس کی تم یاد مت بھُلا دینا

ہو جو کچھ کام کا تو رکھ لیجو
ورنہ اس کو ہوا بتا دینا

(۵۳)

ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا
تو چاہ میں کیا مزا رہے گا

مت ربط کر اس سے ورنہ اے دل
اپنے تو کیے کو پا رہے گا

دیکھیں گے ہم اک نگاہ اس کو
کچھ ہوش اگر بجا رہے گا

خوباں پہ میاں نظیرؔ اپنا
ق ایسا ہی جو دل فدا رہے گا

پہلو سے نکل کے آخر اک دن
کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

(۵۴)

نہ آیا آج بھی گل کی طرح وہ گلعذار اپنا — گلے کا ہار پھر ہوگا دل امیدوار اپنا
نہیں پھر چھوڑتا یارو وہ آخر لے ہی جاتا ہے — جہاں صیاد نے تاڑا کہ ہے اس جا شکار اپنا
جھڑک لو، مار بیٹھو، گالیاں دو، نازنیں لوگو! — نیاز ناز خوباں ہم تو کھو بیٹھے وقار اپنا
ہنسی میں لے لیا بوسہ جو اُس محبوب کا ہم نے — تو یوں بولا، کیا تم نے بھی کیا اب یہ شعار اپنا

تمھیں تو بوجھ کا سمجھے[1] تھے ہم لیکن اب آگے کو
نظیرؔ اس ہلکے پن سے تم نے کھویا اعتبار اپنا

(۵۵)

منتظر اس کے دلا تا بہ کجا بیٹھنا — شام ہوئی اب چلو صبح پھر آ بیٹھنا
ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل — پاس بتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا
لطف سے اے دل تجھے لکھے جو ابرو بٹھائے — بیٹھیو لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا
دل کی ہماری غرض باندھے ہے کیا بند بند — شوخ کا وہ کھول کر بند قبا بیٹھنا

کوچے میں اس شوخ کے جاتے تو ہو اے نظیرؔ
جُل میں کہیں اپنی چاہ تم نہ جتا بیٹھنا

(۵۶)[2]

سامنے اس صف مژگاں کے میں کل جاؤں گا — چھد تو جاؤں گا پر آگے سے نہ ٹل جاؤں گا
تیغ اس ابرو کی جب معرکہ آرا ہوگی — اپنی جانبازی کے گوہر میں اُگل جاؤں گا
ہے کف پا وہ مصفّا کہ جسے دھیان میں لا — پائے نظّارہ یہ کہتا ہے پھسل جاؤں گا
مجھ کو دیتے ہو عبث خانۂ زنجیر میں جا — جوں صدا میں ابھی اس گھر سے نکل جاؤں گا
آپ سے جا ہوں تو اُٹھ جاؤنگا اس بزم سے میں — اور اک "ہوں" بھی کروگے تو مچل جاؤں گا
گرچہ ہوں بے حرکت ضعف سے جوں آتش سنگ — پر جو چھیڑا تو شرر سال میں اُچھل جاؤں گا
موم ہوں میں تو بتاں مجھ کو نہ سمجھو آہن — ٹک بھی تم گرم ہوئے تو میں پگھل جاؤں گا

[1] بوجھ کا سمجھے تھے۔ یعنی تم کو ہوشیار جانتے تھے ۱۲

[2] اس زمین میں بھی اکثر اساتذہ کی غزلیں موجود ہیں مثلاً۔ داغ، ذوق، بیان یزدانی وغیرہم آسی

غصّہ ہو کر تم اگر لاکھ طرح بدلو رنگ ۔۔۔ میں وہ یک رنگ نہیں ہوں جو بدل جاؤں گا

بیکلی آج ہی واں لے گئی مجھ کو تو نظیرؔ
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

(۵۷)

ترے بیمار کو تجھ بن شفا ممکن نہ تھی ہونی ۔۔۔ فلاطوں کیا اگر خود عیسیٰ گردوں نشیں آتا

عجب احوال ہے کچھ اضطراب دل سے کیا کہیئے ۔۔۔ غرض اک دم قرار اُس بن نہیں آتا نہیں آتا

مری بیتابیوں کی اب تک اسکو بدگمانی ہے ۔۔۔ اگر وہ بھی کہیں پھنستا تو اس کو بھی یقیں آتا

مجھے یاں تک خوشی تھی اسکے آنے کی کہ میں خوش تھا ۔۔۔ اگر وہ قتل کو میرے چڑھائے آستیں آتا

بڑے حظ لوٹتے گر اس شب مہتاب میں یارو ۔۔۔ ادھر ساقی اُدھر مطرب ادھر وہ مہ جبیں آتا

(۵۸)

گلزار ہے داغوں سے یہاں تن بدن اپنا ۔۔۔ کچھ خوف خزاں کا نہیں رکھتا چمن اپنا

اشکوں کے تسلسل نے چھپایا تن عریاں ۔۔۔ یہ آب رواں[1] کا ہے نیا پیرہن اپنا

کس طرح بنے لیسے سے انصاف تو ہے شرط ۔۔۔ یہ وضع مری دیکھو وہ دیکھو چلن اپنا

انکار نہیں آپ کے گھر چلنے سے مجھ کو ۔۔۔ میں چلنے کو ہوں جو دو جو چھوڑ و چلن اپنا

مسکن کا پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو
جس جا پہ کہ بس گر رہے وہ ہے وطن اپنا

(۵۹)

گلہ لکھوں میں اگر تیرے غم کے چہلوں[2] کا ۔۔۔ تو ہو تباہ نہ پچھلوں کا اور نہ پہلوں کا

سنے سے نام محبت کا تھر تھراتے ہیں ۔۔۔ یہ کچھ تو حال ہے تیرے ستم کے دہلوں[3] کا

کہا جو یار سے اک دن کہ دل یہ چاہے ہے ۔۔۔ طریق جیسے ہے عشرت کے البلے گہلوں[4] کا

مکاں ہو ایک سنہرا، دھرے ہوں شیشہ و جام ۔۔۔ بچھا ہو فرش بھی واں بادلہ[5] روپہلوں کا

له آب رواں ایک کپڑے کا نام
۲ه چلا کیچڑ دلدل کی زمین ۱۲
۳ه دہل خوف
۴ه البلے گہلے۔ خوشحال لوگ ۔ بےفکرے خوش فعلیاں کرنے والے ۱۲
۵ه بادلہ ایک کپڑا روپہلا نقرئی رنگ ۔ چاندی سا چمکدار ۱۲ آسی

یہ سُن کے اس نے کہا یہ تو وہ مثل ہے نظیرؔ
کہ سوئیں جھوپڑے میں خواب دیکھیں محلوں کا

(٦٠)

اُس کے شرارِ حُسن نے شعلہ جو اک دکھا دیا
طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلا دیا

پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اُسی کے روبرو
اُس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

میرا اور اُس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اُس نے مجھے رُلا دیا میں نے اُسے ہنسا دیا

میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اسکے ہاتھ میں
چاہا ادھر گھٹا دیا چاہا اُدھر بڑھا دیا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ جو تراشے بے ستوں[١]
تھا وہ تمام دل کا زور جس نے پہاڑ ڈھا دیا

شکوہ ہمارا ہے بجا مفت بُردوں سے کس لیے
ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سُن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیرؔ
چل بے زیادہ اب نہ بک تو نے تو سر پھرا دیا

(٦١)

نہ آیا رات بھی کتنا ہی انتظار کیا
قرار کر کے مجھے کافر نے بیقرار کیا

چمن میں اُس گلِ رنگیں کی جامہ زیبی نے
ہر ایک گل کے گریباں کو تار تار کیا

کیا ہے کیا مہ کنعاں پہ حُسن نے احساں
کہ اُس کے دور میں تجھ کو نہ آشکار کیا

وہ کیا ہنر تھا کہ مجنوں سے رام کی لیلیٰ
ہنر تو اُس نے کیا جس نے تجھکو یار کیا

نظیرؔ آج تصدق کو کچھ نہ تھا ہم پاس
وہی جو باقی تھا اک جی وہی نثار کیا

(٦٢)

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالیٰ

کر قتل اب مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالیٰ

[١] بے ستون وہ پہاڑ جس سے فرہاد نے جوئے شیر نکالی تھی ١٢ -
[٢] اس میں بھی میر کی غزل موجود ہے اور دیگر اساتذہ کی بھی غزلوں میں ١٢ -

دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ
"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مر مر" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یارو
اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا؟

بن تختۂ گل آخر ش اس خاکِ چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

قاصد تو مرا نام تو لیجو نہ، ولیکن
کہنا! "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"

کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں
نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں
"صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا، تو مرے پاؤں کا چھالا

اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اُسی روز کو روتے تھے، نظیر آہ!
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(۶۳)

پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
اے داغ، مبارک ہو تجھے منصب والا

شیریں کے در اد پہ یہ جوئے شیر نہ جانو
فرہاد کے لہو کا چھلکتا ہے پیالا

کیا جانیے کس حال میں ہو ویگا، عزیزو،
دل آج مرا اسلمہ اللہ تعالےٰ!

بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے "چل دور"
اور دل کو کہالے تو وہیں ہنس کے کہا "لا"

رگ رگ میں ترے ہجر میں اے رشکِ مسیحا
مرتا ہوں، مرے اب کوئی جینے کی دوا لا

مجھ زلف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ
کافی ہے مرے قید کو اک مکڑی کا جالا

شاید کہ مُوا رات کو سینے میں مرا دل
نے آہ، نہ زاری، نہ دم سرد، نہ نالا

یہ سیل کے اشکوں کی بیاباں میں نہیں نہر
پھوٹا کوئی مجنوں کے مگر پاؤں کا چھالا

گر بس ہو مرا تو میں کسی چور سے کہدوں · جا آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھا لا

وہ آپ سے روٹھا نہیں منّنے کا نظیر آہ!
کیا دیکھے ہے، چل، پاؤں پڑ اور اُسکو منا لا

(۶۴)

آتے اِدھر جو ہم نے وہ کجکلاہ دیکھا ‏ ‏ پھر نثار دل کو بے دستگاہ دیکھا
بھولے گھمنڈ اپنے رخ کی چمک جھمک کا ‏ ‏ جب مہ رخوں نے یاروں وہ رشک ماہ دیکھا
دل جا رہا تھا اس کی زلف سیہ میں لیکن ‏ ق ‏ پہلو میں پھر جو ہم نے آج اس کو آہ دیکھا
پوچھا نظیر اس سے کیا یاں تو آہی آیا ‏ ‏ یا کچھ خطا کی چلتے واں تجھ کو راہ دیکھا

بولا میں بے گنہ ہوں۔ ہم نے کہا غلط ہے
چھوڑا ابے تجھے جو اس نے کچھ تو گناہ دیکھا

۱؎ جھکڑا۔ جلوا۔ جمالی، ۱۲ آسی

(۶۵)

اُس شوخ کا جو ہم نے رُخ بھر نگاہ دیکھا ‏ ‏ ہم نے کہا کہ دیکھا بولا کہ واہ دیکھا
کوچے میں اُس صنم کے بیخود جو دل پڑا ہے ‏ ‏ کیا جانے کیا جھکڑا جادو پناہ دیکھا
آزردہ دیکھ ہم کو اک شخص نے یہ پوچھا ‏ ق ‏ تم نے نظیر اس کو دو دن ہی چاہ دیکھا
سُن کر کہا یہ اُس سے اے یار اس صنم کو ‏ ‏ ہر لحظہ ہم نے دیکھا یا گاہ گاہ دیکھا

چاہیں تو اب بھی جا کر دیکھیں ہم اس کو لیکن
ہے پیچ تو یوں کہ دیکھا جب تک نباہ دیکھا

(۶۶)

اس کا مکھڑا جو بے نقاب ہوا ‏ ‏ حیرت چشم آفتاب ہوا
اس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت ‏ ق ‏ منفعل ساغر شراب ہوا
دل اُدھر سے خجل پھرا جو نظیر ‏ ‏ جی میں اندوہ بے حساب ہوا

سر جھکا بیٹھنا وہ اس کا دیکھ — ہم کو معلوم یوں شتاب ہوا

یہ تو یوں بیٹھتا نہ تھا شاید
بہر تنبیہ کچھ عتاب ہوا

(۶۷)

چاہ میں دل بہت خراب ہوا — جب وہ گل ہم سے بے حجاب ہوا
سختیاں ہجر کی سہیں جس نے — وصل سے جب وہ کامیاب ہوا
خانۂ زیں میں دیکھ کر اس کو — خیل عشّاق ہمرکاب ہوا
رات آیا نہ وہ تو کیا کیا کچھ — ق — اہل محفل کو اضطراب ہوا

مے ہوئی خون دل صراحی میں
جام مے دیدۂ پر آب ہوا

(۶۸)

وہ رشک چمن گل جو زیب چمن تھا — چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل — مجھے ہر گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بیدرد گلچیں نے توڑا — خدا جانے کس کا یہ نقش دہن تھا
نظیر آگئے ہم کو ہوس تھی کفن کی — ق — جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا
تن مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا — گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا ہے جن کا — مشیّن کفن تھا معطّر بدن تھا۔

جو قبر کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

(۶۹)

ہوکے مہ وہ تو کسی اور کا بالا نکلا — ہم نے سمجھا تھا جسے گل سو وہ لالا نکلا

لینے خیرات ترے چہرۂ پُر نور سے رات
بدر چاندی کا لیے ہاتھ میں پیالا نکلا

اس کے چہرے پہ نہیں کاکل شکیں کی نمود
یہ پٹارے کے تئیں توڑ کے کالا نکلا

تھا ارادہ تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اَے شوخ ترا چاہنے والا نکلا

ق

رات کوٹھے پہ چڑھا وہ، تو کہوں کیا یارو
منظر بام سے اس کے، وہ اُجالا نکلا

برق جوں چمکے ہے یا چھوٹے ہے جیسے مہتاب
وہ اُجالا تو کچھ اس سے بھی نرالا نکلا

جی کی سب دھوم تھی جب تن سے وہ نکلا تو نظیر
پھر نہ سینے سے اُٹھی آہ نہ نالا نکلا ؎

(٧٠)

دے کے دل مہر سے پھر رسم جفا کاری کیا
تم دل آرام ہو کرتے ہو دل آزاری کیا

تم سے جو ہو سو کرو، ہم نہیں ہونے کے خفا
کچھ ہمیں اور سے کرتی ہے نئی یاری کیا

جوں حباب آئے ہیں ملنے کو نہ ہو چیں بہ جبیں
ہم سے اک دم کے لیے کرتے ہو بیزاری کیا

تیغ ابرو کی تو اُلفت نے کیا دل کو دو نیم
دیکھیں اب کرتی ہے کاکل کی گرفتاری کیا

پھر سنان مژہ دل پر وہ اُٹھاتا ہے نظیر
زخم شمشیر نگہ آہ نہیں کاری کیا

(٧١)

اس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا
ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

آن کیا کیا دلبری نے دی دکھا
شوخ نے جب پان کھا کر ہنس دیا

ایک بوسے کی طلب کی ہم نے جب
پاس لا منہ پھر ہٹا کر ہنس دیا

ہم نے پوچھا کل نہ آئے کس لیے
پاؤں کی مہندی دکھا کر ہنس دیا

ایک دن اُس نے بوقت اختلاط
خوب ہم کو گدگدا کر ہنس دیا

ہم نے جب کی گدگدی اس کے نظیر
پھر تو کیا کیا کھل کھلا کر ہنس دیا

(۷۲)

خرام ناز سے اس شوخ نے دامن کو جب جھٹکا
ہماری خاک نے کیا کیا ہوا کے ساتھ سر پٹکا

نہیں گھٹا[۱] عبادت کا ترے ماتھے پہ اے زاہد
نشاں ہے یہ کسی محبوب بے پروا کی چوکھٹ کا

عبث محنت ہے کچھ حاصل نہیں پتھر تراشی سے
یہی مضمون تھا فرہاد کے تیشے کی کھٹ کھٹ کا

نظیر آرام سے گر تجھ کو اس دنیا میں رہنا ہے
سوا اللہ کے ہرگز کسی سے دل کو مت اٹکا

(۷۳)

آج دیکھ اس نے میری چاہ کی چتون یارو
منہ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظر دیکھیں گے اس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا

تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایک دن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس دہر میں آنا ہوگا

(۷۴)

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا

کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال
لے ہم نے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا

آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک
آپی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

(۷۵)

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

اس تن کو نہیں طاقت شبنم کے تلبس[۲] کی
اے دست ہوس اس پر تو قصد نہ کر مس کا

سو بار حریر اس کا مسکا نگہ گل سے
شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا

۱؎ گھٹا۔ سیاہ نشان جو جسم پر پڑ جاتا ہے ۱۲

۲؎ تلبس۔ پہننا، لباس کرنا ۱۲ آسی

(۷۷)

جال میں زر کے اگر موتی کا دانا ہوگا
وہ نہ اس دام میں آوے گا جو دانا ہوگا

دام زلف اور جہاں خال کا دانا ہوگا
پھنس ہی جاوے گا غرض کیسا ہی دانا ہوگا

دل کو ہم لائے تھے مژگاں کی صفیں دکھلانے
یہ نہ سمجھے تھے کہ تیروں کا نشانہ ہوگا

آج دیکھ اُس نے مری چاہ کی چتون یارو
منھ سے گو کچھ نہ کہا دل میں تو جانا ہوگا

پھر نظر دیکھینگے اُس عہد شکن کی صورت
دیکھیے کون سا یارب وہ زمانا ہوگا

خوں بہانے کا مرے حشر میں جب ہوگا بہا
دیکھیں کیا اُس گھڑی قاتل کو بہانا ہوگا

وہ بھی کچھ ایسی ہی کہدیگا کہ جس سے اسکو
بات کی بات بہانے کا بہانا ہوگا

تلخی مرگ جسے کہتے ہیں افسوس افسوس
ایکدن سب کے تئیں زہر یہ کھانا ہوگا

دیکھ لے اس چمن دہر کو دل بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

(۷۸)

مانی[1] نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

اس ابروِ خم دار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دمِ شمشیر کا نقشا

مژگاں کو تری دیکھ، یہ کہتے ہیں سپاہی
"تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا"

یہ زلفِ سیہ عارضِ قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ!
ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

کیا گردشِ ایام ہے، اے آہِ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

دن رات ترے کوچے میں رو دیے ہی ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

میں توصفِ محشر میں بھی لُوں گا تجھے پہچان
رانجھا[2] کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

[1] ایک نقاش کا نام۔ جو بابل کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی نام قورنیقوس بن فاتن تھا۔ یہ حکیم قادرون کا شاگرد تھا۔ اس نے دین زردشت اور دین مسیحی کو امتزاج دے کر ایک نئے مذہب کی ایجاد کی اور خود پیغمبری کا دعوی کیا تو اُس کے بہت سے پیرو ہو گئے۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ شاپورگان۔ کنز الاحیا۔ سفر الجبابرہ وغیرہم اس کی مشہور تصانیف اس نے بہت سیاحی کی اور فن نقاشی میں روم اور چین کے نقاشوں سے بھی بڑھ گیا اس کا خیال تھا کہ عورتوں سے مقاربت کرنے سے پاک روحیں آسمان سے آتی اور کثیف جسموں میں رہتی ہیں اسلیے جماع نہ کرنا چاہیے شاپور بادشاہ سے اسی بات پر اس کا مکالمہ ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تیرے کہنے پر عمل کیا جائے تو دنیا ویران ہو جائے مانی نے کہا کہ جانوں کی آبادی ہو گی اس لیے اجسام کی ویرانی کی پروا نہ کرنا چاہیے بادشاہ نے کہا کہ اگر تجھے مار ڈالا جائے تو آبادی ہو گی یا ویرانی اُس نے کہا جسم کی ویرانی اور جان کی آبادی۔ بادشاہ نے کہا ہم تیرے ہی قول پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا اور شہر شاپور کے دروازے پر لٹکا دیا۔ اُس کی پیرو جماعت کا نام مانویہ ہے ۱۲ استفادہ از فرہنگ آنندراج۔

[2] ہیر اور رانجھا دو عاشق و معشوق کا نام۔ رانجھا ہیر پر عاشق تھا ۱۲ مولانا عبد الباری آسی

فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشا
یہ تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار
لیلےٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۷۹)

"قاصد، صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
حرفِ عتاب، یا سخنِ دل کشا کہا؟
تجھ کو قسم ہے، کیجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے مجھے برملا کہا"
قاصد نے جب تو سُنکے کہا کیا "کہوں میں یار"
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بارہا کہا
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بے جا کہا یہ اس نے مجھے، یا بجا کہا

کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں،
لیکن نظیر تو نے نہ مانا مرا کہا،

(۸۰)

ہاتھ اُس کا جب نقاب کے گوشے تلک[۱] گیا
گوشہ اُٹھا تو نور کا بقہ[۲] جھلک گیا
ساقی نے بھر کے جام دیا ہم کو اس طرح
جو لب تک آتے آتے کئی جا چھلک گیا
آیا نظر وہ حسن جو اس کا تو دم بدم
گھر تک میں اس جھلک سے جھبکتا پلک گیا
نالہ شب فراق میں نکلا تو اس کا شور
ایسا ہوا کہ تا سرِ بامِ فلک گیا

اشک اس قدر ڈھلا کہ ہر اک قطرہ اے نظیر
اک پل مژہ کے پاس نہ ٹھیرا ڈھلک گیا

[۱] تک کی بجائے تلک اب اکثر فصحا کے نزدیک غیر فصیح اور متروک ہے
[۲] نور کا بقہ یہ لفظ دو طرح پر رائج ہے۔ بُقّہ اور بُکّا۔ بقّہ بقعہ کا بگڑا ہوا ہے جس کے معنی زمین کے اُس ٹکڑے کے ہیں جو اوروں سے ممتاز ہو منیر شکوہ آبادی ؎ جو نور کا مقام ہے بقعہ ہے نور کا۔ بقے کی بجائے بکّا رائج ہو گیا جس کے سعی معنی مشت خاک مشت نور وغیرہ
؎ اس گل کے سامنے نہیں جچنے ہوں کے رنگ ایکے اُڑا دیا ہے چمن میں گلاب کے
برق لکھنوی ۱۲ آسی

(۸۱)

ہوش و خرد کو کر دیا ترک اور شغل جو کچھ تھا چھوڑ دیا
ہم نے تمہاری چاہ میں اے جاں دیکھو تو کیا کیا چھوڑ دیا

کوچے میں اس رشک چمن کے جا کے جو بیٹھا پھر اس نے
باغ و چمن یاں جتنے ہیں سب کا سیر و تماشا چھوڑ دیا

لوٹا ہوش اور لوٹا دیں کو دل کو بھی کچلا کیا کیا واہ
ناز کو اس نے آج تو کچھ بیداد پر ایسا چھوڑ دیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کاہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے ادھر کا چھوڑ دیا

طائر دل جب ہم سے گیا پھر فائدہ کیا جو پوچھیں نظیر
شوخ نے اس کو ذبح کیا یا قید رکھا یا چھوڑ دیا

(۸۲)

نیچی نگہ کی ہم نے تو اُس نے منہ کا چھپانا چھوڑ دیا
کچھ جو ہوئی پھر اونچی تو رُخ سے پردہ اُٹھانا چھوڑ دیا

زلف سے جکڑا پہلے تو دل پھر اس کا تماشا دیکھنے کو
نظروں کا اس پر سحر کیا اور کر کے دوانا چھوڑ دیا

اس نے اُٹھایا ہم پہ طمانچہ، ہم نے ہٹایا منہ کو جو آہ
شوخ نے ہم کو اس دن سے پھر ناز دکھانا چھوڑ دیا

ق

بیٹھ کے نزدیک اس کے جو اک دن پاؤں کو ہم نے چوم لیا
اُس نے ہمیں بے باک سمجھ کر لطف جتانا چھوڑ دیا

پھر جو گئے ہم ملنے کو اس کے، دیکھ کے اُس نے ہم کو نظیر

یوں تو کہا "ہاں آؤ جی" لیکن پاس بٹھانا چھوڑ دیا

(۸۳)

ڈر اس کے دل کو ہجر میں کب یاس[1] کا لگا
ہے دھیان جس کو وصل کی یاں آس کا لگا
صبح گلو کے نور سے کیا کیا جھلک گیا
تکمہ جو اس کی جیب میں الماس کا لگا
اے زلف یار کیا ہیں سنبل کی بو سے کام
ہے یاں تو دل کو عشق تیری باس کا لگا
دیکھا تو ہم نے چھپ کے اسے تو بھی جی کو خوف
ہے اس کے تاڑ جانے کے وسواس کا لگا

زخم اس نگہ کی تیغ کا دل پر میاں نظیر
صد حیف ایک تو لگا اور پاس[2] کا لگا

(۸۴)

دل میں جب چاہ نے قیام کیا
عقل کی پختگی کو خام کیا
چپکے چپکے ہی لے لیا دل کو
نگہ شرمگیں نے کام کیا
منع تھا اشک کا بہا دینا
پر جفا نے جو ازدحام[3] کیا
اٹھ چلے دل سے آنسو جب تو نظیر
چاہ نے رُکنے کا پیام کیا

ق

جب یہ دیکھا تو ہو کے پھر لاچار
خانۂ چشم میں قیام کیا

(۸۵)

دن کتنے ہم میں اور اس میں ہر وقت یہی ایراد[4] رہا
ہم کرتے ادھر سے چاہ رہے وہ کرتا اُدھر بیداد رہا
صحرائے جنوں کے پھرنے سے جو خار چبھے تھے پاؤں میں
ہر چند نکالے مدت تک پر تو بھی وہ ایک آدھ رہا
وہ چشم گلابی دیکھی جب یوں بادہ کشی کو بھولے ہم
تھے کہتے مے کا جام جسے پھر نام نہ اُس کا یاد رہا
گو ناز اٹھائے ظلم سہے یا کھینچے رنج بہت لیکن
شمشاد قدوں کی چاہت میں ہاں دل تو ہمارا شاد رہا
کہنے کو نظیر البتہ الگ یہاں چاہ سے تھا پر دل اسکا
تھا زلف بتاں کے پھندے میں گو ظاہر میں آزاد رہا

[1] باس - بو - اکثر بدبو کے معنی ہیں - اور کمتر خوشبو کے معنی میں آتا ہے ۱۲
[2] یعنی یہی بہت تھا کہ زخم لگا - مگر یہ زخم قریب سے لگا جو اور بھی مہلک ہے ۱۲ آسی
[3] بعض لوگ اژدحام میں (ز) کی بجائے (ژ) بولتے اور لکھتے ہیں وہ قطعی غلط ہے ۱۲ آسی
[4] ایراد - اعتراض کرنا ۱۲ آسی

(۸۶)

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہے نہ اخفا ہوگا | اس کو دل کہتے ہیں بس لیتے ہی چرچا ہوگا
تم کو ہر آن ادھر ہووے گی حسن آرائی | ہم کو ہر لحظہ ادھر ذوق تماشا ہوگا
ہم بھی سو چاہ سے دیکھیں گے تمھاری جانب | تم سے بھی ضبط تبسم نہ پھر اصلا ہوگا
جونہی ہم دیکھیں گے تم اور متبسم ہو گے | چاہ کا غنچۂ سربستہ دہیں وا ہوگا
گفتگو ہووے گی باہم جو اشارات[1] کے ساتھ | متن اس کا بھی حریفوں میں محشّی[2] ہوگا
پاؤں تک ہاتھ جو لادیں گے کسی عذر سے ہم | تاڑنے والوں میں شور اس کا بھی برپا ہوگا

جب یہ تقریر سنی اس شہ خوباں نے نظیرؔ
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا کیا ہوگا

(۸۷)

کل جو رخ عرق فشاں یار نے ٹک کھادیا | پانی چھڑک کے خواب سے فتنے کو پھر جگادیا
اس کے شرار حسن نے جلوہ جو اک دکھادیا | طور کو سر سے پاؤں تک پھونک دیا جلادیا
پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اسی کے روبرو | اس نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنادیا
میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق | اس نے مجھے رلادیا میں نے اسے ہنسادیا
میں ہوں پتنگ کاغذی ڈور ہے اس کے ہاتھ میں | چاہا ادھر گھٹا لیا چاہا ادھر بڑھا دیا
تیشے کی کیا مجال تھی یہ کہ تراشے بے ستوں[3] | تھا وہ تمام دل کا زور جس سے پہاڑ ڈھادیا
گزرے جو سوئے خانقاہ واں بھی بشکل جانماز | اہل صلاح[4] و زہد کو فرش کیا بچھا دیا
نکلے جو راہ دیر سے اک ہی نگاہ مست میں | گبر کا صبر کھو دیا بت کو بھی بت بنا دیا
شکوہ ہمارا ہے بجا مفت[5] بروں سے کس لیے | ہم نے تو اپنا دل دیا ہم کو کسی نے کیا دیا

سن کے ہمارے حال کا یار نے اک سخن نظیرؔ
ہنس کے کہا کہ بس جی بس تم نے تو سر پھرا دیا

---

[1] اشارات - اشارے - مجازاً رمز و کنایہ - علم حکمت کی ایک کتاب جو بوعلی سینا کی تصنیف ہے - متن اصل کتاب جس پر حاشیہ لکھا گیا ہو ۱۲
[2] رشتہ در گردنم افگندہ دوست - میبرد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست - ۱۲
[3] بے ستون - ایک پہاڑ جس میں جوئے شیر بنانے کی شیریں نے فرہاد سے فرمائش کی تھی - اور یہی شرط عقد و مواصلت رکھی تھی ۱۲ -
[4] اہل صلاح و زہد - عابد، زاہد لوگ - فرش کر دینا پچھاڑنا گرانا ہے
[5] مفت بر - بغیر کسی قیمت اور محنت کے کوئی چیز لے جانے والا - آسی

(۸۸)

بھوں کو مے ہمیں خوناب دل پلانا تھا
فلک مجھی پہ تجھے کیا یہ زہر[1] کھانا تھا

لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے
اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا

نگہ سے اس کی بچاتا میں کس طرح دل کو
ازل سے یہ تو اسی تیر کا نشانا تھا

نہ کرتا خوں میں ہمیں کس طرح وہ رنگیں آہ
اسے تو ساتھ ہمارے یہ رنگ لانا تھا

ق

شب فراق کی ادنیٰ سی اک یہ حالت ہے
کہ تھا جو گھر سو ہمارا وہ قید خانا تھا

جو کروٹیں تھیں سو وہ بیکلی کی شدت تھی
جو خواب تھا سو وہ دل غش میں ڈوبجانا تھا

غرض نہ سر کی خبر تھی نہ پا کا ہوش نظیر
سرھانا پائینتی اور پائینتی سرھانا تھا

(۸۹)

شور آہوں کا اُٹھا نالہ فلک سا نکلا
آج اس دھوم سے ظالم ترا شیدا نکلا

یوں تو ہم تھے یوں ہی کچھ مثل انار و مہتاب
جب ہمیں آگ دکھائی تو تماشا نکلا

ق

غم سے ہم بھانمتی[2] بن کے جہاں بیٹھے تھے
اتفاقاً کہیں وہ شوخ بھی واں آ نکلا

سینے کی آگ دکھانے کو دہن سے اپنے
شعلے پر شعلہ بھبھو کے پہ بھبھو کا نکلا

مت شفق کہہ یہ ترا خون فلک پر ہے نظیر
دیکھ ٹپکا تھا کہاں اور کہاں جا نکلا

(۹۰)

شہر دل آباد تھا جب تک وہ شہر آرا[3] رہا
جب وہ شہر آرا گیا پھر شہر دل میں کیا رہا

کیا رہا پھر شہر دل میں جز ہجوم درد و غم
لٹتی جہاں فوج طرب، واں لشکر غم آ رہا

آ رہا آنکھوں میں دم، تو بھی نہ آیا وہ صنم
حیف کس سے پوچھیے جا کر کہ وہ کس جا رہا

[1] زہر کھانا: حسد کرنا، جلنا ۱۲ — [2] بھانمتی: بازیگر شعبدہ بازی دکھانے والا ۱۲ — [3] شہر آرا: شہر کو آراستہ کرنے والا ۱۲ آسی

(۹۱)

عیسیٰ کی قُم سے حکم نہیں کم فقیر کا — ارنی پکارتا ہے صدا دم فقیر کا
خوبی بھری ہے جسمیں دو عالم کی کوٹ سب — اللہ نے کیا ہے وہ عالم فقیر کا
سب جھوٹ ہے کہ تم کو ہمارا ہو غم میاں — بابا کسے خدا کے سوا غم فقیر کا
ہم کیوں نہ اپنے آپ کو رولیویں جیتے جی — اے دوست کون پھر کرے ماتم فقیر کا
مر جاویں ہم تو پر نہ خبر ہو یہ تم کو آہ — کیا جانے کب جہاں سے گیا دم فقیر کا
اب ہم پہ کیا گزرتی ہے اور کیا گزر گئی — کس سے کہیں وہ یار ہے محرم فقیر کا
جب جیتے جی کسی نے نہ پوچھا کہ مہرباں — پھر بعد مرگ کس کو رہا غم فقیر کا
ہو کیوں نہ اُس کو فقر کی باتوں میں دستگاہ — ہے بالکا نظیر سو پُرا آتم فقیر کا

(۹۲)

کدھر ہے آج الٰہی وہ شوخ چھل بلیا — کہ جس کے غم سے مرا دل ہوا ہے باولیا
تمام گوروں کے حیرت سے رنگ اُڑ جاتے — جو گھر سے آج نکلتا وہ میرا سانولیا
تجھے خبر نہیں بلبل کے باغ سے گل چیں — بڑی سی پھولوں کی اک بھر کے لے گیا ڈلیا
نظیر یار کی ہم نے جو کل ضیافت کی — پکایا قرض منگا کر پلاؤ اور قلیا
سو یار آپ نہ آیا رقیب کو بھیجا — ہزار حیف ہم ایسے نصیب کے بلیا

ادھر تو قرض ہوا اور اُدھر نہ آیا یار
پکائی کھیر تھی قسمت سے ہو گیا دلیا

(۹۳)

ترے جمال کی سورج، جھلک نہ دیکھ سکا — کھلی نقاب رہی جب تلک، نہ دیکھ سکا
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو — بشر تو کیا ہے، مری جاں، ملک نہ دیکھ سکا
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے — ہمیں تو، آہ! فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

لہ ارنی بفتح اول وکسر دوم صحیح ہے مگر فارسی کے شعر نے بہ سکون دوم بھی استعمال کیا ہے ع موسیٰ ازیں جام تہی بود دست شیشۂ یک پایہ ارنی شکست — نظامی گنجوی ۱۲
لہ بالکا - مرید - پرا آتم - قدیم ۱۲
لہ چھل بلیا - چھلبلا، دھوکہ باز - باولیا - باولا - پاگل ۱۲
لہ سانولیا - سانولے رنگ والا ۱۲
لہ بلیا - زوردار ۱۲ لہ کھیر پکائی تھی قسمت سے دلیا ہو گیا یعنی قسمت نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا ۱۲
عبد الباری آسی

یہ ناتواں ہوں، کہ آیا جو یار ملنے کو — تو صورت اُس کی، اُٹھا کر پلک، نہ دیکھ سکا
گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا — کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا
لگا گھٹانے جو آبِ مے کو دمبدم ساقی — ہمارے جام کی، شاید، چھلک نہ دیکھ سکا

نظیر تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے،
پہ کیا کرے، کہ یہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۹۴)

عشق کا جو گلِ زخمِ دمِ شمشیر کھِلا — رہ گیا جسم پہ مثلِ گلِ تصویر کھِلا
طفلِ اشک، اے مژہ، چاہے کہ سہے ٹک تو اُسے — پیارے، مہر سے، اُلفت سے، بہ تدبیر کھِلا
محوِ تدبیر ہیں ہم، لیک خدا ہی جانے — کون سا گل ہے پسِ پردۂ تقدیر کھِلا

(۹۵)

اُدھر اُس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا — اِدھر مرنا، تڑپنا، غش میں آنا، دم اُلٹ جانا
یہ کچھ بہروپ بن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی — بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یکرنگی، تس اوپر یہ قیامت ہے — نہ کم ہونا نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ[۱] میں بٹ جانا

(۹۶)

رُخ تو وہ ماہتاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
کی نگہ چشم پر تو اُس کو بھی — ساغرِ پُر شراب سا دیکھا
پیرہن برگِ گل پہ جوں شبنم — عرقِ تن گلاب سا دیکھا
تھے ابھی ہم جواں نظیر اور اب — ق — رنگ مو سیمِ ناب سا دیکھا

شام کی صبح ہو گئی دم میں
یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

[۱] دل یا ظرف کو کہتے ہیں ۱۲-

(۹۷)

چاہ میں اس کی دل نے ہمارے نام کو چھوڑا نام کیا
شغل میں اس کے شوق بڑھاکر کام کو چھوڑا کام کیا

زلفِ دوپٹہ دھانی میں کر کے پنہاں مرادل باندھ لیا
صید نہ کھادے کیونکر[۱] جب سبزے میں پنہاں دام کیا

رم[۲] پر اپنے آہوئے دل کو غرّہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اس کو ایک نگہ میں رام کیا

سمجھے تھے یوں ہم دل کو لگاکر پادیں گے یاں آرام بہت
حیف اسی فہمید[۳] نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا

ہم نے کہا جب نازبتاں کے تم تو بہت کام آئے نظیر
سن کے کہا کیا آئے جی ہاں کچھ بت کے موافق کام کیا

(۹۸)

چشم ساقی سے جس نے جام لیا | اس نے پھر نشۂ مدام لیا
دل تغافل سے گر چلا جس دم | دستِ لطفِ صنم نے تھام لیا
صبح بہرِ سلام ہم نے نظیر | ق | پہلے اک بہ ادب مقام لیا
سر جھکا رکھ کے ہاتھ ماتھے پر | دو گھڑی جھک کے خم سے کام لیا

جب ذرا چشم کی اشارت سے
اس گل اندام نے سلام لیا

(۹۹)

کسی کو بنا دُھج[۴] دکھا جا رہے گا | کسی کو دل اس سے لگا نا رہے گا
کسی چشم سے تیر مژگاں لگیں گے | کسی کا دل ان کا نشانا رہے گا

[۱] جل کھانا — فریب کھانا۔ اور سبزہ پوشے بخدہ سبزہ را کہ دام سبزہ رنگ می بود گرفتار شدند
[۲] رم۔ بھاگ۔ تیزی کے ساتھ دوڑ دغیرہ غیرہ
[۳] فہمید۔ سمجھ۔ عقل ۱۲
[۴] دھج۔ وضع شکل فی زمانہ مونث ہے ۱۲۔ آسی

کہیں دل کو لے کر ہنسیں گے خوشی ہو / کہیں غم میں آنسو بہاتا رہے گا
کہیں شوخیاں ہوں گی ناز و ادا کی / کہیں دیکھ اُنھیں غش میں آتا رہے گا
یہ حسن اور نظیرؔ عشق جب تک رہیں گے / میاں یاں یہی کارخانا رہے گا

(۱۰۰)

جو پیش نظر وہ گل اندام ہوگا / تو دامن نگہ کا شفق[1] فام ہوگا
نہ دیکھ اس کی مژگاں کو اے دل وگرنہ / ابھی چھد کے تو رشک بادام ہوگا
اگر چل گئی تیغ ابرو کی تجھ پر / تو بس ایک ہی وار میں کام ہوگا
دیا دل نظیرؔ اپنا مدت سے تو نے / ق مگر دیکھیے کب وہ ہنگام ہوگا
لب جام سے لب لگے ہوں گے تیرے / اور آغوش میں وہ دل آرام ہوگا

[1] شفق فام: سرخ، آتشی

(۱۰۱)

خیال یار سدا چشم نم کے ساتھ رہا / مرا جو چاہ میں دم تھا وہ دم کے ساتھ رہا
گیا سحر وہ پری رو جدھر جدھر یارو / میں اس کے سایہ صفت ہر قدم کے ساتھ رہا
پھرا جو بھاگتا مجھ سے وہ شوخ آہو چشم / تو میں بھی تھک نہ رہا گو وہ رم کے ساتھ رہا
لیلا اس کو نہ چھوڑا جو گھر سے نکلا وہ / ہر اک بہانے سے میں اس صنم کے ساتھ رہا
نظیرؔ پیر ہوا تو بھی بار ناز بتاں / کچھ اس کے دوش سے کچھ پشت خم کے ساتھ رہا

(۱۰۲)

بے جا ہے رہ عشق میں اے دل گلۂ پا / یہ اور ہی منزل ہے نہیں مرحلۂ پا
ہنگام خرام اس کے، ہجوم دل عشاق / غش کردہ ہیں ٹھوکر کے بہر فاصلۂ پا

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

اس پا کی رہ رشک میں نازک قدموں کے
پھرتے ہیں بھٹکتے ہوئے سو قافلۂ پا

سو ناز سے ٹھوکر بسر عرش لگا نا
اس گل کے سوا کس کا ہے یہ حوصلۂ پا

گلبرگ پہ رکھتے ہی قدم ہنس کے جو کھینچا
شاید ہوئی سختی سے رگ گل خلۂ[1] پا

دل سے رہ دل بستگی کب طے ہو نظیر آہ
وہ زلف مسلسل جو نہ ہو سلسلۂ پا

(۱۰۳)

ہے عزم کشور دل کی ادا کو غارت کا
فریب دے ہے تبسم ہمیں بشارت کا

بسا جو وادی میں جا کر تو وہ ملا آرام
کہ قیس بھول گیا نام بھی عمارت کا

دل اس کے آگے سے جلدی سرک میں کہتا ہوں
مجھے تو ڈر ہے نہایت تیری جسارت کا

بھویں تو کھینچ چکی ہیں کمان اے غافل
نگہ کا تیر ہے اب منتظر اغارت کا

نظیر سے ہیں جو پیری میں دلربا ملتے
یہ فیض اس کو درِ دل کی ہے زیارت کا

(۱۰۴)

گلچیں نہ توڑ گل یہ بعید و قریب کا
بیٹھے بٹھائے دل نہ ستا عندلیب کا

جس کے شمیم زلف بھری ہو مشام میں
کیا رتبہ اس کے سامنے سنبل کی طیب[2] کا

احوال دل جو ہم نے کل ایک دوست سے کہا
ق
آیا سخن یہ گوش میں جب اس حبیب کا

اس کی دوا جو ہو تو کسی نازنیں سے ہو
اے مہرباں یہ کام نہیں ہے طبیب کا

اس کج کلہ کی چاہ کی مت کر ہوس نظیر
کیا اس نے دل قبول کیا تجھ غریب کا

[1] خلا یا یا دل میں لگی ہوئی پھانس
[2] طیب خوشبو ۱۲ آسی

(۱۰۵)

اٹکا لیا جو زلف نے دل کو اٹک گیا
لٹکا لیا جو باندھ کے چیں سے لٹک گیا
جی ہو گیا اس آتشیں عارض کو دیکھ موم
دل بھی سپند وار ہوا اور چٹک گیا
کیا جانے اس کا پاؤں پڑا کس مژہ پہ آج
کانٹا سا کچھ جو دل میں ہمارے کھٹک گیا
دل لے گیا تھا شوخ جو کاکل سے باندھ کر
جلدی سے پھر جو زلف ہلا کر جھٹک گیا

آیا وہ ناپسند اُسے جب تو اے نظیر
جس کی بلا تھی اس کے ہی سر پہ ٹپک گیا

(۱۰۶)

تھا عہد یہ دل اس کو زنہار میں نہ دوں گا
دیکھا اسے تو بھولا "زنہار میں نہ دوں گا"
بوسہ جو ہم نے مانگا دو چار بار اس سے
بولا کہ تو کیا کر تکرار میں نہ دوں گا
جب اُس نے مجھ سے پوچھا تو دل پری کو دیگا
میں نے کہا یہ ہنسکر اے یار میں نہ دوں گا
سلک گہر نے مانگا ہار آنسوؤں کا جس دم
ق بولا نظیر اس سے زنہار میں نہ دوں گا

قدر اس کی چاہ میں ہے سو درج دُر سے افزوں
اے سلک در بکنوں یہ ہار میں نہ دوں گا

(۱۰۷)

دل واں سے جو کل شتاب آیا
دلبر کو بہت عتاب آیا
مدت میں ذرا اُٹھا دیا تھا
پھر چہرے پہ اب نقاب آیا
اس چشم کو دیکھ چشم نرگس
ایسی کھلی پھر نہ خواب آیا
پیری میں نظیر اپنے بر میں
وہ شوخ جو بے حجاب آیا

آکر لگے کہنے اس سحر کو
آغوش میں آفتاب آیا

(۱۰۸)

محفل میں اس کے پہونچے اور یار کو نہ دیکھا — بھولے ہمیں جو اپنی مقدار کو نہ دیکھا
عارض کے دیکھنے میں یوں محو ہو گئے ہم — جو ابرووں کی ہرگز تلوار کو نہ دیکھا
ایسا چھپایا اس نے زلفوں سے منھ کو ہم سے — چاہا بہت پر اُس کے رخسار کو نہ دیکھا
دل دیکھنے کو آیا۔ یارو۔ تو اس صنم نے — ق — ناطاقتی میں اس کے اطوار کو نہ دیکھا

تیر نگہ لگایا ایسا نظیر جس کی
پیکاں تو کیا کہ ہم نے سوفار کو نہ دیکھا

(۱۰۹)

اُس نے کتابی رخ دکھا ہوش ہمارا کھو دیا — ایک جھلک میں حرف صبر صفحۂ دل سے دھو دیا
چہرے کو جب چھپا لیا ناز سے اس کی شرم نے — دیکھی یہ شکل ہم نے جب بس نہ چلا تو رو دیا
مہندی سے ناخن اس کے سُرخ دیکھے تو اُس نگار نے — چٹکی وہ لی کہ دل میں آہ کیا کہیں کیا چبھو دیا
چھید لیا نگہ سے دل اُس نے تو ہم نے دیکھ کر — نوک مژہ سے اشک کے قطروں کو لے پرو دیا

دیکھیں جفائیں اسکی جب ہم سے کہا یہ جی نے آہ
کیا کہوں تجھ سے اے نظیر تو نے تو دل ڈبو دیا

(۱۱۰)

ہے اب تو یہ دھن اس سے میں آنکھ لڑا لوں گا — اور چوم کے منھ اس کا سینے سے لگا لوں گا
گر تیر لگاوے گا بہیم وہ نگہ کے، تو — میں اس کی جراحت کو ہنس ہنس کے اُٹھا لوں گا
دل جاتے اُدھر دیکھا جب میں نے نظیر اُسکو — ق — رو کا ارے وہ تجھ کو لے گا تو میں کیا لوں گا
واں ابرو و مژگاں کے ہیں تیغ و سناں چلتے — ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لوں گا

پڑ جاوے گی جب غش[1] وہ اے دل تو بھلا پھر میں
کیا آپ کو تھاموں گا کیا تجھ کو سنبھالوں گا

[1] غش پڑنا سے یہاں مراد۔ افتاد پڑنا۔ مصیبت پڑنا ہے۔ آسی

(١١١)

اُٹھاوے تو گرناز اس دلستاں کا | نہیں کام اے دل یہ تجھ ناتواں کا
کیا دل کو زیر اک طمانچے میں یارو | زبردست ایسا ہے نازان تباں کا
ہوئی تیغ ابرو سے دل کی وہ صورت | جو احوال ہوتا ہے مہ سے کتاں[١] کا
نظیر اب سنا ہے کہ اس تندخو نے | ق کیا بن کے خونخوار پھر قصد یاں کا

جو آتا ہے آنے دو اس تیغ زن کو
ڈرے وہ میاں جس کو خطرہ ہو جاں کا

(١١٢)

ہوا مسکن اپنا در اس دلستاں کا | یہ سر ہو چکا اب اسی آستاں کا
ہمارے تحمل کو وہ جانتا ہے | اُٹھاتا ہے جو ناز دل سے بتاں کا
طلب اس کے لب سے جو بوسہ کریں ہم | تو کب ہے یہ مقدور اپنی زباں کا
لگے کہنے جب حال اپنا تو اس نے | کہا طول چھوڑو نظیر اس بیاں کا

کوئی ایک دو بات کہنی ہو کہہ لو
میاں تم نے چھیڑا یہ قصّہ کہاں کا

(١١٣)

یہ بھلا ہوا جو اس نے نہ سحر نقاب الٹا | نہیں سوئے تحت[٢] پھرتا وہیں آفتاب اُلٹا
مجھے بیقرار کرنا جو نہ تھا اسے تو پھر کیوں | بصد انتظار آ کر بصد اضطراب اُلٹا
خجل اس کے آگے ہونے میں لگا تو وہ نگہ کی | کہ پہونچ کے تا در دل وہیں پھر حجاب اُلٹا
کہا پاؤں دابنے کو میں نے چوم لی کف پا | تو بجائے لطف کیا کیا بسر عتاب اُلٹا
مری خاک پر جو آیا تو ہنسا کہ لے یہ گل ہیں | یہی گل کھلا کے واں سے وہ صنم شتاب اُلٹا
بھرے جام چشم کیا کیا مے اشک سے وہ میکش | جو اخیر بزم دیکھے قدح شراب اُلٹا

[١] کتاں اسی بس کا ایک کپڑا تیار کیا جاتا ہے جو مشہور ہے کہ چاندنی میں پھٹ جاتا ہے ١٢
[٢] تحت نیچے
عبدالباری آسی

گیا گھر نظیرؔ اس کے بہزار نامرادی
پہ ہزار شکر واں سے وہ ہو کامیاب اُلٹا

(۱۱۴)

خط بھی آیا تو بھی ظالم مجھ کو ترساتا رہا
جیسے شرماتا تھا جب ویسے ہی شرماتا رہا

آہ کے نالے کے ٹھنڈی سانس کے یا اشک کے
اب خدا جانے کہ کس کے ساتھ جی جاتا رہا

سہو سے اک شب جو میرا لگ گیا زلفوں کو ہاتھ
کیا کہوں کیا کیا بلا سر پہ مرے لاتا رہا

وہ تو وہ پر اُس کی کج ذاتی کو دیکھا چاہیے
زلفِ کافر کا بھی ایک اک بال بل کھاتا رہا

اُٹھ گیا پردا جو اُس رشکِ پری کے منہ سے رات
اسقدر دل غش میں آکر آپ سے جاتا رہا

جو سر اُس کا رکھ کے زانو پر میں چشمِ تر سے آہ
دو گھڑی تک پانی اُس کے منہ میں ٹپکاتا رہا

یار سے ہو کر خفا غیروں سے کیا ملنا نظیرؔ
منہ سے ٹھہرا بیر جب پھر دم سے کیا ناتا رہا

(۱۱۵)

کیا ڈھب ہے دل کو لینا اور اجتناب کرنا
آپ عشرتوں سے رہنا ہم کو خراب کرنا

کیا جانے یاد آئی کس شوخ چلبلے کی
کچھ بے طرح ہے دل کا آج اضطراب کرنا

پیتے ہیں مدتوں سے ناصح جو ہم تو اس کو
کہنے سے تیرے کب ہو ترکِ شراب کرنا

بھولیں نظیرؔ کیونکر ہم اس معاملے کو
ق
دیکھا جو خواب میں بھی اس کا حجاب کرنا

اپنا وہ پاس جانا۔ کہنا کہ ملیے لے جاں
اس کا پرے[1] سرکنا، رکنا، عتاب کرنا

[1] لے پرے سرکنا۔ علیحدہ ہٹنا ۱۲ عبدالباری آسی

(۱۱۶)

شیوۂ ناز ہوش چھل جانا
طرزِ رفتار دل کچل جانا

صفِ مژگاں کے جھوک سے گر کر
ہم سے کب ہو سکا سنبھل جانا

اس نے آنے کہا ہے صبح۔ اے رشک ق تو پلک سے نہ ایک پل جانا
ہم ابھی منتظر ہیں آنے کے دن ڈھلے گا تو تو بھی ڈھل جانا

دل نے سیکھا ہے بے طرح سے نظیر
بن کہے، بن سنے، نکل جانا

(۱۱۷)

بے ناز اسے ہر دم ہیں منتظر آنے کا اب دیکھیے جلوہ ہو کس طرفہ بہانے کا
دیکھ اس صف مژگاں کو وہ شکل ہوئی دل کی ہو جاتا ہے تیروں سے جو حال نشانے کا
صد چاک ہوا کیا کیا دل رشک کے آرے سے جب ربط نظر آیا اس زلف سے شانے کا
ہر لحظہ نئی چھیڑیں ہر دم خلش تازہ ہے کام بہت مشکل کچھ ناز اُٹھانے کا

ٹھہرا تھا نظیر آنا اور یاں جو نہ آیا وہ
کچھ ناز کیا شاید پھر راہ دکھانے کا

(۱۱۸)

ادا کے توسن پر اس صنم کو جو آج ہم نے سوار دیکھا تو ملتے ہی ٹک عناں کے کیا کیا کچلتے صبر و قرار دیکھا
جھپک یہ مژگاں کے جب نگہ کی تو اُس نے اک پل میں ہوش ٹالا جو چشم و غمزہ کی طرز دیکھی تو جادو اس کا شعار دیکھا
جو دیکھی اس کی وہ تیغ ابرو تو جی کو ہیبت نے آن گھیرا نگہ جو کاکل کے دام پر کی تو دل کو اسکا شکار دیکھا
حنا جو ہاتھوں میں اسکے دیکھی تو رنگ دل کا ہوا عجب کچھ کمر بھی دیکھی تو ایسی نازک کہ مو بھی اس پر نثار دیکھا

وہ دیکھ لیتا ہماری جانب تو اس میں ہوتی کچھ اور خوبی
پر اُنے ہرگز ادھر نہ دیکھا نظیر ہم نے ہزار دیکھا

(۱۱۹)

اگر ہے منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپٹ گلے سے اے جاں جھمک سے کر جھپ چراغ ٹھنڈا

ہم اور تم ایک جان دو قالب تمہارا میرا ہے ایک تن من
لگایا تم نے جبیں پہ صندل ہوا ہمارا دماغ ٹھنڈا

لبوں سے لگتے ہی ہو گئی تھی تمام سردی دل و جگر میں
دیا تھا ساقی نے رات ہم کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا

درخت بھیگے ہیں گل کے مینھ سے تپن چمن میں بھرا ہے پانی
جو سیر کیجیے تو آج صاحب عجب طرح کا ہے باغ ٹھنڈا

وہی ہے کامل نظیر اس جا، وہی ہے روشن دل اے عزیزو
ہوا سے دنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

(۱۲۰)

شب مہ میں دیکھ اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یوں چمک چمک کے چلنا
روش ستم میں آنا تو قدم اٹھانا جلدی
جو رہ کرم میں آنا تو ٹھٹھک ٹھٹھک کے چلنا
ندھڑک ہو جو نکلنا تو سر خطر پہ ٹھوکر
جو نظر گزر سے ڈرنا تو جھجھک جھجھک کے چلنا
جو نوازشوں میں آنا تو بگڑ کے دوش جانا
جو سر عتاب ہونا تو پھٹک پھٹک کے چلنا

ہے کہا نظیر اب تو مرے جی میں اس صنم کا
وہ اکڑ کے دھج دکھانا وہ ہمک ہمک کے چلنا

(۱۲۱)

آن نے دل لے لیا جیسے کہوں اس آن کیا
اب ادا کی تاب لاؤں ایسی مجھ میں جان کیا
لے کے دل پھر بیٹھا ہے وہ دین لینے وہ بھی ہم
دل دیا جس کو نہ دیں گے اس کو ہم ایمان کیا
جانے پاتا واں نہیں یاں گھر میں دل لگتا نہیں
میں کروں یار، وہ بھلا اس درد کا درمان کیا
کر کے دل خوگر تبسم سے جو لی تیوری چڑھا
تم نے تو یہ طرز کی اب میں کروں اے جان کیا
کیوں ہوس کرتا ہے بیجا ہو کے بیقدر اے نظیر
اس کی محفل میں تجھے گر دخل ہو امکان کیا

(۱۲۲)

کیوں جی کیا تم نے مرے دل سا جواں باندھ لیا
سن کے بولا کہ وہ کیا چیز تھا ہاں باندھ لیا

ہم نے جب بات کی اس غنچہ دہن سے کھل کر
پہلے جب اس کے رقیبوں کا دہاں[1] باندھ لیا

جنت و خلد و ارم سب نظر آجاتے ہیں
دھیان محبوب کے کوچے کا جہاں باندھ لیا

گر کہے کوئی کہ ہم زلف سے چھوٹ آئے ہیں
سب غلط، پھر کوئی چھوٹے ہے جہاں باندھ لیا

ہنستے ہنستے یہ کہا میں نے کل اس سے اے جاں
ق
سچ کہو تم نے مرے دل کو کہاں باندھ[2] لیا

دل کو خوباں سے مگر ریختے کہہ کہہ کے نظیر
کوئی دن ہم نے بھی خوب اپنا سماں باندھ لیا

(۱۲۳)

اُس نے کہا کہ مجھ سوا غنچہ دہن ہے کون سا
مینے کہا کہ واقعی اس میں سخن ہے کون سا

دیکھے ہے کیا چمن کو تو جسکی پہ چمن ہے رنگ و بو
دیکھے تو دیکھ اُسے کہ وہ رشک چمن ہے کون سا

قبلہ نما کی طرح سے تکتی ہے جسکو چشم خلق
ایسے تو اب تمھیں ہو اور قبلۂ من ہے کون سا

لعل و دُر اس کے دیکھ کر ہم نے نہ جانا پھر کہ یاں
لعل یمن ہے کون سا دُرِ عدن ہے کون سا

اُسکی جو بوئے زلف سے رکھے ہے عزم ہمسری
میں بھی تو دیکھوں ٹک اُسے مشک ختن ہے کون سا

تو جو نظیر شادماں بیٹھا ہے گھر بنا کے یاں
کچھ تو خیال کر میاں تیرا وطن ہے کون سا

[1] دہاں باندھ لیا یعنی منھ بند کر دیا ۱۲
[2] غزل کے پہلے مصرع اور اس مصرع میں باندھ لیا بمعنی گرفتار کے ہیں ۱۲ آسی

(۱۲۴)

گرم یہاں یوں تو بڑا حُسن کا بازار رہا
میں فقط ایک دکان ہی کا خریدار رہا

جب سے دیکھا اُسے پھر آئینۂ چشم کے بیچ
تا دمِ مرگ وہی عکس نمودار رہا

کس طرح دیکھتے ہم جا کے چمن میں سنبل
دل تو اس کاکل مشکیں کا گرفتار رہا

آ پھنسا جو کوئی اس دام گہ ہستی میں
تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

بس جو ہوتا تو نہ رہتا کبھی دنیا میں نظیرؔ
تھا جو بے بس کوئی اس دام میں ناچار رہا

(۱۲۵)

آنے کا عہد اس کے گر سچ نظر میں آتا
تو اشک لحظہ لحظہ کیوں چشم تر میں آتا

پہلو میں اپنے ہوتا کیا کیا سرور دل کو
گر ایک دم ہمارے وہ شوخ بر میں آتا

تیر نگاہ چلتا اس کا تو پھر وہ ہمدم
جاتا کہیں نہ ہرگز سیدھا جگر میں آتا

ق

طائر کو دل کے اُس نے باندھا نظیرؔ جو تھا
چھٹتا تو وہ ادھر کو اک پہر بھر میں آتا

شہرت جو ہے کہ چھوٹا شاید غلط ہے یارو
گر چھوٹتا تو آخر اپنے ہی گھر میں آتا

(۱۲۶)

محفل میں اپنی ہم کو جس دم وہ بار دے گا
اپنا نہال اُلفت اس دن ہی بار دے گا

دست حنائی اس کے مت دیکھ ہر دم اے دل
پھر ہاتھ سے تو اپنا صبر و قرار دے گا

ق

دیکھ اس سے ہم کو ناخوش اک ہمنشیں نے پوچھا
بن دیکھے اس کے تم کو یہ دل قرار دے گا

ہم نے کہا کہ اب تو ہم اس گھڑی ملیں گے
جب ایک بوسہ ہم کو وہ گلعذار دے گا

بولا نظیرؔ تم کو ہے چار دن کی چاہت
وہ تند خو تمہیں تو کیا ایک چار دے گا

(۱۲۷)

کچھ تو ہو کر دو بدو کچھ ڈرتے ڈرتے کہہ دیا
دل پہ جو گزرا تھا ہم نے آگے اس کے کہہ دیا

باتوں باتوں میں جو ہم نے درد دل کا بھی کہا
سن کے بولا تو نے یہ کیا بکتے بکتے کہہ دیا

اب کہیں کیا اس سے ہمدم دل لگاتے وقت وہ
تھا جو کچھ کہنا سو وہ تو ہم نے پہلے کہہ دیا

ق

چاہ رکھتے تھے چھپائے ہم تو لیکن اس کا بھید
کچھ تو ہم نے سامنے اک ہمنشیں کے کہہ دیا

یہ ستم دیکھو ذرا منھ سے نکلتے ہی نظیرؔ
اس نے اُس سے، اُس نے اِس سے اِس نے اس سے کہدیا

(۱۲۸)

کہا تھا ہم نے تجھے تو اے دل کہ چاہ کی مے کو تو نہ پینا
جو اس کو پی کر تو ایسا بہکا کہ ہم کو مشکل ہوا ہے جینا

جو آنکھیں چنچل کی دیکھیں ہم نے تو نوک مژگاں نے دل کو چھیدا
نگہ نے ہوش و خرد کو لوٹا ادا نے صبر و قرار چھینا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم اے جاں
تو سن کے اس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پر وہیں پسینا

کیا ہے غصہ میں ہاتھ لاکر میرا گریبان جو ٹکڑے اس نے
پھٹا ہی رہنا ہے اب تو بہتر نہیں مناسب کچھ اس کو سینا

کہا تھا آؤں گا وہی دن میں وہ لے نہ آیا وہ شوخ اب تک
گنا جو ہم نے نظیرؔ دل میں تو اس سخن کو ہوا مہینا

(۱۲۹)

صنم کے کوچے میں چھپ کے جانا اگرچہ یوں ہے خیال دل کا
پہ وہ تو جاتے ہی تاڑے گا پھر آنا ہوگا محال دل کا

گہر نے اشکوں کے یاں نکل کر جھمک دکھائی جو اپنی ہر دم
تو ہم نے جانا کہ موتیوں سے بھرا ہے پہلو میں تھال دل کا

کبھی اشارت کبھی لگاوٹ کبھی تبسم کبھی تکلم
یہ طرزیں ٹھہریں تو ہم سے پھر ہو بھلا جی کیونکر سنبھال دل کا

وہ زلف پر پیچ و خم ہے اس کی پھنسا تو نکلے گا پھر نہ ہرگز

ہمارا کہنا ہے سچ ارے جی تو کام اس سے نہ ڈال دل کا

میں لحظہ لحظہ ہوں کھینچ لاتا وہ پھر اسی کی طرف ہے جاتا
کروں نظیرؔ اس کی فکر میں کیا ہے اب تو میرے یہ حال دل کا

(۱۳۰)

نہ چھوڑے دل کو وہ افسوں نگہ لڑانے کا
جو کچھ ہو دیر تو پھر ڈھب ہے مسکرانے کا

حیا سے وہ تو نہ کرتا نگہ، و لیکن ہے
یہ لطف پنجۂ مژگاں کے گدگدانے کا

بتوں کی زلف فراموش دل کو ہو کیونکر
بسیرا بھولے ہے طائر کب آشیانے کا

پڑیں گے پاؤں ہم اس جامہ زیب کے اے دل
جو ہاتھ آگیا دامن کسی بہانے کا

لیا جو دست حنا بستہ سے دل اس نے نظیرؔ
یہی مآل ہے اس کے حنا لگانے کا

(۱۳۱)

خوش ہوئی سینہ میں مژگاں کی جھپک تیر لگا
تو بھی اے جنبش ابرو کوئی شمشیر لگا

کیا ہی خوش وقت ہوا کر کے مرے دل کو صید
یعنی کیا خوب مرے ہاتھ یہ نخچیر لگا

ہم تو پھنستے نہ ترے دام میں لیکن ہیہات
لے گئی دل کو تری زلف گرہ گیر لگا

میں کہا کیوں نہیں اس شوخ سے ملتا تو نظیرؔ
سن کے اس بات کو یوں کہنے وہ دلگیر لگا ق

میں تو کیا پر زرے اُڑا دے وہ بھی اگر کوئی
اس کی دیوار سے دیوے مری تصویر لگا

(۱۳۲)

کلال گردوں اگر جہاں میں جو خاک میری کا جام کرتا
تو میں صنم کے لبوں سے مل کر عجب ہی عیش مدام کرتا

جو پاتا لذت لبان مستاں مئے محبت سے تیری زاہد

لہ لگا کرے جانا بہلا پھسلا کر ساتھ لے جانا ۱۲۔ سہ کلال - کمہار ۱۲ آسی

تو خانقہ سے نکل کے اپنی وہ میکدے میں قیام کرتا

دہ بزم اپنی تھی مے کشی کی فرشتے ہوجاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں ان کو سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا نہ شب بتاتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

دہ بزم اپنی تھی مے خوری کی فرشتے ہوجاتے مست و بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو پھر میں اُن کو سلام کرتا
(مکرر)

نظیر آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو مجھ کو لے کر وہ شوخ اپنا غلام کرتا

(۱۳۳)

گہ چشم اُٹھا رخ پر مرآت[1] لقا ہونا
ہے ایک جو دو کرتی اس تیغ سے ابرو کی
اُس نخلہ[2] قامت کا یہ پھل ہے کہ دیکھ اسکو
کاکل کے رسا کا بھی ہے لطف یہ کچھ جس سے
گو حسن سے فندق[3] کے دل شاد ہوا لیکن

گہ سر بہ گریباں ہو ہم چشم حیا ہونا
یہ فائدہ ہے یعنی یکتا سے دو تا ہونا
جوں نخل خزاں دیدہ بے برگ و نوا ہونا
ہر صبح نسیم آسا زنجیر بپا ہونا
پڑتا ہے کئی دن تک انگشت نما ہونا

بالفرض سراپا یہ ہو کوئی نظیر عاشق
اُس سے بھی پھر آخر کو ہے بے سر و پا ہونا

(۱۳۴)

گر م گلشن کا جو کل وہ رشک مہر و مہ گیا
طرۂ آواز خندیدن سے کاہل پہر تک
دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل اور آبجو

ق

جب پھرا واں سے تو گل بازار تک ہمرہ گیا
گل سے زر بلبل سے چہ چہ کبک سے قہقہ گیا
اک اُڑا اک گر گیا اک جل گیا اک بہ گیا

[1] مرآۃ آئینہ ۱۲
[2] نخلہ بمعنی نخل
[3] فندق ایک میوہ کا نام جسے پورے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲ آسی

ہو گیا سنتے ہی بیدم بیقرار و بے حواس	گوش دل میں نامہ بر کیا جانے کیا کچھ کہہ گیا
وائے آخر ہم رہے اور نے وہ سرو گلعذار	قصہ خوانوں کے مگر کہنے کو قصہ رہ گیا
کس توقع پر کرے یاں کی کوئی ثروت بہم	جب کہ خالی ہاتھ اسکندر سا شاہنشہ گیا

غور سے دیکھا تو اُس کے طاقِ ہستی پر نظیرؔ
اتنی حشمت تھی فقط اک آئینہ ہی رہ گیا

(۱۳۵)

اس سرخ لب سے ہم نے لعل یمن کو دیکھا		جب ہنس دیا تو سلک دُرِّ عدن کو دیکھا
خار نگہ ہمارا ہے آج تک بھی رنگیں		کل ہم نے ایک ایسے گل پیرہن کو دیکھا
سنبل[۱] ہوئی تصدق دیکھ اس صنم کے کاکل		نسریں[۲] نثار لائی جب اُس کے تن کو دیکھا
بلبل نے ہو کے نازاں کل یوں کہا جو ہم سے	ق	میں نے تو گل کو تم نے اس گلبدن کو دیکھا

ہم نے نظیرؔ ہنس کر جب اس کو یہ سنایا
تو نے چمن کو ہم نے رشک چمن کو دیکھا

(۱۳۶)

دل ہم نے جو چشم بت بیباک سے باندھا		پھر نشہ صہبا سے نہ تریاک[۳] سے باندھا
اس زلف سے جب ربط ہوا جی کو تو ہم نے		شانے کا تصور دل صد چاک سے باندھا
دیکھا نہ قد سرو کو پھر ہم نے چمن میں		جس دن سے دل اس قامت چالاک سے باندھا
جو آ ہوئے دل بھاگ گیا اس صید فگن کو	ق	جھپ اس نے اسے کاکل پیچاک[۴] سے باندھا

اور جو نہ پسند آیا اسے وہ تو نظیرؔ آہ
نے صید کیا اس کو نہ فتراک سے باندھا

(۱۳۷)

پایا مزا یہ ہم نے اپنی نگہ لڑی کا	جو دیکھنا پڑا ہے غصہ گھڑی گھڑی کا

[۱] سنبل کو اب مذکر بولتے ہیں ۱۲
[۲] نسرین سیوتی ۱۲
[۳] تریاک۔ افیون ۱۲
[۴] پیچاک۔ پیچیدہ ۱۲ آسنی

عقدہ تو نازنیں کے ابرو کا ہم نے کھولا ۔ اب کھولنا ہے اس کی خاطر کی گلجھڑی[1] کا
اس رشک مہ کے آگے کیا قدر ہے پری کی ۔ کب پہونچے حسن اس کو ایسی گرگی[2] پڑی کا
ق
اس گلبدن نے ہنس کر اک لیکے شاخ نسریں ۔ ہم سے کہا کہ کیجیے کچھ وصف اس چھڑی کا

جب ہم نظیر بولے، اے جاں یہ وہ چھڑی ہے
دل ٹوٹتا ہے جس پر جوں پھول پنکھڑی کا

(۱۳۸)

جن دنوں حسن بتاں کے دل پئے نظارہ تھا ۔ سو بسو ہر دم رواں اور کو بکو آوارہ تھا
مدتوں میں ایک دن ہم دل سے ملنے کو گئے ۔ کس لیے مربوط اس سے اپنا جی ہموارہ[3] تھا
وہ تو لعل بے بہا تھا جا کے دیکھا ہم نے کیا ۔ جور سے سنگیں دلوں کے شیشۂ صد پارہ تھا
تھے پڑے پہلو کے نیچے جائے بستر خار و خس ۔ اور بزیر سر عوض بالش کے سنگ خارہ تھا

کھو چکا تھا ہو فاؤں میں جو عمر اپنی نظیر
لب پہ آہ سرد تھی اشکوں سے تر رخسارہ تھا

(۱۳۹)

ہوا خورشید کے دیکھے سے دونا اضطراب اپنا ۔ کہ یہ نکلا سحر کو اور نہ نکلا آفتاب اپنا
ترے منہ کے جو ہر دم روبرو آنے کو کہتا ہے ۔ ذرا آئینہ لے کر منہ تو دیکھے آفتاب اپنا
نہ اتنا ظلم کر اے چاندنی بہر خدا چھپ جا ۔ تجھے دیکھے سے یاد آتا ہے مجھ کو ماہتاب اپنا
خفا دیکھا ہے اس کو خواب میں دل سخت مضطر ہے ۔ کھلاوے دیکھیے کیا کیا گل تعبیر خواب اپنا
سحر آسا عیاں ہوتے ہی لی راہ عدم ہم نے ۔ ہوا آنا بھی اور جانا بھی ایسا کچھ شتاب اپنا

نظیر اس بحر میں فرصت کم اور عیش و طرب لاکھوں
تو پھر اب حق بجانب ہے کرے کیا کیا حباب اپنا

[1] گلجھڑی۔ گرہ۔ گتھی ۱۲
[2] گرگی پڑی۔ گئی گزری حقیر ۱۲
[3] ہموارہ ہمیشہ ۱۲ اُسی

(۱۴۰)

عشق کا مارا نہ صحرا ہی میں کچھ چوپٹ پڑا ؎۱ — ہے جہاں اس کا عمل وہ شہر بھی ہے پٹ پڑا
عاشقوں کے قتل کو کیا تیز ہے ابرو کی تیغ — ٹک اُدھر جنبش ہوئی اور سر اِدھر سے کٹ پڑا
اشک کی نوک مژہ پر شیشہ بازی ؎۲ دیکھیے — کیا کلائیں کھیلتا ہے بانس پر یہ نٹ پڑا
شاید اس غنچہ دہن کو ہنستے دیکھا باغ میں — اب تلک غنچہ بلائیں لیتا ہے چٹ چٹ پڑا
دیکھ کر اس کے سراپا کو یہ کہتی ہے پری — سر سے لیکر پاؤں تک یاں حسن امنڈ کر ہٹ ؎۳ پڑا
کیا تماشا ہے کہ وہ چنچل ہٹیلا چلبلا — اور سے تو ہٹ گیا پر میرے دل پر ہٹ پڑا
کیا ہوا گو مر گیا فرہاد لیکن دوستو — بیستوں پر ہو رہا ہے آج تک کھٹ کھٹ ؎۴ پڑا
ہجر کی شب میں جو کھینچی آن کر نالے نے تیغ — کی بڑے بازی ولے تاثیر سے ہٹ ہٹ پڑا

دل بڑھا کر اس میں کھینچی آہ نے پھر نیچہ
اے نظیر آخر وہ اس کا نیچہ بھی پٹ ؎۵ پڑا

(۱۴۱)

کل جو وہ دلربا ادھر آیا — ق — دل کو لینے کو تھا مگر آیا
دوسرے دن بھی شوخ پھر فرا — اس طرف جب ہوئی سحر آیا
پھر گیا دھج دکھا کے پھر دم میں — مسکراتا وہ سیمبر آیا
میں نے جانا یہ دل نہ چھوڑے گا — ہے اسی کی یہ تاک پر آیا

جب یہ دیکھا تو میں نظیر اک دن
خود ہی دل اس کے نذر کر آیا

(۱۴۲)

جب ہمنشیں ہمارا بھی عہد شباب تھا — ق — کیا کیا نشاط و عیش سے دل کامیاب تھا
حیرت ہے اس کی نودروی کیا کہیں ہم آہ — نقش طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا

؎۱ چوپٹ پڑنا گویا برباد تباہ ہونا چوپٹ پڑنا یہاں اسی معنی میں آیا ہے ۱۲ ؎۲ شیشہ بازی اسکو کہتے ہیں جو شیشے کے برتن وغیرہ سر پر رکھ کر بانس اور بلیوں وغیرہ پر چڑھتے ہیں یہاں آنسوؤں کی کثرت اور ترتیب ۱۲ ؎۳ ہٹ پڑنا یعنی اُسکے لینے کے لیے بلند ہوا ۱۲ ؎۴ یعنی پہاڑ پر تیشہ زنی کی آوازیں آ رہی ہیں ۱۲ ؎۵ پٹ پڑنا یہاں انطباق کے معنی میں ہے ۱۲ آسی

تھا جب وہ جلوہ گر تو دل وجاں میں دمبدم — عشرت کی حد نہ عیش وطرب کا حساب تھا
تھے باغِ زندگی کے اُسی سے ہی آب و رنگ — دیوان عمر کا بھی وہی انتخاب تھا

اپنی تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیر
مجموعۂ حیات کا لُبِّ لُباب تھا

(۱۴۳)

اگر اُس گلبدن کا دل میں کچھ آثار ہو پیدا — تو پھر اپنے ہی سینے میں عجب گلزار ہو پیدا
ہم اپنے قتل ہونے کا ابھی جوہر دکھا دیویں — اگر قاتل کی ابرو کی کہیں تلوار ہو پیدا
تجلی طور کی ٹھہری نگاہوں میں ٹھہر جائے — اگر موسیٰ سا کوئی طالب دیدار ہو پیدا
بس آئینے میں یکباری جہاں اس کا نظر آئے — تو روز حشر تک اُس میں نہ پھر زنگار ہو پیدا
اگر انکار کی لذت کو ہم سمجھیں تو پھر یارو — اُسی انکار کے پردے میں پھر اقرار ہو پیدا

کریں زنار اپنی گردن دل کا نظیر اس کو
اگر اس زلف کافر کا کبھی اک تار ہو پیدا

(۱۴۴)

دل پری رویوں کی چاہت سے تو ہے مغرور کیا — اُن کے دیوانوں میں تنہا ہے تو ہی مشہور کیا
وصف حسن حور و پری کا یوں کہا یک بار کر — حُسن میں ہم سے زیادہ ہے پری اور حور کیا
جب کہا ہم تو تمھیں اُٹھنے نہ دیں گے بزم سے — ہنس کے فرمایا کسی کی تاب کیا مقدور کیا
جتنے دل لیتے ہیں پھر کہتے ہیں اُسکو تلخ کام — کیوں لا جی ان شیریں لبوں کا ہے یہی دستور کیا
منہ بنائے کس لیے بیٹھے ہو دل تو لے چکے — اب جبین کرنے سے پرچیں ہے تمھیں منظور کیا
جاں اگر درکار ہے ہم کو تو کہتے کیوں نہیں — اُس کا بھی دے ڈالنا اے جاں ہے ہمکو دور کیا

تو جو ہو کر در بدر آج اس کو دیکھ آیا نظیر
اس کا بدلہ تجھ سے وہ لیگا تو ہے مسرور کیا

(۱۴۵)

ق

جب اُس کے ہی ملنے سے ناکام آیا
تو یارب یہ دل میرا کس کام آیا

کبھی اس تغافل منش کی طرف سے
نہ قاصد نہ نامہ نہ پیغام آیا

صد افسوس دم اپنا نکلا ہے کس دم
کہ جب گھر سے گھر تک وہ گلفام آیا

مجھے صبح کو قتل کر وہ مسیحا
جو گھر اپنے فرخندہ فرجام آیا

کسی نے مری بات بھی واں نہ پوچھی
اگرچہ ہر اک خاص اور عام آیا

غرض پھر اُسی کو جو یاد آئی میری
تو گھبرا کے جس دم ہوئی شام آیا

جلایا اُٹھایا گلے سے لگایا
عزیزو پھر آخر وہی کام آیا

گئی بیوفائی نظیر اب جہاں سے
وفاداریوں کا بھی ہنگام آیا

(۱۴۶)

بحسب عقل تو کوئی نہیں سامان ملنے کا
مگر دنیا سے لیجاویں گے ہم ارمان ملنے کا

عجب مشکل ہے کیا کہیے بغیر از جان دینے کے
کوئی نقشہ نظر آتا نہیں آسان ملنے کا

ہمیں تو خاک میں جا کر بھی کیا کیا بیکلی ہوگی
جب آجاوے گا اس غنچہ دہن سے دھیان ملنے کا

کسی سے ملنے آئے تھے سو یاں بھی ہو چلے[۱] اکدم
کہے دیتا ہوں یہ مجھ پر نہیں احسان ملنے کا

نظیر اک عمر ہم اس دلربا کے وصل کی خاطر
بہت روئے بہت کھینچے پہ کیا امکان ملنے کا

ہماری بیقراری اضطرابی[۲] کچھ نہ کام آئی
وہ خود ہی آ ملا جب وقت آیا آن ملنے کا

(۱۴۷)

تمھاری زلف کا اے یار ہم سے بل نہ گیا
ہمارے دل سی[۳] اک بال بھر خلل نہ گیا

ہمیں ہیں دیکھ جو قدموں پہ گر رہے ہیں ترے
وگرنہ یاں سے میاں ہاتھ کون مل نہ گیا

[۱] ہو چلے یعنی ملاقات کرتے چلے ۱۲
[۲] اضطرابی یعنی بے چینی اکثر فصحا کے نزدیک درست نہیں ہے ۱۲
[۳] سی بمعنی سے پیوند دہان کا لفظ ہے گو نظیر کے سامنے سی قریب قریب متروک ہو چکا تھا ۱۲ آسی

جلاکے پر جو لگن میں پڑا اسلگتا ہے
پتنگ پہلے ہی خانہ خراب جل نہ گیا

(۱۴۸)

دیکھیے جلوہ جو اُس کے حسنِ بالادست کا
حوصلہ اتنا کہاں اپنی نگاہِ پست کا

بے صدا آکر لگا اور ہو گیا سینے کے پار
یہ خدنگِ صاف تھا کس بے نشاں کی شست کا

(۱۴۹)

اک پردہ ہستی نہ رہا جوں نظر آیا
وہ پردہ برانداز ہمیں کیوں نظر آیا؟

اُس مہرِ پر انوار سے، شبنم کی طرح، ہم
گم ہوتے گئے، ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

(۱۵۰)

سرسبز دل جلوں کو نہ ہرگز کرے فلک
دانہ کہیں اُگا ہے جو آتش میں بھُن گیا

جب سے ہوئے ہیں وہ لبِ جاں بخش جلوہ گر
تب سے تمام نسخۂ عیسیٰ کا گُن گیا

(۱۵۱)

لاکر ہر اک ادا میں نہ عیّار چٹکلا
چٹکی بجا کے چھوڑے ہے ہر بار چٹکلا

سب جانتے ہیں چٹکلا بازی نظیر کی
اس کے ہر اک سخن میں ہے لے یار چٹکلا

متفرقات ردیف الف

۱ لائے خاطر میں ہمارے دل کو وہ مغرور کیا — جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

۲ دل ہوا الطر دن سے بسمل ابروے دلخواہ کا — تھا وہی پہلا دن اُس بسمل کی بسم اللہ کا

۳ نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا — بنایا آہ! کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

۴ بہار آئی ہے کیا ہر شاخِ گل پر سے مکاں اپنا — بنا اب تو بھی اے بلبل چمن میں آشیاں اپنا

۵ پہنچے نہ ذیل وصف میں بست اُسکے عام کا — موصوف ہو جو خاص خدا کے کلام کا

شہ حسن بالادست حسن بلند مرتبہ ۱۲ شہ جھٹکی ... ۱۲ شہ بھن گیا یعنی اتر جاتا رہا ۱۲ شہ تقابل - دامن ۱۲ آتی

٦	دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے	آیۂ انبتہ اللہ نباتاً حسنا
٧	چمن طرازِ حقیقی نے اپنی صنعت سے	کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس کیا
٨	وصل اُس کا ہو تا کیونکر میسّر	وہ نورِ جاں تھا، میں آب وگل تھا
٩	ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے	کہ ہم کو راہ میں اک آشنا نے لوٹ لیا
١٠	ٹھہرنا عشق کے آفات کے صدموں میں نظیرؔ	کام مشکل تھا پر اللہ نے آسان کیا
١١	جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیرؔ	خانہ خراب تجھ سے وہی کام رہ گیا
١٢	جو وصف زلف کا پوچھا تو حلقے حلقے کو	تابِ و مرجع و ملجائے صد اسیر کہا
١٣	دیکھ اُسے رنگ بہار و سرو و گل اور جو یبار	اک اُڑا، اک گر گیا، اک جل گیا، اک بہ گیا
١٤	تو ہے وہ گل، اے جان، کہ ترے باغ میں ہی شوق	جبریل کو بُلبل کی طرح نعرہ زنی کا
١٥	ہے کون سی وہ چشم نہیں جس میں اُس کا نور؟	ہے کون سا وہ دل کہ نہیں جس میں اُس کی جا؟
١٦	بدن گل، چہرہ گل، رخسار گل، لب گل، دہن ہی گل	سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہی ڈھیر پھولوں کا
١٧	نظیرؔ اب اس ندامت سے کہوں کیا	”فَآہا[۱] ثمّ آہا ثمّ آہا“
١٨	ہے کفِ پا وہ مصفّا کہ جسے دھیان میں لا	پائے نظارہ یہ کہتا ہے ”پھسل جاؤں گا“
١٩	نہ آئی بو جو ذرا تیرے مُصحفِ رخ کی	نسیم پھاڑ گئی آ کے ہر ورق گل کا
٢٠	اب تو ذرا سا گاؤں ہی، بیٹی نہ دے اسے	لگتا تھا ورنہ، چین کا داماد آ گرا
٢١	ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اجل	آرہ ادھر دکھاتی ہی، اُدھر تبر قضا
٢٢	بتوں کی نازبرداری میں بھی تیری عبادت کی	مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا
٢٣	عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں، ذرا جاگو	جرس فریاد می دارد کہ ”بربندید محمل ہا“
٢٤	ہوئی جو رد و بدل رائے کتنی بار نظیرؔ	تو اُس نے خط کا ہمارے نہ پھر جواب لکھا
٢٥	ہے تاج گنج میں اب تو نظیرؔ کا میلا	نظیرؔ کیا ہے عجب بے نظیر کا میلا

۱؎ خدا اس کو کسی طرح اُگائے ۲؎ بس افسوس پھر افسوس پھر افسوس ۱۲ آسی

ردیف با

(۱۵۲)

دیا جو ساقی نے ساغرِ مے دکھا کے آن اک ہمیں لبالب
اگرچہ میکش تو ہم نئے تھے پہ لب پہ رکھتے ہی پی گئے سب

نہ دے ہمیں آ کے کوئی دھوکا۔ کہ ہے تقور میں وہ تو بیٹھا
کب اس کا یہ قد کب اس کا یہ تن کب اس کا یہ رخ کب اس کا یہ لب

چلے ہیں دینے کو ہم جسے دل وہ ہنس کے بے لے بس اب ہمیں تو
یہی ہے خواہش، یہی تمنا۔یہی ہے مقصد۔یہی ہے مطلب

کبھی جو آئے ہیں دیکھنے ہم تو آپ تیوری کو ہیں چڑھاتے
جو ہر دم آویں تو کیجے خفگی میاں ہم آتے ہیں ایسے کب کب

نہ پی تھی ہم نے یہ مے تو جب تک نظیرؔ ہم میں تھا دین و ایماں
لگا لبوں سے وہ جام پھر تو کہاں کا دین اور کہاں کا مذہب

(۱۵۳)

جب کھلے اس معجزہ آرا کے لب
بند ہوئے حضرت عیسیٰ کے لب

عشق میں اس گوہرِ نایاب کے
آج تک خشک ہیں دریا کے لب

نام سے اس لب کے ہیں لبریز شہد
خلد کی حورانِ شکر خا کے لب

لعل بھی ہو رشک سے یاقوتِ زرد
دیکھے اگر اس دُرِ یکتا کے لب

ایک تبسم سے بنے لالہ فام
ایسے ہیں اس شاہدِ رعنا کے لب

اس لبِ جاں بخش کے آگے نظیرؔ
کس کو خوش آئیں گے مسیحا کے لب

(۱۵۴)

ہیں اگرچہ یاں تو اور بھی محبوب خوب خوب
لیکن اُسی کو کہتے ہیں سب خوب خوب خوب

نام خدا میں کیا کہوں اس گل کے حسن میں
کیا کیا عیاں ہیں ناز کے اسلوب خوب خوب

فرقت میں اب کے بار تو دلدار نے ہمیں
خوبی سے کیا ہی بھیجے ہیں مکتوب خوب خوب

فضل الٰہی اب تو نظیرؔ اپنی بزم میں
اسباب سب ہیں عشرت مرغوب خوب خوب

ہیں اس طرف تو ساقی و مطرب کرشمہ سنج
اور اس طرف کو بیٹھے ہیں محبوب خوب خوب

(۱۵۵)

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب
اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب

وہ عظیم الشان مکاں دیتی تھیں جنکی رفعتیں
ہنس کے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب

وہ مطلا قصر وہ رنگیں منقش بام و در
وہ مرصع خوابگاہیں بہر عیش و بہر خواب

صحن میں بستاں سرا ایسے پُر از غلمان و حور
جن کی انہار[1] وں میں جائے آب گل خالص گلاب

وہ مُطلا[2] قصر رنگین و منقش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب

ان میں تھے وہ صاحب ثروت جنھیں کہتے تھے لوگ
کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب

مہر وش، بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
مشتری پیکر ثریا بارگہ کیواں جناب

وہ تجمل وہ تموّل وہ تفوق وہ غرور
وہ تحشم وہ تنعم وہ تعیش وہ شباب

ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گل رخاں
جن کے عارض رنج ماہ و رشک روئے آفتاب

چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت، غمزہ و ناز و عتاب

صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بصبح
دمبدم رقص و سرود اور پے بہ پے جام شراب

ساقی و مطرب ندیم و مستی و مے خوارگی
ساغر و مینا و گل، عطر و مے و نقل و کباب

کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوش سے
از زمیں تا آسماں شور نے و چنگ و رباب

[1] نہر کی جمع انہار ہے۔ پھر انہار کو بصورت جمع انہاروں لکھنا فصیح نہیں اب اس کے استعمال سے اجتناب ضرور ہے متقدمین بے پروائی سے الفاظ لکھ جاتے تھے ۱۲ [2] مطلا لفظ فارسی ہے اہل فارس نے بقاعدہ عربی اسکو اسم مفعول کی صورت میں استعمال کیا ہے مگر اس کی صحت میں کلام ہے اگرچہ آج بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ لبریز وغیرہ بھی اسی قسم کے لفظ ہیں ۱۲ آسی

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور — وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حد و حساب
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط[1] تھا یا دفعتاً — کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر — رہ گئے عبرت فزا وہ قصر ویران و خراب
تھا جہاں وہ مجمعِ رنگین وہاں اب ہے تو کیا — نقشِ سُم گور یا کہنہ کوئی پر عقاب
ہیں اگر دو خشت باہم تو لبِ افسوس ہیں — اور جو کوئی طاق ہے تو صورتِ چشمِ پُر آب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

(١٥٦)

بحرِ ہستی میں صحبتِ احباب — یوں ہے جیسے بروئے آب حباب
گردشِ آسماں میں ہم کیا ہیں — پر کا ہے میانۂ گرداب
بادۂ ناب کیا ہے خونِ جگر — زرد ئی رنگ ہے شبِ مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں — وہ بھی ہے اک ہولئے خانہ خراب
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے — مثلِ تحریرِ موج نقش بر آب
جسم کیا روح کی ہے جولانگاہ — روح کیا اک سوار پا بر کاب
حسن اور عشق کیا ہیں یہ بھی ہیں — خطفہ[2] برق و قطرۂ سیماب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں — ایک مثلِ خیال و دیگر خواب
فرصتِ عمر قطرۂ شبنم — وصلِ محبوب گوہرِ نایاب
کیوں نہ عشرت دو چند ہو جو ملے — یار مہ چہرہ اور شبِ مہتاب

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیر دل کی کتاب

۱ نشید نشاط خوشی ۱۲ ۲ خطفہ بجلی کی چمک ۱۲ آسی

(١٥٧)

رات کھینچا جو اُس نے رُخ سے نقاب — چھٹ گئی روئے ماہ پر مہتاب
اس حنابستہ دست کو پہونچے — ق — پنجۂ آفتاب میں کیا تاب
اس کو توسن پہ کل جو ہم نے نظیر — آتے دیکھا ادھر شتاب شتاب
چوم لی باگ اس طرح پہلے — جی میں خوش ہوگیا دل بیتاب
مل کے پھر چشم دامن زین سے
جھاڑی پلکوں سے گرد رشے رکاب

(١٥٨)

تمہارے ہاتھ سے کل ہم بھی رو لیے صاحب — جگر کے داغ جو دھونے تھے دھو لیے صاحب
کل اس صنم نے کہا دیکھ کر ہمیں خاموش — ق — کہ اب تو آپ بھی ٹک لب کو کھولیے صاحب
یہ سن کے میں نے نظیر اس سے یوں کہا ہنس کر
جو کوئی بولے تو البتہ بولیے صاحب

(١٥٩)

خوباں میں اس طرح ہے وہ دلخواہ سب سے خوب
جوں وقت شب ستاروں میں ہے ماہ سب سے خوب

محبوب کا جو وصل تصور میں ہو تو پھر
مشتاق وصل کو ہے یہی راہ سب سے خوب

دل جس کو چاہتا ہے وہی جانے چاہ کو
اپنی تو فہم میں ہے وہی چاہ سب سے خوب

کیسا ہی وہ بُرا ہو پہ لگ جائے جس سے دل
لگتا ہے جی کو پھر وہی واللہ سب سے خوب

۵۱ حنابستہ [illegible]
۵۲ پہنچے یعنی اسکا
سارتبہ واصل کرے
عبدالباری آسی

خوبی میں خوبرو تو سبھی خوب ہیں نظیرؔ
پر خوب غور کی تو ہے اللہ سب سے خوب

(۱۶۰)

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چمن سرشت نصیب
خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
یہ کم نصیب ہوئے ہم، کہ بعد مرگ نظیرؔ
ہوئی مزار کو اپنے، نہ ایک خشت نصیب

(۱۶۱)

دل سا دُرِ یتیم بکا کوڑیوں کے مول
کیا کیجیے، خیر، یہ بھی خریدار کے نصیب
بازار یوسفی نے نہ دیکھی تھیں خواب میں
جو گرمیاں ہوئیں ترے بازار کے نصیب

(۱۶۲)

میں ہوں اور مہرو ہے اور ساقی ہے اور بزم شراب
پر خدا جانے یہ بیداری ہے اے دل یا کہ خواب
ثروت و مال و منال و حشمت و جاہ و جلال
کوئی اسکو کچھ کہو ہم تو سمجھتے ہیں یہ خواب

(۱۶۳)

کچھ اسے شرم کچھ ہے ہم کو حجاب
ہے نئی چاہ میں یہ طرفہ عذاب
کیوں نہ عشرت دوچند ہو جو ملے
یار مہ چہرہ اور شب مہتاب

متفرقات ردیف (ب)

ساغر کے لب سے پوچھیے اُس لب کی لذتیں
۲۶ کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہے لب کی لب
ہو حسن اثر کیوں نہ مری آہ میں، یا رب؟
۲۷ سب کچھ ہے مہیا تری درگاہ میں، یا رب
گزرے، دو دم نہ خوشی سے کبھی اے نصیب
۲۸ تھی عجب کلک وہ جس سے مرے لکھے اے نصیب
بقولِ حضرت صائبؔ، ہزار حیف، نظیرؔ
۲۹ کہ در بہار ندارم بکف بہائے شراب
ایک نظر گر تجھے دیکھیں، تو شادی سے پھر
۳۰ مہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

ؔ غور بہ تذکیر و بہ تانیث دونوں طرح صحیح ہے ۱۲ عبدالباری آسیؔ

ردیف بائے فارسی (پ)

(۱۴۴)

ہے جو اس محبوب کے انگشتری در دست چپ
رکھتی ہے کیا کیا نزاکت پروری در دست چپ

جس کماں کو کھینچتا ہے وہ بت ابرو کماں
اسکے قبضے میں ہے سوزنیت وری در دست چپ

لکھ جو لکھتا ہے قلم لے کر تو پھر کیا کیا رقم
کرتے ہیں قرطاس پر زیب آوری در دست چپ

ق
کل تو دائیں ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا نظیر
اور مصلّے کی عنایت گستری در دست چپ

آج صہبا کی گلابی اس کے ہے در دست راست
اور چھلکتی مے کی ایک پیالی بھری در دست چپ

(۱۴۵)

کیونکر رہے نہ آہ وہ اُلفت پذیر چپ
سحر نگاہ کا جسے کر دیوے تیر چپ

بوسہ جو مانگتے ہیں تو منہ پر طمانچہ مار
کرتا ہے شوخ ہم کو سمجھ کر حقیر چپ

کاکل میں ہم نے پھنس کے جو شکوہ کیا ذرا
بولی وہ چشم اس کی نہیں "اے اسیر چپ"

ق
دیکھ اس نے ہم کو چین بجبیں ہو کے یوں کہا
دیکھے ہے سب طرح ہمیں ہو کر یہ پیر چپ

چاہا کہیں کہ پیر کے کیا دل نہیں میاں
تیوری کو اس کی دیکھ رہے ہم نظیر چپ

(۱۴۶)

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ
ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ

شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر
پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

ق
سن شور گلی میں اپنی ہر دم
بولا کبھی تم نہ یاں رہے چپ

جب ہم نے کہا نظیر اس سے
ہم رہنے کے یاں نہیں گہے چپ

سوچو تو کبھی چمن میں اے جاں
بلبل نے کیے ہیں چہچہے چپ

(۱۶۷)

دل کو لیکر ہم سے اب جاں بھی طلب کرتے ہیں آپ
لیجیے حاضر ہے پہ یہ تو غضب کرتے ہیں آپ

مورد تقصیر گر ہوتے تو لازم تھی سزا
یہ جفا پھر کہیئے ہم پہ کس سبب کرتے ہیں آپ

کرتے ہو ابروے گشتہ رخ سے دیتے ہو جلا
حسن میں اعجاز کیا کیا روز و شب کرتے ہیں آپ

قیس سے جو تھا کیا در پردہ لیلا نے سلوک
سو وہی اے مہرباں ہم سے بھی اب کرتے ہیں آپ

بیکلی ہوتی ہے حسرت سے دل صد چاک کو
اپنی زلفِ عنبریں کو شانہ جب کرتے ہیں آپ

ق
ہم نے پوچھا پھر بھی اسکی جاں پھری سب جسم میں
نزع میں دوری سے جس کو جاں بلب کرتے ہیں آپ

ہنس کے فرمایا نظیر اپنی دعائے لطف سے
یہ بھی ہو سکتا ہے کیا اس کا عجب کرتے ہیں آپ

ردیف تاء فوقانی (ت)

(۱۶۸)

کسی نے رات کہا اس کی دیکھ کر صورت
کہ میں غلام ہوں اس شکل کا بہر صورت

ہیں آئینے کے بھی کیا طالع اب سکندر واہ　　کہ اس نگار کی دیکھے ہے ہر سحر صورت

عجب بہار ہوئی کل تو وقت نظارہ　　ق　　جو میں ادھر کو ہوا اُس نے کی اُدھر صورت

اُدھر کو جب میں گیا اُس نے لی ادھر کو پھیر　　پھرا میں اُس نے پھرائی جدھر جدھر صورت

ہزاروں پھرتیاں میں نے تو کیں پر اے نظیر
نہ دیکھنے دی مجھے اپنی آنکھ بھر صورت

(١٦٩)

دل ہے یوں پہلو میں یاد بت گلفام سمیت　　جیسے رہتا ہے انگوٹھی میں نگیں نام سمیت

کھل گئی مکھڑے پہ جب کاکل مشکیں اس کی　　آئی اس وقت نظر ہم کو سحر شام سمیت

جب گیا باغ میں وہ غنچہ دہن مے گوں چشم　　آگیا رشک میں پستہ گل بادام سمیت

دیکھی ساقی کے حنا پنجہ مہ رشک میں جب　　بوسہ دست لیا ہم نے لب جام سمیت

خوش ہوا دیکھ کے کیا کیا چمنستاں کو نظیر
جب وہ گلشن میں گیا اپنے گل اندام سمیت

(١٧٠)

کھل گیا رخسار اس کا جب گھڑی کاکل سمیت　　حسن کے گلشن کا دیکھا ہم نے گل سنبل سمیت

ہم کو دیکھا باغ میں اس نازنیں کے ساتھ جب　　ہوگئی محو نگاہ رشک بلبل گل سمیت

بزم میں اس کی بہار چشم مے گوں دیکھ کر　　کیا کہوں کیا کیا ہوا مدہوش ساقی مل سمیت

اس کے بازو کی لچک سے لگ کے یوں ملتا ہے دل　　جس کی جنبش پر فدا ہو شاخ گل بلبل سمیت

خوش ہوا دل میں وے ناخوش وہ ظاہر میں نظیر
آگیا اس کی نظر جب ہاتھ میرا گل سمیت

(١٧١)

کیا نام خدا اپنی بھی رسوائی ہے کمبخت　　رسوائی مجنوں بھی تماشائی ہے کمبخت

لڑنے کو لڑے اُس سے پر اب کرتے ہیں افسوس
افسوس عجب اپنی بھی دانائی ہے کمبخت

اک بات بھی مل کر نہ کریں اُس سے ہم اے چرخ
کیا تجھ کو یہی بات پسند آئی ہے کمبخت

ہمدم تو یہی کہتے ہیں چل بزم میں اُس کی
کیا کہیئے اُسے اپنی جو خود رائی ہے کمبخت

وہ تو نہیں واقف پہ ہمیں دل میں خجل ہیں
کس منہ سے کہیں ہم نے قسم کھائی ہے کمبخت

یار و ہمیں تکلیف نہ دو سیر چمن کی [1]
آنے دو بلا سے جو بہار آئی ہے کمبخت

رہنے دو ہمیں کنج قفس میں کہ ہمارے
قسمت میں یہی گوشۂ تنہائی ہے کمبخت

اس جام نگوں سے مئے راحت نہ طلب کر
یاں بادہ نہیں بادیہ پیمائی ہے کمبخت

توڑے ہیں بہت شیشۂ دل جس نے نظیر آہ
پھر چرخ وہی گنبد مینائی ہے کمبخت

(۱۷۲)

قسمت میں گر ہماری، یہ مے ہے تو ساقیا
بے اختیار، آپ سے شیشہ کرے گا جست

کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و دُرد کا
اے ساقیانِ بزم، بیارید ہر چہ ہست

متفرقات ردیف (ت)

فرد

تری قُدرت کی قدرت، کون پا سکتا ہے کیا قدرت
ترے آگے کوئی قادر کب آسکتا ہے، کیا قدرت

ردیف تائے ہندی (ٹ)

(۱۷۳)

گلے سے دل کے رہی یوں ہے زلف یار لپٹ
کہ جوں سپیرے کی گردن میں جائے مار لپٹ

مزے اٹھاتے کمر بند کی طرح سے اگر
کمر سے یار کی جاتے ہم ایک بار لپٹ

[1] غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو + مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا غالب

[2] آسماں جام نگوں داں کز مے عشرت تہی است جستن بے باکی ساغر نشاں [?] اُلٹی است جامی آسی

ہمارے پاس وہ آیا تو کھول کر آغوش ق یہ چاہا جاویں ہم اُس سے بہ انکسار لپیٹ
وہیں وہ دور سرک کر عتاب سے بولا ہمارے ساتھ نہ ہو کر تو بیقرار لپیٹ

ہمیں جو چاہیں تو لپٹیں نظیر اب ورنہ
تو چاہے لپٹے سو ممکن نہیں ہزار لپیٹ

(۱۷۴)

نگہ لڑانے کے آگے اسکی ہے ناز کرتی بڑی لگاوٹ
حنا دکھانے کے سامنے بھی ہے دست بستہ کھڑی لگاوٹ

دکھا کے چیں کو جبیں کے اوپر اسے تو کچھ حسن ہے دکھاتا
جو سادہ دل ہو تو سمجھے خفگی اور اس کی ہر وہ بڑی لگاوٹ

چھڑی اُٹھاتا ہے جب وہ گل کی تو ہے کچھ اس میں بھی گل کھلاتا
لگا دے تن پر وہ جس کے ہنس کر تو وہ چھڑی ہے چھڑی لگاوٹ

خفا ہو جس سے تو وہ یہ جانے کہ مجھ سے روٹھا بس اب ولیکن
پھنسا وہ پھندے میں مدتوں کو جہاں تک اسکی لڑی لگاوٹ

نظیر دل کو بچا وے یار و کب اس صنم سے کہ جس میں ہو وے
گھڑی مچلنا۔ گھڑی چہکنا۔ گھڑی جھجکنا گھڑی لگاوٹ

(۱۷۵)

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ
باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ

آتے نہیں اوّل تو کبھی، اور کہیں شاید
تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ

جس بات میں کچھ رمز تھی اور ہم جو نہ سمجھے
وہ ہم کو جو سمجھائی تو اس میں بھی لگاوٹ

بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط جہل
اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ

ہنسنے میں نظیر اس کے لگاوٹ تو ہے لیکن
ابرو میں جو چیں آئی تو اس میں بھی لگاوٹ

ردیف ثاء مثلثہ (ث)

(۱۷۶)

بتوں کی چاہ نہیں ہم کو دل پذیر عبث
ہم ان کی زلف میں ہوتے نہیں اسیر عبث

کتاں جو عشق کے باعث سے ٹکڑے ہوتا ہے
اگرچہ اس سے کرے ہمسری حریر[1] عبث

وہ ہم کو چھوڑ گیے ہے اور لوگ ہنس کے کہتے ہیں
کرے ہے چاہ بڑھاپے میں دیکھو پیر عبث

جھکے تھے بوسے کو لینے، نہ پائے جب ہیہات
ہم اس کی نظروں میں اے دل ہوے حقیر عبث

وہ پوچھتا بھی نہیں اور نہ منھ لگاتا ہے
لپٹتے پھرتے ہو اس سے میاں نظیر عبث

(۱۷۷)

دے کے دل بے مہر کو کرنا گلا یہ بھی عبث
اور جو کہیئے اس سے مت کر تو جفا یہ بھی عبث

دام میں پھنس کر غلط فہمی ہے کہنا چھوڑ دو
پھر جو یہ کہیئے نہ کیجے اب رہا یہ بھی عبث

ہوں جو بے درد ان سے کیا رکھیے توقع لطف کی
کچھ اگر رکھیئے تو پھر ہوتا ہے کیا یہ بھی عبث

سن کے خواہش بوسہ و دشنام کی بولا وہ شوخ
یہ تمنا بھی ہے بے جا مدعا یہ بھی عبث

جب نہ ہو دشنام کے دینے کے لائق تو نظیر
پھر جو بوسے کے لیے تو نے کہا یہ بھی عبث

ردیف جیم (ج)

(۱۷۸)

کرنے لگا دل طلب جب وہ بت خوش مزاج
ہم نے کہا جان کل اس نے کہا ہنس کے آج

زلف نے اس کی دیا کاکل سنبل کو رشک
چشم سیہ نے لیا چشم سے آہو کے باج[2]

[1] حریر۔ ایک ریشمی کپڑا ۱۲۔
[2] باج۔ خراج محصول ۱۲ آسی

اس کی وہ بیمار چشم دیکھ رہا تو، جو دل
رہ تو سہی میں ترا کرتا ہوں کیسا علاج

کام پڑا آن کر چاہ سے جس دن ہمیں
چھٹ گئے اس روز سے اور جو تھے کام کاج

دل تو نہ دیتے ہم آہ ے گئی لیکن نظیر
اس کی جبیں کی حیا اور وہ آنکھوں کی لاج

(١٧٩)

اس کے تشریف جو لانے کی خبر پائی آج
دل نے کی پھر ہوس انجمن آرائی آج

کیوں نہ جوں جام ہنسیں ہم کہ بہت مدّت میں
اپنے دلخواہ پھرا گنبد مینائی آج

ہو گئی باغ میں عطریت سنبل برباد
نکہت اس زلف کی لے کر جو صبا آئی آج

اس کے کوچے کی طرف جاتے ہیں ہم نے ہمدم
ق امتحان کو جو ذرا دیر کی ٹھہرائی آج

شام نزدیک جب آئی تو کہا اس نے نظیر
کیا سبب ہے نہیں آیا جو وہ سودائی آج

ردیف جیم فارسی (چ)

(١٨٠)

بتوں کی کاکلوں کے دیکھ کر پیچ
پڑے ہیں دل پہ کیا کیا پیچ پر پیچ

طریقِ عشق بے رہبر نہ ہو سطے
کہ ہے یہ رہ نہایت پیچ در پیچ

نہ ہووے دل کی تکل کٹ کے برباد
اگر ڈالے نہ وہ تارِ نظر پیچ

وہ زلف اس کی جو ہے پُرپیچ و پُرخم
کمندِ جاں ہے اے دل اسکا ہر پیچ

نظیر اک روز اپنے زخم سر کو
ق جو باندھا ہم نے دے کر بیشتر پیچ

نظر کرتے ہی اس سرکش نے اک بار
کہا کر کے سخن کا مختصر پیچ

دعا دیجیے ہماری تیغ کو آج
کہ جس نے آپ کو بخشا یہ سرپیچ

لہ تکل۔ ایک قسم کا پتنگ جس میں دو کانپیں ہوتی ہیں ۱۲ ؎ سرپیچ پگڑی۔ جیغہ ۱۲ آسی

(۱۸۱)

اس کے بالا ہے اب وہ کان کے بیچ
جس کی کھپتی ہے جھمکے کی جان کے بیچ

دل کو اس کی ہوا نے آن کے بیچ
کر دیا بادلا اک آن کے بیچ

آتے اس کو ادھر سنا جس دم
ق
آ گئی انبساط جان کے بیچ

راہ دیکھی بہت نظیر اس کی
جب نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ

پان بھی پاندان میں بند رہے
عطر بھی قید عطردان کے بیچ

(۱۸۲)

کی تم نے جفا ہم نے وفا جھوٹ ہے یا سچ
سوچو تو اسے دل میں ذرا جھوٹ ہے یا سچ

غصہ بھی کیا دکھ بھی دیے تم نے ولیکن
چپ ہو رہے ہم پر کبھی جھگڑا جھوٹ ہے یا سچ

تم ہم سے کئی بار خفا ہو گئے اے جان
پر ہم نہ ہوئے تم سے خفا جھوٹ ہے یا سچ

جو تم نے کہا اس کے بجا لانے میں ہم نے
اک لحظہ توقف نہ کیا جھوٹ ہے یا سچ

سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہنس کے بصد ناز
جانے اسے اب میری بلا جھوٹ ہے یا سچ

نظیر، یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا؟ ۳۳ سنا نہیں ہے وہ تو نے کہ "سانچ کو کیا آنچ"؟

ردیف حائے حطی (ح)

(۱۸۳)

کچھ ایسی ہے کوئے یار کی صبح
ہو جس سے خجل بہار کی صبح

نکھرا جو کھلا سحر کو اس کا
گردوں نے دہیں نثار کی صبح

کی زلف سیہ نے منفعل شام
رخسار نے شرمسار کی صبح

لہ جھوک۔ لرزش لچک۔ ریلا جھمکی دھکا۔ ۱۲ سے آن بمعنی ساعت۔ یعنی دونوں مصرعوں میں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تحریف کاتب ہو۔ اگر مطابق اصل لکھا گیا۔ ورنہ یہ ایطائے جلی کی بدترین مثال ہے۔ ۱۲ آسی

رہتا ہے جہاں وہ یار ہم کو
اُس گل بنے سنی جو بے قراری
فرمایا کریں گے ہم تسلّی

ق

بھاتی ہے اُسی دیار کی صُبح
میرے دلِ بیقرار کی صُبح
اس خستۂ دل فگار کی صُبح

(۱۸۴)

تھی چھُوٹ اس کے کھڑے پر کل زلف مسلسل اور طرح
پھر دیکھا آج تو اس گل کے تھے کاکل کے بل اور طرح

وہ دیکھ جھڑکتا ہے ہم کو، گر غصّہ ہر دم اور رہیں
ہے چین اسی کے ملنے سے زنہار نہیں کل اور طرح

معلوم نہیں کیا بات کہی غمّاز نے اس سے جو ہم سے
تھیں پہلی باتیں اور نمط اب بولے ہے چنچل اور طرح

دل مجھ سے اس کے ملنے کو کہتا ہے تو اس کے پاس مجھے
جب لے پہونچا تھا بھیس بدل پھر اب کے لے چل اور طرح

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیرؔ اس یار کا ہم کو جس کی ہیں
صبح اور برن شام اور بھبن آج اور روش کل اور طرح

(۱۸۵)

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس کی طرح
محفل خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں
دیکھ کر حیرت زدہ محبوب نے مجھ سے کہا
جب نہ میں کچھ کہہ سکا تب ہنس کے اُس نے ناز سے

ق

جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح
ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح
دے نشاں اس کا تو اب حیرت زدہ کس کی طرح
رکھ کے آئینے پہ انگلی یوں کہا اس کی طرح

جس کو کہتے ہیں نگاہ لطف خوباں اے نظیرؔ
ہے وہ مثل کیمیا ہم منتظر مس کی طرح

ردیف خاء معجمہ (خ)

(۱۸۶)

جب مجھ سے پھیرتا ہے وہ کرکے عتاب رُخ
ہوتا ہے آنسوؤں سے مرا غرق آب رخ

غش سے نہ آوے ہوش میں مجبور ناتواں
چھڑکے اگر نہ لطف سے اس کا گلاب رخ

پھرتے ہیں اُس جبیں کی تمنا میں مہ جبیں
اور رُخ کے منتظر ہیں کئی آفتاب رخ

ناخن سے میرے رخ کو جو کرتا نہ ہو فگار
تو آکے مجھ کو یار دکھا دے شتاب رخ

تابش سے جس کے چہرے کی خورشید ہو خجل
پھر مہ کب اُس کا دیکھ سکے بے نقاب رخ

جس شخص منتخب ہے یہ پوچھیں ہیں جاکے ہم
دیوان حسن میں ہے وہ کیسا کتاب رخ

کہتا ہے وہ کہ جتنے پری رو ہیں اے نظیر
سب میں اُسی کا ہم نے کیا انتخاب رخ

(۱۸۷)

چھپاتا ہے جو ہم سے وہ صنم رخ
دکھاتا ہے ہمیں کیا کیا الم رخ

نہیں دم لینے دیتی بے قراری
نہ دیکھیں ہم جو اس کا ایک دم رخ

ق
نظر آتی ہے کیا کیا شکل فرحت
ٹک اس کا دیکھ لیتے ہیں جو ہم رخ

نظیر اس دلربا کا حسن ہے وہ
پری جس کے نہیں ہو سکتی ہم[لہ] رخ

قمر ہر شام تکتا ہے جبیں کو
سحر دیکھے ہے مہر صبحدم رخ

لہ یعنی پری کا رخ ویسا نہیں ہو سکتا۔ آسی

(۱۸۸)

ہم تو ہو جائیں اس سے اب گستاخ
ہونے دے گا مگر وہ کب گستاخ

ق
ایک شب ہم نے بے قراری سے
چھو لی زلف اس کی ہو کے جب گستاخ

لا کے ابرو پہ چیں کہا اُس نے — نکلے تم تو کوئی عجب گستاخ
ہم تو اس کی بہت سزا دیں گے — کس لیے تم ہو بے ادب گستاخ

آج تو زلف چھو لی تم نے نظیر
کل یوں ہی چوم لو گے لب گستاخ

ردیف دال مہملہ (د)

(۱۸۹)

مرہم ہو کس طرح سے دل افگار کو پسند — آئی ہے کب شفا دلِ بیمار کو پسند
دل جنس طرفہ اپنی تو ہے فہم میں مگر — جب جانیے کہ آوے خریدار کو پسند
تھے ہم تو خود پسند بہت لیکن عشق میں — اب ہے وہی پسند جو ہو یار کو پسند
کل سے ہمارے پہلو میں فریاد دل نہیں — کیا جانیے آگیا وہ کس عیار[1] کو پسند
آزادگی میں عیش ہیں لاکھوں پر آوے کب — اُس زلف پر شکن کے گرفتار کو پسند
کیونکر نہ ٹکڑے ٹکڑے ہو دل اُس کا جو کرے — سو جان سے تیغ ابروے خمدار کو پسند
کوچے میں دلبروں کے دل ناتواں کو ہم — جب لے گئے کہ ہو کسی دلدار کو پسند
واں جس نے دیکھا اُس نے کہا منہ کے ادھیان — کرتا ہے کون ایسے دل زار کو پسند

ناچار پھیر لائے اُسے ہم کہ وہ نظیر
آیا نہ مہر ورز نہ ستمگار کو پسند

(۱۹۰)

جب ہم کو اس کی زلف کے آئے پسند بند — ایسے پھنسے کہ جس سے بندھے دل کے بند بند
مکر و فریب[2] روز جو آتے ہو تم میاں — ہم کو بھی کتنے یاد ہیں اس ڈھب کے چھند[2] بند
گردن کب ایسی کاکل پر پیچ سے چھٹے — بندش میں[3] حلقہ حلقہ ہے جس کا کمند بند

۱ سقوط۔ عین ۱۲
۲ چھند بند۔ مکر و فریب ۱۲
۳ یعنی جس کے ایک ایک حلقے میں کمند کے بند کا اثر ہے ۱۲ آسی۔

ہوتے ہی قید چاہ میں تڑپا دل اس طرح
پھڑکے ہے جیسے دام میں ہو کر پرند بند

آیا جو وہ تو اس سے نظیر اس طرح ملا
نیمے[1] کے جس میں ٹوٹ گئے اس کے چند بند

(۱۹۱)

در پے ہیں دل اپنے کے ادھر عشوہ گرے چند
خواہندۂ یک جاں ہیں ادھر مو کمرے چند

کیا کیا مگس ہوش کے باندھیں ہیں پر و بال
کر کر کے شکر خند، بہم لب شکرے چند

ایک دن یہ ہوا عزم کہ با صد طرب و عیش
گلشن میں بسر کیجیے شام و سحرے چند

جب گھر سے چلا میں تو ملے راہ میں اک جا
حیرت زدہ و خستہ و خونیں جگرے چند

دیکھا جو مجھے سوئے چمن گرم تگ و پو
یوں لب سے کیے پند کے افشاں گہرے چند

اے یار تو جاتا ہے چمن میں تو خبردار
جلدی ہی نکل آئیو کر کے نظرے چند

واں آج تو البتہ چھپتا ہیں بہر سو
داؤدی و نسرین و گل و برگ دبے چند

گل برگ خزاں دیدہ نظیر اس میں اڑیں گے
اور ہوں گے پڑے بلبل و قمری کے پرے چند

(۱۹۲)

چھوٹا، بڑا، نہ کم، نہ منجھولا ازار بند
ہے اُس پری کا سب سے امولا[2] ازار بند

ہر اک قدم پہ شوخ کے زانو کے درمیان
کھاتا ہے کس جھلک سے جھکولا ازار بند

گوٹا، کناری، بادلہ، مقیش کے سوا
تھے چار تولے موتی، جو تولا ازار بند

ہنسنے میں ہاتھ میرا کہیں لگ گیا تو وہ
لونڈی سے بولی "جا مرا دھو لا ازار بند"

"اور دھو نہیں، تو پھینک دے، ناپاک ہو گیا،
وہ دوسرا جو ہے، سو پرو لا ازار بند"

اک دن کہا یہ میں نے کہ "اے جان آپ کا
ہم نے کبھو مزے میں نہ..... ازار بند"

سُن کر لگی یہ کہنے کہ "اے واہ چھڑے، چہ خوش
ایسا بھی کیا میں، کھتی ہو! بہ بولا ازار بند"

[1] نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ - یا اونچی صدری ۱۲
[2] امولا - بے قیمت بیش بہا اسی

آجاوے اس طرح سے جواب ہر کسی کے ہاتھ — ویسا تو کچھ نہیں مرا بھولا ازار بند"
اک رات میرے ساتھ وہ عیار، مکرباز — لیٹی، چھپا کے اپنا ممولا ازار بند
جب سو گئی تو میں نے بھی دہشت سے اُسکی آ — پہلے تو چھپکے چھپکے ٹٹولا ازار بند

آخر بڑی تلاش سے اُس شوخ کا نظیر
جب آدھی رات گزری تو...... ازار بند

(۱۹۳)

تو ہی نہ سنے جب دل ناشاد کی فریاد — پھر کس سے کریں ہم تری بیداد کی فریاد
تیشے کی وہ کھٹ کھٹ کا نہ تھا غلغلہ یارو — کی غور تو وہ تھی دل فرہاد کی فریاد
کل رات کو اس شوخ کی جا کر پس دیوار — اک درد فراہم نے جو بنیاد کی فریاد
سنتے ہی کہا اس نے کہ ہاں دیکھو تو اس جا — کس نے یہ بلکتی ہوئی ایجاد کی فریاد

فریاد نظیر آگے ہی اس کے ہے بہت خوب
واں دیکھنے کا دیکھنا فریاد کی فریاد

سلہ کاغذ یعنی خط
نامہ ۱۲ سے ۲
جب نہ تب
گاہ بیگاہ ۱۲
آسی

ردیف ذال معجمہ (ذ)

(۱۹۴)

دیا ہمارا اُسے نامہ بر نے جب کاغذ — تو بولا طیش میں آکر پھر آیا اب کاغذ
ابھی تو دیر نہ گزری تھی ایک ساعت کی — وہ سمجھا کیا ہے جو بھیجے ہے جب تب کاغذ
جنوں ہوا اُسے یا خبط جس میں کھو کر ہوش — گھڑی گھڑی جو وہ لکھتا ہے بے سبب کاغذ
رقم کرے ہے اگر وہ جواب خط ہم کو — تو کوئی پوچھے اُسے ہم نے بھیجا کب کاغذ
کبھی نہ ہم نے لکھا اُس کو یہ کہ تو یاں آ — کبھی نہ اس سے کیا بھول کر طلب کاغذ
بغیر لکھنے کے اوپر یہ کچھ قیامت ہے — کہ پے بہ پے چلے آتے ہیں روز و شب کاغذ

غرض یہ آکے کہا ہم سے نامہ بر نے نظیرؔ
کہ تم بھی زور ہو اور لکھتے ہو عجب کاغذ

(۱۹۵)

جو یاویں دست بت دلستاں کا تعویذ — تو ہم بنا دیں اسے اپنی جان کا تعویذ
یقیں ہو جس کے اثر کا وہ نقش دل کا ہے — قلم سے لکھیے تو ہے وہ کمان کا تعویذ
جنونِ عشق میں تاثیر کی یہ بو، لاوے — بخط مشک ہو یا زعفران کا تعویذ
کلائی ہم نے جو پکڑی پچک گیا۔ ہمدم — وہ اس کے دست نزاکت نشاں کا تعویذ

نہ اُٹھتا پہونچے سے بھاری اسی سبب سے نظیرؔ
بنا تھا بھاپ سے وہ عطر داں کا تعویذ

(۱۹۶)

ہو کچھ آسیب تو واں چاہیے گنڈا تعویذ — اور جو ہو عشق کا سایہ تو کرے کیا تعویذ
دل کو جس وقت یہ جن آن کے لپٹا پھر تو — کیا کریں واں وہ جو لکھتے ہیں فلیتا تعویذ
ہم تو جب ہوش میں آویں جو کہیں سے پاویں — یار کے ہاتھ کا بازو کا گلے کا تعویذ
زور تعویذ کا چلتا تو عرب میں یارو — کیا کوئی ایک بھی مجنوں کو نہ دیتا تعویذ
کوہکن کوہ کو کس واسطے کاٹا کرتا — دیتے غم خوار نہ کیا اس کے تئیں لا تعویذ
آخر اس کے بھی گیا دل کا نہ دھڑکا اس روز — قبر کا تیشے نے جب اس کے تراشا تعویذ

ہم کو بھی کتنے ہی لوگوں نے دیے آہ نظیرؔ
پر کسی کا کوئی کچھ کام نہ آیا تعویذ

مطلع

عشق کا، دُور کرے دل سے جو دھڑکا تعویذ ۳۴۴ اس دھڑاکے[۱] کا کوئی ہم نے نہ دیکھا تعویذ

[۱] دھڑاکے کا تعویذ یعنی زور کا تعویذ۔ ۱۲ آسی

ردیف رائے مہملہ (ر)

(۱۹۷)

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آبِ ارغوانی بھر[1] | کہ جوں ساغر میں دے ساقی شرابِ ارغوانی بھر
گلِ عارض شگفتہ صبح دم دیکھ اس کا خجلت سے | گیا[2] پانی سحر کا آفتابِ ارغوانی بھر
بھری ہے کاسۂ سر میں وہی اپنے ہوا ساقی | کہ جس سے ہے رہا مے کا حبابِ ارغوانی بھر
گلوں سے اشک کے اس دیدۂ خونبار نے یارو | دیا اک دم میں دامانِ سحابِ ارغوانی بھر

نظیر اس گل نے بنوائے جو تھے اوراق گلگوں کے
گئی شعروں سے وہ تیرے کتابِ ارغوانی بھر

(۱۹۸)

ایک دن اس مہر خوبی کے حضور | ق | بیٹھ کر ہم نے کہا اے رشکِ حور
ہم کریں عجز و نیاز و انکسار | تم کرو جور و جفا ناز و غرور
کچھ سبب اس کا بتا جو اس گھڑی | یہ تعجب ہو ہمارے دل سے دور
سن کے فرمایا کہ گل نے باغ میں | کب لیا بلبل کے دل کو کرکے زور[3]
شمع نے بھی کب کہا پروانے کو | یہ کہ تو جل مجھ پہ ہو کر ناصبور
بلبل و پروانہ جب آپ ہی کریں | اس میں گل اور شمع کا پھر کیا قصور

عشق میں بوڑھے ہوئے تم بھی نظیر
اب تلک تم میں نہ آیا کچھ شعور

(۱۹۹)

کس طرح مل جائیے اس چنچلے[4] سے دوڑ کر | ڈر کے چلتا ہے جو اپنے دل جلے سے دوڑ کر
گھر سے جب آیا وہ اوپر دیکھنے کو اس کے میں | اٹھ چلا دیوار کے سایے تلے سے دوڑ کر

[1] آبِ ارغوانی مراد سرخ پانی، خون کے آنسو
[2] پانی بھرنا عاجز ہونا ۱۲
[3] زور، مکر، فریب، حیلہ، بہانہ ۱۲
[4] چنچلا ـ چلبلا ۱۲
آسی

عید کے دن بھی نہیں ملتے سمجھ ہم کو بُرا
شام تک بھی وہ نہ نکلا گھر سے اپنے ہمنشیں

ہاں میاں سچ ہے کہ ملتے ہیں بھلے سے دوڑ کر
کیا ہوا جو ہم گئے تھے دن ڈھلے سے دوڑ کر

آج اس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیرؔ
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

(۲۰۰)

بسمل کے گلے کی نہیں تدبیر کوئی اور
جز یہ کہ لگا جائیے شمشیر کوئی اور

یوں چھوڑ کے زخمی جو ہیں جاتے ہو تم آہ
کیا ترکش مژگاں میں نہیں تیر کوئی اور

اس لطف سے جز موئے قلم مانیٔ تقدیر
کیا تاب جو کھینچے تری تصویر کوئی اور

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتے تو غضب تھا
صد شکر کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور

غنچہ بھی تری تنگدلی دیکھ نظیرؔ آہ
کہتا ہے کہ ایسا نہیں دلگیر کوئی اور

(۲۰۱)

یوں آئینے میں عارض تر آئے ہے نظر
پانی میں جیسے عکس قمر آئے ہے نظر

حسن صفا سے اس رخ آئینہ رشک پر
ٹھہرے ہے کب نظر وہ اگر آئے ہے نظر

کاری وہ زخم سینہ مرا ہے کہ جھانک کر
دیکھے اگر کوئی تو جگر آئے ہے نظر

جینے کو اپنے ہم نے جو سوچا تو ہمنشیں
دونوں جہاں میں اس کا ہی در آئے ہے نظر

بھولے ہم اس کے کوچے کو جنت میں کب نظیرؔ
اپنا ہزار کوس سے گھر آئے ہے نظر

(۲۰۲)

ہرگز نہ پلائے مجھے تو آنکھ بدل کر
ساقی ترے کوچے سے نہ جاؤں گا سنبھل کر

میں کشتۂ ابرو ہوں ترا اے مرے قاتل،
آتے ہوئے ہاتھ میں کیوں تیغ، مچل کر

لہ حال سے
... عزم دیر شاید
کعبے سے پھر کر
لوٹ آتا ہے
... دور ہی سے
... کو نظر اپنا
آتی

تم نے تو ابھی دل سے کیا قتل ہے مجھ کو — بیٹھے ہو لبیں باندھ کے باہر جو نکل کر

جب ہم سے خفا ہوکے ہے وہ شمع رو جاتا — خاموش ہو رہ جاتا ہوں پروانہ سا جل کر

میں عاشق بے دل ہوں ترا، اے مرے جانی! — مت آنکھ چرا ہم سے، تو ایسا نہ خلل کر

کہتا ہے نظیرؔ اس کو ذرا پیار سے تو سو جا

تب اُٹھ کے کھڑا ہوتا ہے وہ شوخ اچھل کر

(۲۰۳)

رہے جو شب کو ہم اُس گل کے ساتھ کوٹھے پر — تو کیا بہار سے گزری ہے رات کوٹھے پر

یہ دھوم دھام رہی صبح تک، اہاہاہا! — کسی کے اُترے ہے جیسے برات کوٹھے پر

مکاں جو عیش کا ہاتھ آیا، غیر سے خالی — پٹے کے چلنے لگے پھر تو ہات کوٹھے پر

گرایا، شور کیا، گالیاں دیں، دھوم مچی — عجب طرح کی ہوئی واردات کوٹھے پر

لکھیں ہم عیش کی تختی کو کس طرح اے جاں — قلم زمین کے اوپر، دوات کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے دل کو لے لیجے — یہ ضبس یوں نہیں آنے کی ہات کوٹھے پر

خدا کے واسطے زینے کی راہ بتلاؤ — ہمیں بھی کہنی ہے کچھ تم سے بات کوٹھے پر

لپٹ کے سوئے جو اُس گل بدن کے ساتھ نظیرؔ

تمام ہو گئیں حل مشکلات کوٹھے پر

(۲۰۴)

کبھی تو آؤ، ہمارے بھی جان کوٹھے پر — لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر — کرو گے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمھیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے — تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی — تو آرہے گی تمھارے ہی، جان، کوٹھے پر

مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے — پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان، کوٹھے پر

لہ لبیں باندھ کر بیٹھنا۔ سکوت اختیار کر کے بیٹھنا ؟ آسی

بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے		تمہارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر
جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے		جبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر
تمہیں تو کیا ہے، ولیکن مری خرابی ہو		کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر
گو یہ جو نے کاری میں ہوتی ہے سُرخی تو ایسی		کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر
یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد		کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر
لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!	ق	کہ تھا ہمیں تو تمہارا ہی دھیان کوٹھے پر
خدا کے واسطے، اتنا تو جھوٹ مت بولو		کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیرؔ
چڑھا لیا مجھے اپنے ندان[1] کوٹھے پر

(۲۰۵)

دھواں کلیجے سے میرے نکلا جلا جو دل بس کہ رشک کھا کر
وہ رشک یہ تھا کہ غیر سے ٹک ہنسا تھا چنچل مسی لگا کر

فقط جو چتون پہ غور کیجیے تو وہ بھی وہ سحر ہے کہ جس کا
کرشمہ بندہ، غلام غمزہ، دغائیں نوکر، فریب چاکر

خرام کی ہے وہ طرز یارو کہ جس میں نکلیں کئی ادائیں
قدم جو رکھنا تو تن کے رکھنا جو پھر اُٹھانا تو ڈگمگا کر

لٹک میں بُندوں کی دل جو آوے تو خیر بندے ہی اُس کو لیں
وگرنہ آوے تو پھر نہ چھوڑے ادھر سے بالا جھمک دکھا کر

مجال کیا ہے جو دو بدو ہو نظر سے کوئی نظر لڑاوے
مگر کسی نے جو اس کو دیکھا تو سو خرابی سے چھپ چھپا کر

سنے کسی کے نہ درد دل کو وگر سنے تو جھڑک کے اس کو

[1] ندان ۔ آخر کار ۱۲ آسی

یہ صاف کہدے تو کیا بلا ہے جو سر پھرا تا ہے ناحق آکر

نظیر وہ بت ہے دشمن جاں نہ ملیو اس سے تو دیکھ ہرگز
دگر ملا تو خدا ہے حافظ، بچے ہیں ہم بھی خدا خدا کر

(۲۰۶)

دیتے ہیں جان حور و ملک جس کی آن پر
سبزہ[2] پڑا ہے کان میں اس سبزہ رنگ کے
جگنی[3] پہ جان تڑپے ہے چنپا کلی پہ دل

کیونکر نہ ہو پھر اُس کا دماغ آسمان پر[1]
سر سبزیاں ہیں اب تو زمرد کی کان پر
اور روح لوٹتی ہے پڑی عطر دان پر

کوچے میں اس کے جاتے تھے سینہ سپر کیے
کل تو میاں نظیر بھی کھیلے تھے جان پر

(۲۰۷)

رکھی ہرگز نہ ترے رُخِ بدر کی قدر
عزت و قدر کی اُس گُل سے، توقع ہے عبث
راتی خوار نشے اُس چشمِ فسوں پرور سے
مے پرستوں میں ہے یوں، ساغر دینا کا وقار

کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شب قدر کی قدر
واں، نہ عزت کی کچھ عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر
ہاں، اگر منزلتِ مکر ہے، اور غدر[4] کی قدر
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر[5] کی قدر

کفش برداری سے، اُس مہر کی، چمکا ہے نظیر
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بے قدر کی قدر

غزل مستزاد

(۲۰۸)

یوں ہجر میں روتا ہوں میں اُس گل کے شب و روز کر نالہ و فریاد جیسے کہ کسی وقت
یوسف کے لیے، روئی تھیں یعقوب کی آنکھیں۔ ہر شام و سحر کو۔ خوناب میں بھر بھر

---

[1] آسمان پر دماغ ہونا۔ غرور ہونا ۱۲
[2] سبزہ۔ سبز رنگ کا بندا جو کان میں پہنا جاتا ہے زمرد۔ پنّا۔
[3] جگنی۔ گلے کا ایک زیور۔ چنپا کلی بگلے کا ایک زیور ۱۲
[4] غدر۔ بیوفائی۔ شکستِ عہد ۱۲
[5] صدر زمانہ شاہی کا ایک معزز عہدہ ۱۲ آسی

خط میں نے جو بھیجا اُسے با حسرت دیدار۔ لکھ خونِ جگر سے۔ اور داغ کی کر مُہر
تکتی رہیں جا کر مرے مکتوب کی آنکھیں اُس رشکِ قمر کو۔ حسرت سے سراسر

(۲۰۹)

پڑی ہے خاک گورستاں میں کیا کیا قدِ موزوں پر	اُگی ہے گھاس کس کس گلبدن کے روئے گلگوں پر
وہ رکھے اینٹ چھاتی پر بزیرِ خاک سوتے ہیں	چمکتے تھے سُنہرے قصر جن کے بامِ گردوں پر

(۲۱۰)

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخرِ کار	موسیٰ بیخود ہوئے اور جل گیا طور آخرِ کار
قرب سمجھا تھا جسے تو وہ ہے دوری ای شیخ	اُسی نزدیک نے پھینکا تجھے دور آخرِ کار

(۲۱۱)

دنیا ہے ایک نگار فریبندہ جلوہ گر	الفت میں اس کی کچھ نہیں جز کلفت و ضرر
آج اس پہ تھی کمیں تو لگائی کل اس پہ گھات	حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر
ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال	جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر
سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہر فریب دل	حیران ہو سحر سامری بھی جس کو دیکھ کر
لینے کو نقدِ عمر کے شیریں ہے مثل قند	جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر ہو منفعل	ملتے ہیں اپنے دست تاسف بیک دگر
تو بھی جو اس کے پاس لگا دیگا دل تو یار	اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر
میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع آہ	لیکن کروں میں کیا۔ تجھے در پیش ہے سفر
تو اس مثل کو سوچ ذرا اگر سفر گزیں	کرتا ہے قطع راہ کو باندشہ ہوئے گر
گر درمیان رہ کوئی مل جائے باغ اُسے	تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر
بس اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط	سیر مسافرانہ کر اور اس سے در گذر
اس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں	کرتا ہے جیسے نقش نگیں کے جگر میں گھر

(۲۱۲)

مستزاد مثلث

بے جرم و خطا یار نہ کر چشم نمائی یتوری کو چڑھا کر ۔ اور رنجش بیجا سے نہ کر صاف لڑائی ۔ منھ سرخ بنا کر
اس جور کی کب ہم سے ہوئی عہدہ برائی ۔ اتنی نہ جفا کر

کرتا ہوں ترے ہجر میں اے شوخ پریزاد ۔ میں نالۂ و فریاد ۔ دیتا نہیں خاطر سے تری اے ستم ایجاد ۔ جب کوئی مری داد
پھر ہار کے دیتا ہوں میں تیری ہی دہائی ۔ ہاتھوں کو اٹھا کر

دل تڑپے ہے بسمل کی طرح جی میں نہیں جی ۔ مشتاق اجل ہوں ۔ آنکھوں میں نہ دم آیا ہے نہیں مرنے میں باقی ۔ چھِن یا کوئی پل ہوں
لائی ہے مجھے ظالم تری اس درجہ جدائی ۔ بے اجل ملا کر

سدھ لیگئی بالے کی جھمک صبر کرن پھول ۔ اور عقل کو بُندے ۔ بالے کی گئی بھوک لگا سینہ میں اک ہول ۔ دل لیگئے جھمکے
اور جی کے تئیں لیگئی زنجیر طلائی ۔ زنجیر پنہا کر

کاجل کی کھچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفاں ۔ جو ہوش اُڑایا ۔ مِسّی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نمایاں ۔ غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی ۔ مہندی کو دکھا کر

کیا اسکی نزاکت کا اب میں کہوں تن کی لطافت ۔ میلا ہو نگہ سے ۔ اور اسکے سوا اور یہ نرمی و نزاکت ۔ ٹک ناز و ادا سے
اک پھول اُٹھا دے تو مڑک جائے کلائی ۔ بل سیکڑوں کھا کر

۱؎ چھِن بالکسر ۔ گھنٹہ ۔ ساعت ۱۲
۲؎ ہول کرنا ۔ کسی دھار دار آلہ کا چبھو تا ۱۲ آسی

مستزاد دوم

(۲۱۳)

یہ نور فزا رخ ۔ کرتا ہے نگاہوں کو تر ا مطلع انوار ۔ اب تیرے سوا رخ ۔ کس کا ہے بتا نام خدا ایسا چمکدار
فرقت کے الم سے ۔ دل تڑپے ہے اور آنکھیں کھلی رہتی ہیں دن رات ۔ دیکھیں گے ترا رخ ۔ وہ کونسا دن ہوگا مبارک جو ہم اے یار

متفرقات ردیف "ر"

کتنا تنگ صفا ہے کہ پائے نگاہ کا ۳۵ ہلکا سا اک غبار ہے چہرے کے رنگ پر
داغ مرنے کا وہی محروم جانے جسکو، آہ! ۳۶ موت آپہونچی شتاب، اور یار آیا دیر کر

ردیف رائے ثقیلہ (ڑ)

(۲۱۴)

اے شوخ، ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ
ایسا ہی چھیڑنا ہے، تو اہل وفا کو چھیڑ

چھیڑے گا جب، تو پیش نہ جاویگا کچھ فسوں
اے دل نہ اُس کے افعی زلف دوتا کو چھیڑ

چھیڑیں تو یاد مجھ کو بھی ہیں گی بہت، ولے
دل کی خوشی یہ ہے کہ نہ اُس دلربا کو چھیڑ

رُک رُک کے اشک چشم کے لایا ہے عنقریب
اے غنچہ لب، بس اب نہ دل مبتلا کو چھیڑ

اک حرف چھیڑ کا تو صریحاً نہ کہہ نظیر
چھیڑے تو پردے پردے میں اُس پرجفا کو چھیڑ

(۲۱۵)

یوں ہم اس زلف میں آئے ہیں دل زار کو چھوڑ
جیسے جاتا ہے کوئی رات میں بیمار کو چھوڑ

آئی کیا نظر اس دم گل و سنبل کی بہار
رُخ پہ جب اس نے دیا کاکل[1] بلدار کو چھوڑ

عار کی اس نے تو پھر ہم نے کلائی پکڑی ق
اور نہ چنگل سے دیا دامن غبار کو چھوڑ

جب نظیر اس نے کہا چھوڑ تو یوں بولے ہم
دیں کلائی کو بھی اور دامن زرتار کو چھوڑ

پر یہ ہے شرط کہ تو ہاتھ میں لے تیغ میاں
یا کوئی ہاتھ ادھر چھوڑ دے یا عار کو چھوڑ

[1] کاکل بلدار۔ اکثر فصحا ایسی ترکیبوں کو جائز نہیں رکھتے ۱۲ آسی

(۲۱۶)

نازنیں اس نازنیں نے جب لیا منھ ہم سے موڑ
دل نے چاہا کھا کے بل دے رشتۂ الفت کو توڑ

ہم نے جب مارا طمانچہ دل کے اور گردن پکڑ
دی جھکا اور یوں کہا تو ان کے قدموں کو نہ چھوڑ

گر نہ سمجھا آج تک تو اب سمجھ اے بیوقوف
یہ تو تجھ کو ایک ہیں اور ان کو تجھ سے ہیں کروڑ

دم میں گھبراتا پھرے گا یاد رکھ اس بات کو
کل نہیں پڑنے کی ایسی ایک کل دیں گے مروڑ

کر یہی جلدی تو اس دم تجھ سے کہتا ہے نظیر
سر جھکا تقصیر بخشا، پاؤں پڑ اور ہاتھ جوڑ

ردیف زاء معجمہ (ز)

(۲۱۷)

آیا ادھر کو اک دن وہ گلبدن نہ ہرگز
کام آئے کچھ ہمارے اے دل جتن[1] نہ ہرگز

کب مل کے بیٹھے ہم سے وہ دلربا کہ اپنا
لگنے دے پیرہن سے جو پیرہن نہ ہرگز

کیا کیا ہوس کی ہم نے ملنے کی اس سے لیکن
آیا ہمارے بر میں وہ سیمتن نہ ہرگز

ساعد[2] ہیں اس صنم کے وہ سیمگوں کہ جن کو
نسریں[3] نہ پہونچے اصلا اور نسترن نہ ہرگز

ہو وے ذرا بھی ناخوش وہ خوش خرام جس میں
تو اے نظیر چلیو ایسا چلن نہ ہرگز

۱ جتن ہمراہی۔
۲ ساعد بجا۔
۳ نسرین نسترن سیوتی رسیوتی سفید بھید (؟) کا نام کو نسرین لغات میں سفید گلاب بھی بتایا گیا ہے آسی

(۲۱۸)

جو آوے منھ پہ ترے ماہتاب ہے کیا چیز
غرض یہ ماہ تو کیا آفتاب ہے کیا چیز

یہ پیرہن میں ہے اس گورے گورے تن کی جھلک
کہ جس کے سامنے موتی کی آب ہے کیا چیز

بھلا دیں ہم نے کتابیں کہ اس پری رو کے
کتابی چہرے کے آگے کتاب ہے کیا چیز

تمھارے ہجر میں آنکھیں ہماری مدت سے
نہیں یہ جانتیں دنیا میں خواب ہے کیا چیز

نظیرؔ حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال
میں کس سے پوچھوں یہ ندرت مآب ہے کیا چیز

جو سخت ہووے تو ایسا کہ کوہ آہن کا
جو نرم ہووے تو برگ گلاب ہے کیا چیز

(غزل کی طرز)

گھڑی میں سنگ گھڑی موم اور گھڑی فولاد
خدا ہی جانے یہ عالی جناب ہے کیا چیز

ردیف سین مہملہ (س)

(۲۱۹)

دل کے لینے کا رکھ کے دل میں پاس
آگیا وہ صنم ہمارے پاس

پہلے آنے سے اس کے آتی ہے
ہم کو اس زلف عنبریں کی باس

ﮨل کے جب وہ چلا تو ہم نے کہا
کل بھی گر تم نہ آئے بے وسواس

تو یہ خاطر میں یاد رکھیے گا
ہے بندھی ایک شے ہمارے پاس

جب نظیرؔ اس نے ہم سے کھلوائی
تھی وہ کیا چیز ریزۂ الماس[1]

(۲۲۰)

گردہ مژہ ہو مائل جنگ پر طاؤس
تو سہم[2] سے بے پر ہو خدنگ پر طاؤس

یوں زلف معنبر کے خط سبز ہے نزدیک
گویا پر طوطی ہے بجنگ پر طاؤس

دکھلاویں جو ہم داغ دل اپنے کی سیاہی
پرواز کرے خوف سے رنگ پر طاؤس

دیکھے جو ترے عاشق گل خوردہ کی تصویر
حیرت زدہ ہو دیدۂ رنگ پر طاؤس

لکھ لکھ کے نظیرؔ اس غزل تازہ کو خوباں
رکھ لیں گے کتابوں میں بہ رنگ پر طاؤس

---

[1] ریزۂ الماس۔ ہیرے کی کنی جسکے کھانے سے کلیجے وغیرہ میں زخم پڑتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے۔ ~~ آنسو نہ بہے جائیںگے اے ناصح ناداں ~~ ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی۔ داغؔ ~~ نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحت دل کا ~~ کہ اس میں ریزۂ الماس جزو اعظم ہے۔ غالبؔ

[2] سہم۔ خوف۔ ڈر۔

(۲۲۱)

زلفیں یہ دو نہیں رُخ دلبر کے آس پاس — ابر سیہ ہے ماہِ منوّر کے آس پاس
تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی، سچ کہہ اے نسیم — کس کی پھری تو زُلفِ معنبر کے آس پاس
گلشن میں جا کے پھرتا ہوں اُس قد کو یاد کر — رو دو پہر میں سرو و صنوبر کے آس پاس
رو دیں گے ہم تو دیکھیو کوچے میں اپنے یار — پانی ہی پانی ہو گا ہر اک گھر کے آس پاس
اُس شوخ کی طرف میں رقیبوں کے خوف سے — دیکھوں بھی ہوں تو، آہ! نظر بھر کے آس پاس
ہم تو کمر بندھانے کے حیلے سے پھر لیے — ٹپکے کے ساتھ ساتھ ستمگر کے آس پاس
مثلِ بینٹی آہ کا چکر سا باندھ دوں — پھرنے دے گر وہ اپنے مجھے سر کے آس پاس
باراں ہو گرچہ، باد ہو، کچھ ہو، ہر ایک بار — پھر آنا اُس صنم کے مجھے گھر کے آس پاس
اے شمع ٹک تو دیکھ کہ پروانہ اس گھڑی — کس کس طرح پھرے ہے ترے سر کے آس پاس
اس چاہ پر تو تجھ کو بھی لازم ہے یہ کہ اب — اُٹھ کے پھرے تو آ کے ہر اک سر کے آس پاس

کیا کیا ہجوم ہوں گے محبّوں کے اے نظیر
محشر کے روز ساقیِ کوثر کے آس پاس

فرد

۳۷ ابھی تازہ حلقۂ زلف میں جو پھنسا ہے طائرِ دل بھلا — اُسے رنج پہونچے ہے اے صبا تو گھڑی گھڑی ہلا قفس

ردیف شین معجمہ (ش)

(۲۲۲)

ہم نے پوچھا آپ کا آنا ہوا یاں کس روش — ہنس کے فرمایا کہ آئی آپ کے دل کی کشش
دل جونہی تڑپا وہیں دلدار آ پہونچا شتاب — اپنے دل کی اس قدر تاثیر رکھتی ہے طپش
سیر کو آیا تھا جس گلشن میں کل وہ نازنیں — تھی عجب نازاں بخود اس باٹ کی ایک ایک روش

ڈالتی ہے زلف بیجاں گردنِ دل میں کمند
اور رگِ جاں سے کرے ہے نشترِ مژگاں خلش

بھول کر اس کی جفا کا شکوہ مت کیجیو نظیر
تو پریشاں گو[1] ہے سخت اور یار ہے نازک منش

(۲۲۳)

شیریں کو جیسی جو کی تھی شیر پر نوازش
ویسی ہی اب ہے اس کی مجھ پیر پر نوازش

کتنی کڑی ہے تو بھی سینے سے لگ رہی ہے
اس کو یہ ہے طلا کی زنجیر پر نوازش

دو دن خفا ہو اس سے چاہا جو لطف ہم نے
کہہ کر "چہ خوش" یہ بولا تقصیر پر نوازش

ہم جب شبیہ اپنی پھینک آئے اُسکے در پر
دیکھی تو کر کے اس کی تحریر پر نوازش

ہنس کر نظیر واں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی
کی اس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

(۲۲۴)

ہم ایسے کب تھے کہ خود بدولت یہاں بھی کرتے قدم نوازش
مگر یہ اک اک قدم پہ اے جاں فقط عنایت کرم نوازش

کہاں یہ گھر اور کہاں یہ دولت جو آپ آتے ادھر کو اے جاں
جو آن نکلے ہو بندہ پرور تو کیجیے اب کوئی دم نوازش

لگا کے ٹھوکر ہمارے سر پر بلا تمہاری کرے تاسف
کہ ہم تو سمجھے ہیں اس کو دل سے تمہارے سر کی قسم نوازش

جواب مانگا جو نامہ بر سے تو اس نے کھا کر قسم کہا یوں
زبان قلم ہو جو جھوٹ بولے کہ واں نہیں یک قلم نوازش

اُٹھا دیں ناز ان کے ہم نہ کیونکر نظیر دل سے کہ جن کے ہو دیں
جفا، تلطف، عتاب، شفقت، غضب، توجہ، ستم، نوازش

[1] پریشان گو۔ بکواس کرنے والا، بکی، فضول گو ۱۲

مقطع

واماندگانِ راہ تو منزل پہ جا پڑے	۲۸	اب تو بھی اے نظیرؔ یہاں سے قدم تراش

ردیف صاد مہملہ (ص)

(۲۲۵)

جن دنوں ہم کو اس سے تھا اخلاص		گھس رہا تھا وہ جابجا اخلاص
اس کو بھی ہم سے تھی بہت اُلفت		اور ہمیں اس سے تھا بڑا اخلاص
مل کے جب بیٹھتے تھے آپس میں		تھا دکھاتا عجب مزا اخلاص
ایک دن ہم میں اور نظیرؔ اس میں	ق	ہو کے خفگی جو ہو چکا اخلاص

ہم یہ بولے کدھر گئی اُلفت
وہ یہ بولا کدھر گیا اخلاص

(۲۲۶)

ہے تو کہنے کو ہر کہیں اخلاص		لیک مشکل ہے ہمنشیں اخلاص
اس کی باریکیاں وہی جانے		ہووے جس شخص کے تئیں اخلاص
رشک سے ایک غیر نے اس کو	ق	اپنے دل کا جتا دہیں اخلاص
یوں کہا تم نظیرؔ سے اے جاں		دل سے رکھتے ہو یا یوہیں اخلاص
اس نے اخفائے راز کو میرے		منہ سے اس کے سنا جو ہیں اخلاص
یوں کہا ایسے پوچ لوگوں سے		کوئی رکھتے ہیں نازنیں اخلاص

اس کو ہو کچھ تو خیر وہ جانے
ہم کو تو اس سے کچھ نہیں اخلاص

ردیف ضاد معجمہ (ض)

(۲۲۷)

سنیئے اے جاں کبھی اسیر کی عرض		اپنے کوچے کے جا پذیر کی عرض
چھد گیا دل زباں تلک آتے		ہم نے جب کی نگہ کے تیر کی عرض
اس گھڑی کھلکھلا کے ہنس دیجیے	ق	ہے یہی اب تو کہنہ پیر کی عرض
جب تو اس گلبدن شکرلب نے		یوں کہا سن کے اس حقیر کی عرض

اب تلک، دُھن ہے حسن دنداں کی
دیکھ اس یو بے نظیر کی عرض

(۲۲۸)

کہیئے کہاں تک ہمیں تم سے ہے جو جو غرض		کچھ نہ اگر ہو سکے منھ سے تو بولو غرض
چشم سے ہم نے کہا لیجیے دل کے تئیں		اس نے نشے میں کہا او میاں کس کو غرض
یار نے ہم سے کہا کچھ ہے تمنا تمھیں	ق	ہم نے کہا جی بہت پر ہے یہ اب تو غرض
پہلے تو اک بوسہ دو پھر ہمیں دشنام دو		اس گھڑی بر لائیے آپ یہی دو غرض

جب یہ سنا یار نے ہنس دیا اور یوں کہا
تم بھی نظیر اب تو میاں خوب کوئی ہو غرض

ردیف طاء مہملہ (ط)

(۲۲۹)

حسن کو ہے دلبری سے ارتباط		رُخ کو ہے جاں پروری سے ارتباط
ہر مژہ کو تیر سے ہے ہمسری		چشم کو افسوں گری سے ارتباط

قد کو ہے سروِ سہی سے ہم قدی — تن کو ہے نازک تری سے ارتباط
ناز کو شوخی سے ہے پیوستگی — آن کو ہے غارت گری سے ارتباط
مل کے ایسے نازنیں سے پھر نظیر
کب کیا ہم نے پری سے ارتباط

(۲۳۰)

جب ہم نے اسے رقم کیا خط — جھپ نامہ رساں نے لے لیا خط
جاتے ہی دیا جو اس صنم کو — اس نے وہیں پڑھ کے لکھ دیا خط
آیا جو وہ نامہ بر تو ہم نے — خوش ہو کے بہت طلب کیا خط
جب اس نے کہا نظیر ہنس کر — تھا لطف کی وہ جو کیمیا خط
تعویذ شفائے دل سمجھ کر
میں نے ہی وہ دھو کے پی لیا خط

ردیف ظاء معجمہ (ظ)

(۲۳۱)

دل ہے اس کج کلاہ سے محظوظ — جی بھی ہے اس کی چاہ سے محظوظ
تم سے جو ناز ہو کرو اے جاں — ہم ہیں اس رسم و راہ سے محظوظ
خوش پری کا بھی جو ہو سو ہو ہم تو — ہیں اسی رشک ماہ سے محظوظ
کیا تماشا ہے یارو کل تو نظیر — تھا بہت خانقاہ سے محظوظ
آج بیٹھا ہے میکدے کے بیچ
مغبچے کی نگاہ سے محظوظ

(۲۳۲)

رہا سہہ کر ملال خوش محظوظ
دل سے ہم ہیں کمال خوش محظوظ

خم ابرو سے اس کے ہو تشبیہ
کیوں نہ ہو پھر ہلال خوش محظوظ

خوش نگاہوں کو سن کے آہو چشم
دشت میں ہیں غزال خوش محظوظ

خوب دیکھا تو گل سے بلبل کا
دل ہے گل کی مثال خوش محظوظ

ہے یہی خوب یار سے جو نظیر
رہیئے فی کلِ حال خوش محظوظ

ردیف عین مہملہ (ع)

(۲۳۳)

اس رخ کی ہمسری میں جو آوے خیال شمع
اتنی تو دھیان میں نہیں آتی مجال شمع

محفل میں اس کے تن کی نزاکت کو دیکھ کر
کرتی ہے اپنے شعلے کا رنج و ملال شمع

ہے منصفی تو یوں پر پروانہ پر لکھے
لکھنا اگر کسی کو ہو وصف جمال شمع

ق
جاگا جو بزم عیش و طرب میں وہ صبح تک
دیکھا نظیر شرم سے ہم نے یہ حال شمع

ایسی چھپی وہ پردۂ فانوس میں کہ پھر
وقت سحر تلک نہ گیا انفعال شمع

(۲۳۴)

ہے ترا رخ بھی تجلی میں کچھ اس نور کی شمع
دیکھ جس نور کو کافور ہو کافور کی شمع

چشم بد دور اسی رُخ سے ہوئی تھی روشن
مشعل وادیٔ ایمن، شجر طور کی شمع

ہے شب مہ میں وہ رخشاں ترے عارض کی جھلک
جس کے پرتو سے خجل ہو شب دیجور کی شمع

آفریں ہے دل پروانہ کو جس نے جل کر
حسن کے گرمی بازار میں مشہور کی شمع

آیا نزدیک جو محفل کے وہ مہ رات نظیرؔ
اہل محفل نے خجل ہو کے وہیں دور کی شمع

ردیف غین معجمہ (غ)

(۲۳۵)

ساقیا ہے بہار زینت باغ
دے چھلکتے ہیں بھی مے کے ایاغ

دیکھی جس دن سے اس پری کی چشم
پھر ہمیں ہوش کا ملا نہ سراغ

ق
اس نے بھیجا نہ رقعہ ایک اور ہم
کئی مکتوب کر چکے ابلاغ[۱]

جائے حیرت ہے کل نظیرؔ اپنا
تھا پراگندہ بوئے مے سے دماغ

آج لینے کو جام پے در پے
نہیں ساقی کی منتوں سے فراغ

(۲۳۶)

کی جفا اس نے مہر کہہ کے دریغ
کیوں رہے دل ہم یہ کیسے بھکے دریغ

وہ تو ہنستا ہے اور ہمارے آہ
آئے دامن تک اشک بہہ کے دریغ

کیا کریں اب تو آ گئے اے دل
جُل میں اس شوخ رشک مہ کے دریغ

کتنے دن ہم بھی منہ لگے اس کے
پھر معاتب[۲] ہوئے نگہ کے دریغ

مثل خس جا کے روئے بحر نظیرؔ
آ لگے پھر کنارے بہہ کے دریغ

ردیف فاء (ف)

(۲۳۷)

ساقی یہ پلا اُس کو جو ہو جام سے واقف
ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

[۱] ابلاغ بھیجنا ۱۲
[۲] معاتب - معتوب ۱۲ عبدالباری آسی

مستی کے سوادور میں اُس چشمِ سیہ کے
کافر ہو جو ہو گردشِ ایام سے واقف

مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے آہ!
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے ورنہ
تھے کاہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے عزیزو
جو اس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو، مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

کوئی نہیں کرتا جو کیا تو نے نظیرؔ، آہ!
دل اُس کو دیا جس کے نہیں نام سے واقف

(۲۳۸)

محفل میں ہم تھے اس طرف وہ شوخ چنچل اس طرف
تھی سادہ لوحی اس طرف مکر و فسوں چھل اس طرف

بیٹھے ہم اپنے دھیان میں بیٹھا وہ اپنی آن میں
فکرِ نظارہ اس طرف کھڑے پر آنچل اس طرف

کیا کیا دکھاتی ہے الم کیا کیا رکھے ہے پیچ و خم
آہوں کی شورش اس طرف زلفِ مسلسل اس طرف

ہم وے کے دل ہیں رنج کش وہ لے کے دل ہے جی میں خوش
بےتابیِ جاں اس طرف راحت خوشی کل اس طرف

آج اس سے ملنے کو نظیرؔ احوال ہے دل کا عجب
ہم کھنچتے ہیں اس طرف کہتا ہے وہ چل اس طرف

(۲۳۹)

کان میں اس کے نہیں لعل و گہر دونوں طرف
چھد رہے ہیں کان و دریا کے جگر دونوں طرف

بزم میں اس یار کی ہم ہیبتِ اغیار سے
دیکھتے تو ہیں پہ رہتی ہے نظر دونوں طرف

خون بدنامی کا اس کو ہے تو ہے ہم کو بھی آہ
اشک سے یاں چشم تر واں چشم نم سرمے سے ہے

یہ وہ ٹھہری ہے مثل جو ایک ڈر دونوں طرف
چاہ رکھتی ہے غرض اپنا اثر دونوں طرف

غور سے دیکھا تو کیا کیا دل کی مچھلی کے نظیر
گھات میں رہتے ہیں بالے کے مگر[۵۱] دونوں طرف

(۲۴۰)

اے صف مژگاں تکلف برطرف
دیکھتی کیا ہے الٹ دے صف کی صف

دیکھ وہ گورا سا مکھڑا رشک سے
پڑ گئے ہیں ماہ کے منہ پر کلف[۵۲]

آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو
شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف

ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا
جس طرح تصویر ہو ساغر بکف

ردیف قاف (ق)

(۲۴۱)

دل پھنسانے کے ہمنشیں لائق
ہے وہی زلف اور وہ چیں[۵۳] لائق

پاس اپنے بٹھا لے ہم کو ابھی
جانے گر کچھ وہ نازنیں لائق

اب تو ملتی ہے دمبدم دشنام
ٹھہرے اس لطف کے ہمیں لائق

اس کی چین جبیں سے دل کو نظیر
ق دیکھا ہوتا جو ہمگیں لائق

ہم نے ہنس کر وہیں کہا اے دل
تو ابھی چاہ کے نہیں لائق

(۲۴۲)

دیکھا جو ہمیں اس نے لگا پاؤں سے تا فرق
ہنس کر یہ کہا قیس میں اور اس میں ہے کیا فرق

وہ دست اور پا اس کے دالبستہ جو دیکھے
ق پھر دست میں اور پائیں ہیں کچھ نہ رہا فرق

---

۵۱ مگر۔ گھڑیال جو ایک دریائی جانور ہے۔ کان کے ایک زیور کا نام ۱۲

۵۲ کلف۔ جھائیں۔ ایک قسم کے داغ جو منھ پر پڑ جاتے ہیں ۱۲

۵۳ چیں۔ شکن ۱۲

کل ہنس کے نظیرؔ اس نے کہا ناز سے ہم سے ۔۔۔ ق ۔۔۔ کچھ بوسہ و دشنام میں بھی تم نے کیا فرق
جو چاہو سو ہم دیویں تمھیں ہم نے کہا جب ۔۔۔ دونوں کی حلاوت میں نہیں ہم کو ذرا فرق

گو لطف سے دینے کو کہا آپ نے ہم کو
پر کہنے میں اور کرنے میں لے جاں ہے بڑا فرق

فرد

مضمون سر دمہری جاناں رقم کروں ۔۔۔ ۳۹ ۔۔۔ گر ہاتھ آئے کاغذ کشمیر کا ورق

ردیف کاف تازی (ک)

(۲۴۳)

بیٹھے ہیں اب تو ہم بھی بولو گے تم نہ جب تک ۔۔۔ دیکھیں تو آپ ہم سے ناخوش رہیں گے کب تک
اقرار تھا سحر کا ایسا ہوا سبب کیا ۔۔۔ جو شام ہونے آئی اور وہ نہ آیا اب تک
محفل میں گلرخوں کے آیا جو وہ پری رو ۔۔۔ ہو شکل حیرت اس کی صورت رہے ۱؎ سب تک
بوسہ نظیرؔ ہم کو دینے کہا تھا اس نے ۔۔۔ ق ۔۔۔ ہم وقت پا کے جس دم لینے کی پہونچے ڈھب تک

ہر چند تھا نشے میں وہ شوخ تو بھی اس نے
ہرگز ہمارے لب کو آنے دیا نہ لب تک

(۲۴۴)

مے خوردہ جو دیکھا اسے آتے ہوئے در تک ۔۔۔ دشوار پہونچنا ہوا اپنے ہمیں گھر تک
پردہ جو اُٹھا اس رُخ تاباں سے تو دیکھا ۔۔۔ اک جوش تجلی تھا عیاں حد نظر تک
مت زلف کو دیکھ اس کی نڈر ہو کے تو اے دل ۔۔۔ یہ مار سیہ ہے اسے پُر ۲؎ خوف و خطر تک
ہجراں میں ہوئی رات ہمیں طرفہ اذیّت ۔۔۔ ق ۔۔۔ جب لیل کی لیلا کے گئی زلف کمر تک
ٹک آنکھ لگی تھی کہ وہیں خواب میں یارو ۔۔۔ ہم اشک فشاں پہونچے جو اس رشک قمر تک

۱؎ یعنی حیرت سے سب اس کی صورت تک کر رہ گئے ۱۲
۲؎ یعنی اس کو دیکھنا ہے تو خوف و خطر کے ساتھ دیکھ ۱۲
آسی

عزم اس نے کیا پونچھئے اشک اسکے بصد مہر — وہ دست نگاریں گئے جب دیدۂ تر تک

چشم اپنی گئی کھل جو نظیرؔ اس میں تو پھر ہم
ملتے کف افسوس رہے وقت سحر تک

ردیف کاف فارسی (گ)

(۲۴۵)

اس کے ناز و ادا کے رنگ اور ڈھنگ — ہیں وہ کچھ جس سے ہو پری بھی دنگ
لعل دیکھے جو سرخی اس لب کی — طے کرے رشک کے کئی فرسنگ
دیکھی جب ہم نے وہ گلابی چشم — پھر نہ اس دن سے پی مئے گلرنگ
جب نظیرؔ آگیا وہ آئنہ رو — ق — مہر سے کر کے اس طرف آہنگ

رنج دل یوں گیا رخ اُس کا دیکھ
جیسے اُٹھ جائے آئینے سے زنگ

(۲۴۶)

یار کے کاکل نے دل ہم سے لیا اور الگ — چشم فسوں گر نے بھی سحر کیا اور الگ
آن دکھا کر قریب ہو گئے گیسو وہیں — غمزۂ خونخوار نے خوں بھی پیا اور الگ
تیر نگہ کے تئیں یاد وہ انداز ہیں — سینے میں عشاق کے دل کو سیا اور الگ
ناز، قرار و خرد لے کے گیا پھر مگر — تیغ نے ابرو کے بھی وار کیا اور الگ

نشتر مژگاں کی واہ کیا کہوں پھرتی نظیرؔ
ہے جو رگ دل اسے چھیڑ دیا اور الگ

ردیف لام (ل)

(۲۴۷)

ہے یہ شور اس دل جلے کا اس کے در کے متصل — جیسے لگتی ہے کسی کے آگ گھر کے متصل
آتے جاتے ہر گھڑی ہم دیکھتے تھے اسکو آہ — جن دنوں گھر تھا ہمارا اُس کے گھر کے متصل
گر نکلتا ہے تو اے دل جلد سینے سے نکل — ورنہ غم کی آگ آ پہونچی جگر کے متصل
یک بیک غائب چمک کر جیسے ہو جاتی ہے برق — یوں ہی چھپ جاتا ہے وہ آ کر نظر کے متصل
ہیں یہ زلفیں منھ پہ یا بدلی کے دو ٹکڑے سیاہ — چلتے چلتے تھم رہے آکر قمر کے متصل
اب تو یہ دُھن ہے کسی تدبیر سے یارو اگر — ہاتھ جا پہونچے مرا اُس کی کمر کے متصل
کچھ ہی جی جادے اس میں یار ہے پر ایک بار — کھینچ لاؤں اس صنم کو اپنے گھر کے متصل

جی چھپانا اس گھڑی قاتل سے کیا حاصل نظیر
آگئی شمشیر اُس کی اب تو سر کے متصل

(۲۴۸)

کب مثل شیشہ اُن کا کسی سے بر آئے دل — پتھر جنھیں خدا نے دیا ہو بجائے دل
جب سے چلا وہ دل مرے پہلو سے کھینچ کر — دل سے مرے صدا یہی نکلی کہ "ہائے دل"
آوے اگر بتاں کے تئیں رسم دلبری — تو تو جہاں میں پھر کہیں ڈھونڈھا نہ پائے دل

ق

اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دُعا — ظالم، خدا کرے کہ کہیں تو لگائے دل
اور جس پہ تو فدا ہو وہ ظالم ہو اس قدر — جو مطلقاً ترا وہ نہ خاطر میں لائے دل
تجھ پہ بھی چند روز تو یہ کشمکش رہے — دُر دُر اُدھر کرے اور ادھر کو ستائے دل
ناچار جیسے تجھ سے چھڑاتا ہوں دل کو میں — ایسا ہی تو بھی اُس سے لگا کر چھڑائے دل
شیدا ہوں میں تو لیلیٰ و مجنوں کی چاہ پر — خالق نے کیا ہی خوب تھے انکے بنائے دل

تھے اُس کے پاس کے آبلے چھاتی پہ اسکی آہ — کیا اتحادِ جسم تھا اور کیا صفائے دل

ہیں یاں بڑے جو اہلِ دل اکثر یہ کہتے ہیں
چھوٹا سا اک نظیر بھی ہے خاکپائے دل

(۲۴۹)

دکھا کر اک نظر دل کو نہایت کر گیا بیکل — پری رو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چلبلا، چنچل
وہ عارض اور جبیں تاباں کہ ہوں دیکھ اسکو شرمندہ — قمر، خورشید، زہرہ، شمع، شعلہ، مشتری، مشعل
کفوں میں، انگلیوں میں، لعل لب میں، چشم مسگوں میں — حنا، آفت، ستم فندق، مسی جادو، فسوں کاجل
بدن میں جامۂ زرکش، سراپا جس پہ زیب اور — کڑے، بُندے، چھڑے، چھلے، انگوٹھی، نورتن، ہیکل
نزاکت اور لطافت وہ کہ کف پا تک کہ حیراں میں — سمن، گل، لالہ، نسریں، نسترن، اور، پرنیاں[۱]، مخمل
سراسر پُر فریب ایسا کہ ظاہر جس کی نظروں سے — شرارت، شوخی، عیاری، طرح، پھرتی، دغا، چھلبل

نظیر اک عمر عشرت ہو، ملے ایسا پری پیکر
اگر اک آن، اگر اک دم، اگر اک چھن، اگر اک پل

[۱] پرنیاں، ایک نفیس ریشمی کپڑا۔ آسی

(۲۵۰)

اے دل اپنی تو چاہ پر مت بھول — دلبروں کی نگاہ پر مت بھول
عشق کرتا ہے ہوش کو برباد — عقل کی رسم و راہ پر مت بھول
دام ہے وہ اور کمند ہے وہ — دیکھ زلف سیاہ پر مت بھول
واہ کہہ کر جو ہے وہ ہنس دیتا — آہ اس ڈھب کی واہ پر مت بھول

گر پڑے گا نظیر کی مانند
تو زنخداں کی چاہ پر مت بھول

(۲۵۱)

کھولی جو ٹک اے ہمنشیں اس دلربا کی زلف کل — کیا کیا جتائے خم کے خم کیا کیا دکھائے بل کے بل

آتا ہو باہر گھر سے وہ ہوتی ہیں کیا کیا خوشی — گر دیکھ لیتے ہم اُسے پھر ایک دم یا ایک پل

دن کو تو بیم فتنہ ہے ہم اس سے مل سکتے نہیں — آتا ہے جس دم خواب میں جب دیکھتے ہیں بے خلل

کیا بے بسی کی بات ہے یارو نظیر اب کیا کرے — ق — وہ آنے واں دیتا نہیں آتی نہیں یاں جی میں کل

دل ہر گھڑی کہتا ہے یوں جس طور سے اب ہو سکے

اُٹھ اور سنبھل گھر سے نکل اور پاس اس چنچل کے چل

(۲۵۲)

تیرے بھی منھ کی روشنی، رات گئی تھی مہ سے مل — تاب سے تاب، رُخ سے رُخ، نور سے نور، ظل سے ظل

یوسفِ مصر سے گر ملتے ہیں سب ترے نشاں — زُلف سے زُلف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل

جتنے ہیں کشتگانِ عشق اُن کے ازل سے ہیں ملے — اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خون، گل سے گل

جب سے مُوا ہے کوہ کن، کرتے ہیں اُس کا غم سدا — کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل

یار ملا جب اے نظیر میرے گلے، تو مل گئے

جسم سے جسم، جاں سے جاں، روح سے روح، دل سے دل

(۲۵۳)

جو دل کو دیجیے تو دل میں خوش ہو کرے ہے کس کس طرح سے چلبل

اگر نہ دیجیے تو وہیں کیا کیا جتاوے خفگی، عتاب، اکڑ، بل

اگر یہ کہیے کہ ہم ہیں بیکل ذرا گلے مل تو ہنس کے ظالم

دکھا دے ہیکل اُٹھا کے، یعنی بلا سے میری، مجھے تو ہے کل

جو اس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دیکھ دل کی دھڑک ہمارے

تو ہاتھ جھپ سے چھڑا کے لے کہہ کر مجھے نہیں ہے کچھ اسکی اٹکل[۱]

جو چھپ کے دیکھیں تو تاڑ جاوے، وگر صریحاً تو دیکھو پھرتی

کہ آتے آتے نگاہ رخ تک چھپا لے منھ کو الٹ کے آنچل

[۱] اٹکل۔ اندازہ، شناخت ۱۲ ی

کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے پھر تو کیسا وعدہ، فقط بہانہ، فریب اور چھل

جو دل کو بوسے کے بدلے دیجے تو ہنس کے لیلے بہت خوشی سے
جو بوسہ مانگو تو پھر یہ نقشا کبھی تو آج اور کبھی سے کل

نہ جل بٹیں[1] آوے نہ بھڑ کے نکلے نہ پاس بیٹھے نظیر اک دم
بڑا ہی پُرفن، بڑا ہی سیانا، بڑا ہی شوخ اور بڑا ہی چنچل

(۲۵۴)

اُسی کا دیکھنا ہے ٹھانتا دل
جو تکتا[2] ہے تیر نگہ سے چھانتا دل

بہت کہتے ہیں مت مل اس سے لیکن
نہیں کہتا ہمارا مانتا دل

ق

کہا اس نے یہ ہم سے کس صنم کو
تمہارا ان دنوں ہے مانتا دل

چھپاؤ گے تو چھپنے کا نہیں یاں
ہمارا ہے نشاں پہچانتا دل

کہا ہم نے نظیر اس سے کہ جس نے
یہ پوچھا ہے اسی کا جانتا دل

(۲۵۵)

دیکھی جو اس محبوب کی ہم نے جھلک ہیکل کی کل
پائی ہر اک تعویذ میں اپنے دل بیکل کی کل

جب ناز سے ہنس کر کہا اس نے ارے چل کیا ہی تو
کیا کیا پسند آئی ہمیں اس نازنیں چنچل کی چل

ہے وہ کفِ پا نرم تر اس کی کہ وقتِ ہمسری
ڈالے کفِ پائے صنم نرمی وہیں مخمل کی بل

ہم ہیں تمہارے مبتلا مدت سے ہی یہ آرزو
بیٹھو ہمارے پاس بھی اے جاں کبھی اک پل کی پل

ہے دم غنیمت اے نظیر اب میکدے میں بیٹھ کر
تو آج تو مے پی میاں پھر دیکھ لیجیو کل کی کل

[1] جل بیں آنا - فریب کھانا۔ دھوکہ کھانا۔
[2] یعنی جو تیر نگہ سے دل کو چھانتا ہے دل اسی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آسی

ردیف میم (م)

(۲۵۶)

کرکے نیرنگ فقط دل ہی نہ لے جاؤ گے تم
ایسے ایسے تو بہت رنگ ابھی لاؤ گے تم

لے چلا دل کو وہ جب ہم نے یہ پوچھا کیوں جی
پھر بھی آؤ گے تو ہنسکر کہا اب آؤ گے تم

ق

روٹھ کر اس سے چلے ہم تو کہا یوں اس نے
اب تو اس طیش میں البتہ چلے جاؤ گے تم

بے کلی بعد گھڑی بھر کے ستاوے گی جب
ہار کر پھر ادھر آنے ہی کی ٹھہراؤ گے تم

بس یہ بہتر ہے کہ مت روٹھ کے جاؤ ورنہ
پھر جو آؤ گے تو یاں آنے نہیں پاؤ گے تم

ایک تو ہم تمھیں یاں آنے نہ دیویں گے نظیر
اور سوا اس کے جہاں جاؤ گے پچھتاؤ گے تم

(۲۵۷)

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس! پیمانے کو ہم

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر، اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بتخانے کو ہم

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیر
تاکہ شادیِ مرگ سمجھیں ایسے مرجانے کو ہم

(۲۵۸)

نہیں یاں بیٹھتے جو ایک دم تم
تو کیا ڈرتے ہو ہم سے اے صنم تم

ہنسو، بولو، ملو، بیٹھو، بھلا جی — نہیں کیا عاشق و معشوق ہم تم
جو یاں آیا کبھی چاہو تو بے خوف — ادھر لایا کرو اپنا قدم تم
نہایت سادہ دل ہیں ہم تو اے جاں — نہ سمجھو ہم میں ہرگز پیچ و خم تم

سنا جب یہ نظیرؔ اس نے تو ہنس کر
کہا یہ تو ہمیں دیتے ہو دَم تم

(۲۵۹)

رہ کے خاموش خوش[1] آئے بت گلفام کو ہم — سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم
لذت آن و ادا لینے کو ہیں اور رہی آہ — ناز برداروں میں اس کے ہیں فقط نام کو ہم
میکدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں — لب محبوب سمجھتے ہیں لب جام کو ہم
جس سے کرتے ہیں بتاں بعد جفا مہر و وفا — رشک سے مکتے ہیں اس نیک سرانجام کو ہم

چھوٹ کر دام سے اس کاکل مشکیں کے نظیرؔ
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

[1] خوش آئے یعنی اچھے معلوم ہوئے خوش آمدید کا محاورہ ہے ۱۲ آسی

(۲۶۰)

نہ اُس کے نام سے واقف نہ اُس کی جا معلوم — ملے گا دیکھیے کیونکر وہ بُت خدا معلوم
جواب دیکھیے دل لے کے یہ کہا چپکے — نہ ہو یہ اور کسی کو ترے سوا معلوم
لگا کے زخم جگر پر جو پھر نمک چھڑکا — تو اس میں ہم کو ہوا اور رہی مزا معلوم
بدن پری کا ترے تن سے گو کہ گورا ہے — و لے وہ چاہیے کہ ایسا ہو گدگدا معلوم
ہم اُس پہ مرتے ہیں مدت سے اور وہ کہتا ہے — قسم خدا کی ہمیں تو یہ اب ہوا معلوم
کیا تھا عہد نہ وعدہ نہ قول نے اقرار — ق — جو آ گیا وہ مرے پاس شب کو نا معلوم
جو مجھ سے ہنس کے کہا جس لیے ہم آئے ہیں — نظیرؔ تم نے بھی سچ کہیو کیسا کیا معلوم
کہا یہ میں نے مجھے کیا خبر تمھیں جانو — کسی کے دل کی بھلا جی کسی کو کیا معلوم

(٢٦١)

تمھیں جس گھڑی دیکھتے ہیں میاں ہم
تو ہوتے ہیں جی میں بہت شادماں ہم

بتوں کے عجب حسن اور ناز دیکھے
جہاں میں غرض جن دنوں تھے جواں ہم

تمھیں جس قدر چاہتا ہے دل اپنا
وہ جی جانتا ہے کریں کیا بیاں ہم

نظیر اپنا ہم کو سمجھ کر نہ روٹھو
ق تمھارے ہی ملنے کو آتے ہیں یاں ہم

جو ملنا ہے مل لو کوئی دم وگرنہ
یہی جان لو او میاں پھر کہاں ہم

(٢٦٢)

بتوں کی دیکھ زلف عنبر بیں ہم
پھنسا بیٹھے دل اپنے کے تئیں ہم

لگا نا دیکھتے تیر نگہ کا
اگر دل میں نہ ہوتے سہمگیں ہم

کہا ہم نے کبھی آؤ ادھر کو
کہا ہنس کر نہیں جاتے کہیں ہم

نظیر اب تو ہوئے اے جاں تمھارے
ق عجب کیا ہے اگر بیٹھیں قریں ہم

جو ہو کر ہمنشیں ہوں کچھ بھی گستاخ
سو اس ڈھب کے میاں ہرگز نہیں ہم

(٢٦٣)

ہر آن تمھارے چھپنے سے ایسا ہی اگر دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک دن اس کی بھی تدبیر کوئی ٹھہرائیں گے ہم

بیزار کریں گے خاطر کو پہلے تو تمھاری چاہت سے
پھر دل کو بھی کچھ منت سے کچھ ہیبت سے سمجھائیں گے ہم

گر کہنا دل نے مان لیا اور رنج کی بیٹھا تو بہتر ہے
اور چین نہ لینے دیوے گا تو بھیس بدل کر آئیں گے ہم

اوّل تو نہیں پہچانو گے اور لو گے بھی پہچان تو پھر
ہر طور سے چھپ کر دیکھیں گے اور دل کو خوش کر جائیں گے ہم

گر چھپنا بھی کھل جاوے گا تو مل کر افسوں سازوں سے
کچھ اور ہی لٹکا سحر بھرا اس وقت بہم پہونچائیں گے ہم

جب وہ بھی پیش نہ جاوے گا اور شہرت ہووے گی پھر تو
جس صورت سے بن آوے گا تصویر کھنچا منگوائیں گے ہم

موقوف کرو گے چھپنے کو تو بہتر ورنہ نظیرؔ آسا
جو حرف زباں پر لائیں گے پھر وہ ہی کر دکھلائیں گے ہم

(۲۶۴)

کبھو دیکھوں نہ سنبل باغ کو میں، مجھے اُس خمِ زلفِ دوتا کی قسم
نہ نگہ کروں عارضِ گُل کی طرف، مجھے اُس رُخِ مہر و وفا کی قسم

یوں پھرنے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم

جو ہیں آیا ادھر کو وہ چشمِ سیہ، وہیں لے گیا دل کو بسیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اُس بُتِ ہوش رُبا کی قسم

بدن اُس کا ہے رُوکشِ برگِ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رشکِ چمن
کھلے غنچۂ دل مرا گل کے نمن، مجھے اُس کھلے بندِ قبا کی قسم

ترے عشق نے دل میں جو درد دیا، تو کچھ اُس سے مزہ میں ایسا لیا
نہ کروں نہ کروں نہ کروں میں دوا، میں نے کھائی ہے اب تو دوا کی قسم

لگی مہندی جو ہاتھوں میں اُس کے میاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ نشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں، سو وہ کھاتی ہے اُس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیر جو اُس کے تئیں، تو تھا شرم و حیا سے وہ سرو قریں
لیا نیچی نگاہوں سے جان دل و دیں، میں کہوں کیا اب اُسکی حیا کی قسم

(۲۶۵)

ہوں تیرے تصوّر میں، مری جاں، ہمہ تن چشم — دل ہے مرا جوں آئینہ حیراں ہمہ تن چشم
تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہِ تاباں — رہتا ہے سدا مہرِ درخشاں ہمہ تن چشم
آنکھوں کو ملے تا کہ ترے پاؤں کے نیچے — ہر نقشِ قدم سے ہے بیاباں ہمہ تن چشم
دیوانگی میری کے تحیّر میں شب و روز — ہے حلقۂ زنجیر سے زنداں ہمہ تن چشم

اُس آئنہ رو کے ہے تصوّر میں، نظیر، اب
حیرت زدہ نظارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

(۲۶۶)

گر کسی سے نہ دل لگاتے ہم — لذّتیں چاہ کی نہ پاتے ہم
گر نہ کرتے کچھ احتمال[1] جفا — تو بھلا ناز کیا اُٹھاتے ہم
ق
ایک دن بھی جو وہ ادھر آتا — بہرِ تسلیم سر جھکاتے ہم
شاد ہو کر بٹھاتے اور ہر دم — لب پہ شکرِ قدوم[2] لاتے ہم

چلنے لگتا تو باتیں کرتے نظیر
گھر تلک ساتھ اس کے جاتے ہم

(۲۶۷)

تدبیر ہمارے ملنے کی جس وقت کوئی ٹھہراؤ گے تم — ہم اور چھپیں گے یاں تک جی جو خوب ہی پھر گھبراؤ گے تم
بیزار کرو گے دل ہم سے یا منّت در سے رو کو گے — وہ دل تو ہمارے بس میں ہے پھر کس طور اسے سمجھاؤ گے تم
گر جادو منتر سیکھو گے تو سحر ہماری نظروں کا — اس کوچے میں جھلاویں گے پھر کہئیے کیونکر آؤ گے تم
گر چھپ کر دیکھنے آؤ گے ہم اپنے بالاخانے کے — سب پردے چھوڑے رکھیں گے پھر کیونکر دیکھنے پاؤ گے تم

[1] احتمال، برداشت اٹھانا ۱۲
[2] قدم - آنا ۱۲ آسی

گر جادو منتر سیکھوگے تو سحر ہماری نظروں کا
تاثیر کو اس کی کھو دے گا کچھ پیش نہیں[1] لے جاؤ گے تم

تصویر اگر منگواؤ گے تو دیکھ ہماری صورت کو
حیران مصور ہو وے گا پھر رنگ کہو کیا لاؤ گے تم

جس وقت نظیرؔ ان باتوں کی ہم خوب کریں گے ہشیاری
جو حرف زبان پہ لاؤ گے تم پھر کیونکر کر دکھلاؤ گے تم

(۲۶۸)

اُسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام
قدیر،[2] و حیّ، و کریم، و مُہیمن، و منعام

بروج بارہ میں لاکر رکھی وہ بارہ یکی
کہ جس کو پہونچے نہ فکرت، نہ دانش و اوہام

ادھر فرشتۂ کروبی، اور اُدھر غلمان
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقتِ ارقام

یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ اُن کے یار
عطارد، و زحل، و زہرہ، مشتری، بہرام[3]

جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ آغاز سے لے تا انجام

بشر جو چاہے کہ سمجھے اُنھیں، سو کیا امکاں
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام

نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ و برگ و بار
سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام

اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چھُہارے، کشمش، و انجیر و پستہ، و بادام

چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور
کہ ہر زماں، و بہر ساعت، و بہر ہنگام

کہ اس کا شکر کریں شب سے تا بروز ادا
اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

نظیرؔ نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو
اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۲۶۹)

دیکھے نہ مجھے کیونکر، از چشم حقارت او
وہ سرو جواں یار و، من فاختۂ پیرم

چپ بیٹھوں تو کہتا ہے: "خاموش چرا ہستی؟"
کچھ بولوں تو ہوتا ہے، آزردہ ز تقریرم

[1] پیش نہ لے جانا کچھ کر نہ سکنا ۱۲ [2] یہ سب خدائے کریم کے اسم پاک ہیں ۱۲ [3] بہرام ستارۂ مریخ و یک فرشتے کا نام کہ مسافر کی محافظت پر مقرر ہے ۱۲ مسی

ردیف نون (ن)

(۲۷۰)

کر گئی ہے اُس کی مژگاں کی جھپک بیکل ہمیں
کل اگر چاہے تو ہمدم اس گھڑی کچھ کل ہمیں

کچھ تو جاتا دل سے خارِ بیقراری کا خلش[1]
کاش وہ نوکِ مژہ دیتی قرار اک پل ہمیں

وہ کفِ[2] پا ہم نے سہلائی ہے نازک نرم نرم
کیا جتاتی ہے تو اپنی نرمی اے مخمل ہمیں

اس پری رو کی گلی میں یا نہاں یا آشکار
جس طرح سے ہو سکے، اے ہمنشیں، لے چل ہمیں

ہم تو ہوں کیفی[3] ترے، پر کیا کریں، اے چشمِ یار
ہوش میں آنے نہیں دیتا ترا کاجل ہمیں

دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں، تو کس کس پیچ سے
دام میں لیتا ہے اُس کاکل کا اک اک بل ہمیں

ہم تو اُس کے چاہنے والے ہیں مدت سے نظیرؔ
اور نیا گنتا ہے اب تک وہ صنم چنچل ہمیں

(۲۷۱)

کہتے ہیں یاں کہ "مجھ سا کوئی مہ جبیں نہیں"
پیارے، جو ہم سے پوچھو، تو یاں کیا، کہیں نہیں

تجھ سا تو کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں
یوں نازنیں بہت ہیں، یہ نازآفریں نہیں

ق

ساقی کو جام دینے میں، اُس خوش نگہ کو آہ!
ہر دم اشارتیں ہیں کہ "اس کے تئیں نہیں"

جب اُس نہیں کے کہنے سے مانے ہے وہ بُرا
آپ ہی پھر اُس کو کہتا ہوں ہنس کر نہیں نہیں

اتنا تو چھیڑتا ہوں کہ کہتا ہے جب وہ شوخ
"بندہ تو میرا مول خریدا نہیں، نہیں؟"

ساقی! تجھے قسم ہے، دیے جا مجھے تو جام
"یاں دم میں دم ہے ہوتی نہیں جب نہیں نہیں"

پوچھے ہے اُس سے جب کوئی قتلِ نظیرؔ کو
کہتا ہے "ہم نے مارا ہی" ہاں ہاں "نہیں نہیں"

[1] خلش کو متقدمین نے بتذکیر بھی استعمال کیا ہے۔ جیسے سوداؔ کا یہ شعر ہے ع زبس ہے شکر میں قاصد شکستہ بالی کے۔ کہ جس نے دل سے نکالا خلش رہائی کا۔ مگر فی زماننا فصحا اس کو تذکیر ہی فصیح جانتے ہیں۔ آسی

[2] کفِ پا۔ تلوا۔ کف کئی معنوں میں مستعمل ہے جیسے جھاگ۔ بلغم۔ اس معنی میں کف بالاتفاق مذکر ہے۔ ہتھیلی یا تلوے کے معنی میں کف یا مختلف فیہ ہے۔ مثال مؤنث ع زیب و زینت سے بری حسن خداداد ہے برق۔ کف سونی بھلی مہندی سے حنائی ہونی۔ فتح اُلفت۔ مثال مذکر ع کیا لحیک کر بچھا تھا صورت ملانے والا۔ سامنے خورشید کے اس کف پا کر دیا۔ آتش

[3] کیفی۔ کیف اُٹھانے والا۔ سست خرابی۔ اکثر افیون کھانے والوں کے لیے مستعمل ہے ۱۲ آسی

(۲۷۲)

سزاوار "ارے ارے" ہوئے ہیں ۔۔۔ بھلا اتنے تو ہم بار سے ہوئے ہیں
نہ رکھتے ہم سے بل زلفوں کے حلقے ۔۔۔ مگر اس کے یہ سنکارے ہوئے ہیں
تمہاری دیکھ کر عیاریوں کو ۔۔۔ میاں کچھ ہم بھی عیارے[۱] ہوئے ہیں
بلاتے ہی نہ آئے ہم تو[۲] بولا ۔۔۔ ق ۔۔۔ کہیں یہ نقد دل ہارے ہوئے ہیں

پھر آپی یوں نظیر اس نے کہا ہاں
کسی چنچیل کے للکارے ہوئے ہیں

(۲۷۳)

فرقت میں خستہ دل کا جب حال دیکھتے ہیں ۔۔۔ جی کی ہر اک طپش سے ہم فال دیکھتے ہیں
خم تاب، حلقے، بل، چیں گرہ شکن سے اب تم ۔۔۔ زلفوں میں پھنس کے کیا کیا جنجال دیکھتے ہیں
ابرو کو دیکھتے ہی وہ تیغ سے لگاتی ۔۔۔ اور زخم کا نمک سے ہے جب خال دیکھتے ہیں
کرتے نگہ ہیں جب ہم رفتار پر تو اس سے ۔۔۔ دل کو ہر اک قدم پر پامال دیکھتے ہیں

اُڑتا ہے رنگ رخ سے ڈر کر نظیر کیا کیا
غصے میں ہم جب اس کا منھ لال دیکھتے ہیں

(۲۷۴)

آج تو ہمدم عزم ہے یہ کچھ ہم بھی یہی کام کریں ۔۔۔ کلک اُٹھا کر یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں آداب بھی خوش آئینی سے ۔۔۔ بعد اس کے ہم تحریر مفصل فرقت کے آلام کریں
یا خود آوے آپ ادھر یا جلد بلا دے ہم کو وہاں ۔۔۔ اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب سا سر انجام کریں
حسن زیادہ آن موثر ناز کی شوخی ہو وہ چند ۔۔۔ ایسے کتنے حرف لکھیں اور نامے کو اتمام کریں
سن کے وہ سن کر یوں بولا یہ تو تمہیں ہے فکر عبث ۔۔۔ عقل تمہیں ہے وہ تو ہرگز اب خیال خام کریں
کام یقیناً ہے وہی اچھا جو کہ ہو اپنے موقع سے ۔۔۔ بات کہیں یا نامہ لکھیں یا رو رو صبح سے شام کریں

۱؎ عیار کی بجائے عیارے استعمال کیا ہے ۱۲ آسی
۲؎ آپ ہی کے بجائے آپی استعمال کیا گیا ہے جو اب بالکل ناجائز ہے ۱۲ آسی

اس میں بھلا کیا حاصل ہوگا سوچ تو دیکھو میاں نظیر
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط اور لوگ تمہیں بدنام کریں

(۲۷۵)

خوباں تمہارے آگے جو نام جمال لیں — دامن سے لگ کے منہ کو گریباں میں ڈال لیں
تیر نگہ لگا کے نہ کھینچو بھووں کی تیغ — پھر کھینچنا ہم اس کے تو پیکان نکال لیں
دل ناوک نگاہ پیاپے سے گر چلا — فرصت جو کچھ بھی دو تو ہم اس کو سنبھال لیں
روکے ہی رکھیے ٹک صف مژگاں کی نوک جھوک — ہم طاقت اپنے دل کی ذرا دیکھ بھال لیں

دل ہم تو دے چکے ہیں بتوں کو میاں نظیر
میلا رکھیں یہ اس کے تئیں یا اُجال لیں

(۲۷۶)

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں — تو مہ کے طشت میں گھی[1] کے چراغ جلتے ہیں
پڑے ہوس ہی ہوس میں ہمیشہ گلتے ہیں — ہمارے دیکھیے ارمان کب نکلتے ہیں
ہجوم آہ ہے آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں — بھرے ہیں چاؤ جو دل میں سو یوں نکلتے ہیں
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ — یہ بزم تم کو مبارک ہو ہم تو چلتے ہیں
برنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ — یہی کہا کیے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں
نکالتا ہے ہمیں پھر وہ اپنے کوچے سے — ابھی تو نکلے نہیں ہیں، پر اب نکلتے ہیں
فدا جو دل سے ہے ان شوخ سبزہ رنگوں پر — یہ ظالم اس کی ہی چھاتی پہ مونگ[2] دلتے ہیں
ق
ہو انخست بھی یاں تک کہ حضرت مجنوں — یہ مجھ سے کہتے ہیں اور ہاتھ اپنے ملتے ہیں

کوئی تو پگڑی[3] بدلتا ہے اور سے لیکن
میاں نظیر ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

[1] گھی کے چراغ جلنا۔ خوشی منانے کی علامت ۱۲
[2] چھاتی پہ مونگ دلنا علانیہ تکلیف پہونچانا ۱۲
[3] پگڑی بدلنا بھائی چارہ کرنا۔ دوستی کرنا ۱۲ آسی

(۲۷۷)

صفائی اس کی جھلکتی ہے گورے سینے میں
نہ توئی[1] ہے، نہ کناری نہ گوکھرو تس پر
جو پوچھا میں کہ "کہاں تھی" تو ہنس کے یوں بولی
پڑا جو ہاتھ مرا سینے پر تو ہاتھ جھٹک
جو ایسا ہی ہے تو اب ہم نہ روز آویں گے
کبھو مٹک کبھی بس بس، کبھو پیالہ ٹپک
چڑھی جو دوڑ کے کوٹھے پہ وہ پری اک بار
وہ پہنا کرتی تھی انگیا جو سرخ لاہی[2] کی

چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں
سجی ہے شوخ نے انگیا بنت کے بینے میں
"میں لگ رہی تھی اس انگیا موئی کے سینے میں"
پکاری! "آگ لگے اوئی اس قر سینے میں"
کبھو جو آئے تو ہفتے میں یا مہینے میں
دماغ کرتی تھی کیا کیا شراب پینے میں
تو میں نے جا لیا اُس کو اُدھر کے زینے میں
لپٹ کے تن سے وہ تر ہو گئی پسینے میں

یہ سُرخ انگیا جو دیکھی ہے اس پری کی نظیر
مجھے تو آگ سی کچھ لگ رہی ہے سینے میں

(۲۷۸)

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
یہ کاسۂ فیروز گوں ہے شیشہ باز پر فنوں
ہو اعتماد اس کا کسے ہے شیشہ بازی یاد اسے
کل دامنِ صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبحدم[3]
بولا بہ فریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
گلبرگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشک چمن
دن رات تازہ نعمتیں مہ طلعتوں کی صحبتیں
باغ و چمن پیش نظر، بزم طرب شام و سحر
ایک آسماں کے دور سے اک گردش ذی الغرور سے

دور فلک سے کیا خبر پہونچے کا لب تک یا نہیں
جتنے حیل[4] ہیں اور فسوں سب اُسکے ہیں زیر نگیں
رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہے پھر اندوہگیں
اک کاسۂ سر زیر الم آیا نظر اپنے وہیں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب تو ہیں زیر زمیں
زریں و سیمیں پیرہن دلکش مکانوں کے مکیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں مطرب قریں
ہر سو بکثرت جلوہ گر حسن بتانِ نازنیں
اب سوچیے کا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں

[1] توئی ایک قسم کی کپڑے پر بنی ہوئی بیل۔ کناری پیلا گوٹا۔ گوکھرو ایک قسم کا چُنا ہوا اور موڑا ہوا گوٹا۔ بنت لمبی چیپٹ جس پر سنہری نقرئی تاروں کا کام ہو ۱۲ آسی
[2] اُدھر۔ درمیان ۱۲
[3] لاہی۔ ایک سرخ کپڑا ۱۲
[4] حیل جمع حیلہ ۱۲
[5] وقت صبح دم کی قسم کی ترکیبوں پر نا مل ہوتا ہے۔ اگرچہ اہل فارس نے استعمال کی ہیں جیسے صائب کا یہ شعر ؎ مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد + خواب سنگ دقت سحر گاہ گراں میگردد ۱۲ آسی

سنتے ہی جی بھر اگیا، رخسار پر اشک آگیا
دل عبرتوں سے چھاگیا، خاطر ہنسی کی بس سہم گئیں

اس میں سرانجانا گہاں ہر مو ہوا مثل زباں
بولا نظیر آگہ ہو ہاں، من نیز رہ فرسے ہمچنیں

(۲۷۹)

بگولے اُٹھ چلے تھے اور نہ تھی کچھ دیر آندھی میں
کہ ہم سے یار سے، آ ہو گئی مٹھ بھیڑ آندھی میں
جتا کر خاک کا اُڑانا، دکھا کر گرد کا چکر
وہیں ہم لے چلے اُس گلبدن کو گھیر آندھی میں
رقیبوں نے جو دیکھا یہ اُڑا کر لے چلا اُس کو
پکارے: "ہائے! یہ کیسا ہوا اندھیر آندھی میں!"
وہ دوڑے تو بہت، لیکن اُنھیں آندھی میں کیا سوجھے
زبس ہم اُس پری کو لائے گھر میں گھیر آندھی میں
چڑھا کوٹھے پہ، دروازے کو موند اور کھول کر پردے
لگا چھاتی، لیے بوسے، کیا ہتّ پھیر[1] آندھی میں
وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گل رو
عجب رنگوں کی ٹھہری آ کے ہیرا پھیر آندھی میں
اُٹھا کر طاق سے شیشہ، لگا چھاتی سے دلبر کو
نشوں میں عیش کے کیا کیا کیا دل سیر آندھی میں
کبھی بوسہ، کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پر
لگے لُٹنے مزے کے سنگترے اور بیر آندھی میں
مزے، عیش و طرب، لذت، لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میووں کے ہو ویں ڈھیر آندھی میں
رقیبوں کی میں اب خواری خرابی کیا لکھوں بارے
بھری نتھنوں میں اُنکے خاک دو دو سیر آندھی میں
کسی کی اُڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن
گئی ڈھال، اور کسی کی گر پڑی شمشیر آندھی میں

نظیر، آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں، ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

[1] ہتّ پھیر - مراد مساس ۱۲ آسی

(۲۸۰)

کھلے گل سبزہ نزہت بار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہے رنگ ہے بو ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
ہجوم ابر ہے چمکے ہے برق اور مینھ برستا ہے
نشہ ہے تازگی ہے یار ہے کیا کیا بہاریں ہیں
صدائے بلبلاں ہے آبجو ہے صحن گلشن ہے
سمن ہے سرو ہے گلنار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی، پیرہن رنگیں | کناری ہے دھنک ہے، ہار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عاشقی کی ہنستا ہے ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہے، گل ہے، گل رخسار ہے کیا کیا بہاریں ہیں

(۲۸۱)

یہ جو خوباں حجاب کرتے ہیں | ہم پہ ناز و عتاب کرتے ہیں
اپنے ملنے سے دیکھیے کس دن | ہم کو پھر کامیاب کرتے ہیں

ق

کل کہا ہم نے او نظیر میاں | تم سے ہم یہ خطاب کرتے ہیں
چپکے بیٹھے ہو کیوں تو سن کے کہا | شکوے جی میں حساب کرتے ہیں

ہیں تو کرنے بہت ولیکن ہم
دل میں کچھ انتخاب کرتے ہیں

(۲۸۲)

جب اس کا ادھر ہم گزر دیکھتے ہیں | تو کر دل میں کیا کیا حذر دیکھتے ہیں
ادھر تیر چلتے ہیں ناز و ادا کے | اُدھر اپنا سینہ سپر دیکھتے ہیں
ستم ہے کن انکھیوں سے گر اک لیجے | غضب ہے اگر آنکھ بھر دیکھتے ہیں
نہ دیکھیں تو یہ حال ہوتا ہے دل کا | کہ سو سو تڑپ کے اثر دیکھتے ہیں
جو دیکھیں تو یہ جی میں گزرے ہے خطرہ | ابھی سر اُڑے گا اگر دیکھتے ہیں
مگر اس طرح دیکھتے ہیں کہ اس پر | یہ ثابت نہ ہو جو ادھر دیکھتے ہیں

چھپا کر، دغا کر، نظیر اس صنم کو
غرض ہر طرح اک نظر دیکھتے ہیں

(۲۸۳)

مژگاں وہ جھپکتا ہے اب تیر ہے اور میں ہوں | سر پاؤں سے چھدنے کی تصویر ہے اور میں ہوں

کہتا ہے وہ گل تیرے پرزے میں اڑاؤں گا
اب صبح کو قاتل کی شمشیر ہے اور میں ہوں

بے جرم و خطا جس کا خوں ہووے روا یارو
اس خوبیٔ قسمت کا نخچیر ہے اور میں ہوں

ہے قتل کی دھن اس کو اور میری نظر حق پر
تدبیر ہے اور وہ ہے تقدیر ہے اور میں ہوں

دل ٹوٹا نظیر اب تو دو چار برس رو کر
اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں

(۲۸۴)

چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں

یہ مہر و مہ جو نشیب و فراز ہیں گردوں
تمہارے باغ میں اپنے کئی ہنڈولے ہیں

تُلا نہ حسن تمہارا، و گر نہ میزاں میں
فلک پہ شمس و قمر لاکھ بار تولے ہیں

ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے
کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

وہ سنگدل جو نہ بولا تو کیا تعجب ہے
میاں نظیر کہیں بت بھی منہ سے بولے ہیں

(۲۸۵)

گل نظر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن
گل رخ و گلگوں قبا و گلعذار و گل بدن

مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رو، مہ جبیں
سیمبر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

تیر قد، نشتر نگہ، مژگاں سناں، ابرو کماں
برق و ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام
مشک تبت مشک چیں مشک خطا مشک ختن

نازنین، ناز آفریں، نازک بدن، نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا سیمیں زنخ شیریں دہن

بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام
جنگجو قتّال وضع و تند خو و دل شکن

دوش و بر دندان لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن برگ سمن دُرّ عدن لعل یمن

سختی و بے رحمی و ظلم و جفا اس شوخ کے
معتمد، مومی الیہ و مستشار و موتمن

مبتلا ایسے ہی خونخواروں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

(۲۸۶)

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن
ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن

ہاتھ سے اب تو قلم رشک مسیحا رکھ دے
نسخے بدلیں ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن

غرق دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سنا تیسرے دن

دل بیمار رہے عشق میں کیوں کر سرسبز
خاک سے دانے کو ہے نشو و نما تیسرے دن

چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز
سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن

اب ذرا چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن

عمر اک ہفتہ نہیں باغ میں اے گل مت پھول
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

چار حرف[۱] اس بت پرخوں کے اوپر بھیج نظیر
آپ سے آپ جو ہو جائے خفا تیسرے دن

(۲۸۷)

عیش کر خوباں میں، اے دل، شادمانی پھر کہاں
شادمانی گر ہوئی ۔ تو زندگانی پھر کہاں

جس قدر پینا ہو پی لے پانی انکے ہاتھ سے
آب جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں

لذّتیں جنت کے میوے کی بہت ہونگی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

واں تو ہاں حوروں کے گہنے کے بہت ہونگے نشاں
ان پریزادوں کے چھلّوں کی نشانی پھر کہاں

الفت و مہر و محبت سب ہیں جیتے جی کے ساتھ
مہرباں ہی اُٹھ گئے، یہ مہربانی پھر کہاں

واعظ و ناصح بکیں تو انکے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے میاں یہ نوجوانی پھر کہاں

جا پڑے چپ ہو کے جب شہر خموشاں میں نظیر
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر خوانی پھر کہاں

[۱] چار حرف بھیجنا، لعنت بھیجنا۔ آسی

(۲۸۸)

لیتا ہے جان میری تو میں سر بدست ہوں — اے یار میں تو کشتۂ روزِ الست ہوں

اک دم کی زندگی کے لیئے مت اٹھا مجھے — اے بے خبر میں نقش زمیں کی نشست ہوں

تو مست کر شراب سے اے گل بدن مجھے — ظالم میں تیری چشمِ گلابی سے مست ہوں

دور از طریق مجھ کو سمجھیو نہ زاہدا — اگر تو خدا پرست ہے میں بت پرست ہوں

ان سنگدل بتوں کا گلہ کیا کروں نظیر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

(۲۸۹)

ق

یہ ہم سے آپ جو چیں بر جبیں ہیں — اگر ہم جاہ کے لائق نہیں ہیں

بتاں لیتے ہیں دل دونوں طرح سے — اگر بیباک ہیں یا شرمگیں ہیں

کھڑے تھے ہم جو اس گلرو کے آگے — سبب یہ کچھ جو ہم الفت گزیں ہیں

کہا کہیے نظیر اپنی تمنا — بڑے ہی آپ صاحب دوربیں ہیں

کچھ ایسا ہو کہ جس میں لوگ ہم کو
کہیں یہ بھی اب ان کے ہمنشیں ہیں

(۲۹۰)

ق

اس کے رخسار کی صباحت میں — شور ہے خال کا ملاحت میں

حسن کو دیکھ اے دل ناداں — ورنہ پڑ جائے گا قباحت میں

ہو گئے جو مقیم کوئے بتاں — پھر نہ آئے کبھی سیاحت میں

دل لگا کر نظیر بیٹھے ہم — رنج سے دور ہو کے راحت میں

جب سنا یہ کہ یاں ہے فرقت بھی
آ گیا فرق استراحت میں

(۲۹۱)

کیا کہیں ہم یہ رات چاہت میں — گزری کیا واردات چاہت میں
شدت الفت میں کیا مزا اے دل — چاہیے کچھ ثبات چاہت میں
یار چاہے تو پل میں آساں ہو — ورنہ ہیں مشکلات چاہت میں
کڑوی باتیں نظیر لگتی ہیں — دل کو شل نبات چاہت میں

کردے حنظل کو ایک دم میں شہد
ہم نے دیکھی یہ بات چاہت میں

(۲۹۲)

نہ دیویں ہم تو دل اپنا کبھی بتوں کے تئیں[1] — پہ ان کے حسن کے آگے کچھ اختیار نہیں
ق
نظیر ایک دن اس تند خو سے میں نے کہا — یہ فارسی میں کہ اے مہ عذار و زہرہ جبیں
چہ[2] کردہ ام کہ نگاہے بحال من نہ کنی — چہ گفتہ ام کہ نگوئی دمے بیا بنشیں
بجز[3] جفا و تعدی نمی کنی بر من — نگہ عتاب قریں داری و جبیں پُرچیں

دلم[4] برائے ہمیں بردہ کہ ظلم کنی
شنید و گفت "بلے بردہ ام برائے ہمیں"

(۲۹۳)

دور سے منہ کو دکھا جاوے تو کچھ دور نہیں — اپنے منظور رکھو یہ بات بھی منظور نہیں
تاک کر سنگ نہ پھینکو کہ مرے سینے میں — دل پر اک آبلہ ہے خوشۂ انگور نہیں
اک تبسم ہے بتوں کا مری صحت کی دوا — پر وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں تو رنجور نہیں
ان کا گورا وہ بدن ہے کہ برابر اس کے — سیم خالص نہیں موتی نہیں بلور نہیں

حسن میں اس در یکتا سے جو ہمتا ہو نظیر
آدمی کیا کہ پری کا بھی یہ مقدور نہیں

[1] تئیں متروک ہے اور اس کے بجائے اب کو زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے ۱۲
[2] میں نے کیا خطا کی ہے کہ تو میرا حال نہیں دیکھتا اور ایسا میں نے کیا کیا ہے کہ دم بھر بیٹھنے کے لیے تو مجھ سے نہیں کہتا ۱۲
[3] سوائے اس کے تو مجھ پر ظلم و جور کرے اور کچھ نہیں کرتا۔ میری طرف سے تیری نگاہ میں عتاب بھرا ہے اور پیشانی پر شکن پڑی ہے ۱۲
[4] کیا تو میرا دل اسی لیے لے گیا تھا کہ مجھ پر ظلم کرے۔ اس تئیں یہ سنا تو بولا کہ جی ہاں اسی لیے میں نے دل لیا تھا ۱۲ کی

(۲۹۴)

دل ٹھہرا ایک تبسّم پر کچھ اور بہا اسے جان نہیں
گر ہنس دیجے اور لے لیجے تو فائدہ ہے نقصان نہیں

یہ ناز ہے یا استغنا ہے یا طرز تغافل ہے یارو
جو لاکھ کوئی تڑپے سسکے فریاد کرے کچھ دھیان نہیں

جب سنتا ہے احوال مرا یوں کہتا ہے عیاری سے
ہے کون وہ اس سے ہم کو تو کچھ جان نہیں پہچان نہیں

کچھ بن نہیں آتا کیا کیجے کس طور سے ملیے اے ہمدم
وہ دیکھ ہمیں رک جاتا ہے اور ہم کو چین اک آن نہیں

تر دیکھ کے میری آنکھوں کو یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ میاں وہ مشکل ہے آسان نہیں

دل پھنس کر اس کی زلفوں میں تدبیر رہائی کی مت کر
کب چھوٹا اس کے دام سے تو وہ دانا ہے نادان نہیں

زنہار نہ رکھیو دل میں نظیرؔ اس لب سے توقع بوسے کی
گر بھولے سے بھی یار تجھے دشنام وہ دے امکان نہیں

(۲۹۵)

کیا دل لگا دیں مہرباں ہم حسن صورت سے کہیں | نے واں ثبات اس سے بہم نے یاں قیام اپنے تئیں
تھا اک مکاں دلکشا رشک چمن جس کی فضا | تھی اس جگہ رونق فزا رقاصہ شوخ اک نازنیں
قد حسرت سرو چمن لب غیرت لعل یمن | جعد معنبر پرشکن نوک مژہ نشتر قریں
دیکھ اس کے رقصوں کی ادا دل رقص میں کھیے جابجا | نغمات یکسر سحر زا، انداز کل جادو گزیں
ناز و ادا کی گرمیاں غارت گر صبر و توان | طور تکلم در فشاں طرز تبسم شکریں

کیا کیا لگاوٹ بے بدل کیا کیا رکھاوٹ برمحل — کیا کیا بناوٹ بل بہ بل کرتی تھی وہ زہرہ جبیں
گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجوزہ[1] ہو گئی — وہ نوجوانی تازگی دیکھی تو کوسوں تک نہیں
وہ گل سا مکھڑا زرد ہے گرمی کا عالم سرد ہے — جاں رنج سے پر درد ہے آزردہ دل اندوہگیں
جوں بید لرزاں دست و پا ہر جا ہے چوب گل عصا — ہر مو جو سنبل رشک تھا یکسر ہے برگ یاسمیں
نے چشم میں مستی رہی نے خو میں وہ تندی رہی — نے لب میں وہ سرخی رہی نے منہ میں وہ درثمیں[2]
دیکھ اس کو میں نے ناگہاں پوچھا کچھ اپنا کر بیاں — تھی کل تو رشک گلستاں ہے آج خار سہمگیں

بولی نظیر عبرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ
یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہے چناں گاہے چنیں

(٢٩٦)

کہیں بیٹھنے دے دل اب مجھے جو حواس ٹک میں بجا کروں
نہیں تاب مجھ میں کہ جب تلک تو پھرے تو میں بھی پھرا کروں

تو ہزار مجھ کو ستا پری تری چاہ مجھ سے نہ چھوٹے گی
مرے دل کی تو ہے یہی خوشی تو جفا کرے میں وفا کروں

جونہی بوسہ میں نے کیا طلب تو کہا تجھے تو نہیں ہے ڈر
مجھے خوف ہے کہ مباد اگر کوئی دیکھ لے تو میں کیا کروں

مجھے مدتوں سے ہے درد دل جو کہا کچھ اس کا علاج کر
تو کہا کہ اس کی دوا ہے یہ تو کہا کرے میں سنا کروں

جو نگہ سے چاہ کے دیکھیے تو چڑھا کے تیوری یہ کہتا ہے
تری اس نگہ کی سزا ہے یہ کہ بس اب میں تجھ سے چھپا کروں

کبھی اس کے کوچے میں جا کے جو بکام دل گھڑی دو گھڑی
تو مجھے ہیں یاد وہ مکر و فن پھر اسی کے دل میں میں جا کروں

[1] عجوزہ۔ بڑھیا ۱۲ [2] دُرِّثمیں قیمتی موتی ۱۲ [3] شال سقوط عین ۱۲ آسی

کوئی بولا تم نے نظیر کو نہ جھڑک دیا تو کہا میاں
دل و جاں سے مجھ پہ فدا ہے وہ اسے کس طرح میں خفا کروں

(۲۹۷)

دوانہ ترا عاشق زار میں ہوں
فدا تجھ پہ مدت سے اے یار میں ہوں

فریبوں میں کب تیرے آتا ہوں ظالم
فریبی جو تو ہے تو عیار میں ہوں

جسے اس نے کاٹا ہوا بے اجل وہ
سمجھتا تری زلف کو مار میں ہوں

اگرچہ وہ گل ہے و یا چشم نرگس
ترے باغ تازہ کا اک خار میں ہوں

(۲۹۸)

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں، شیشہ کہیں، ساقی کہیں، جام کہیں

دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

ایک دل دیجیے کس کس کو سبھی مانگتے ہیں
بُندے بالے کہیں اور زلف سیہ فام کہیں

نامہ بر نامہ لکھوں یا میں زبانی کہدوں
خط کے پرزے پہ لکھوں قاصد ناکام کہیں

دل بھی اور جان دیا سب نے اسی پر ہے نظیر
گل کہیں، غنچہ کہیں، بلبل بدنام کہیں

(۲۹۹)

نہ دن کو چین نہ راتوں کو خواب آنکھوں میں
بھر آرہا ہے ترے غم سے آب آنکھوں میں

جدھر وہ دیکھے اُدھر صف کی صف الٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں

تھما نہ اشک نہ نیند آئی نا پلک جھپکی
بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھوں میں

شتابی آن کے محبوبو، پگڑیاں رنگ لو
نظیر لایا ہے بھر کر شہاب آنکھوں میں

(۳۰۰)

اپنی پرستشوں کی گرچہ نہایتیں ہیں — لیکن بتوں کی ہم سے اب تک شکایتیں ہیں
منہ کو پھرا کے ہم سے آئینے کو دکھانا — آئینہ رویوں کی کیا کیا رعایتیں ہیں
کہتے ہیں ہم جو آؤ تو در جواب اس کے — ایک اک سخن میں سو سو طرزیں کنایتیں ہیں
بے رحمیٔ نگہ کی فریاد جب ہیں کرتے — تو ہم کو جھڑکیاں ہیں اس کی حمایتیں ہیں
بخت سیہ ہمارا محروم لطف سے ہے — اور سرمہ و مسی پر کیا کیا عنایتیں ہیں
سن کر کسی کے غم کو کہتے نہیں کہ سچ ہے — تحریک لب کی اپنے یاں تک کفایتیں ہیں

دے کر نظیر دل کو جو جو سہیں جفائیں
کہیے کہاں تک ان کو لاکھوں حکایتیں ہیں

(۳۰۱)

یہ جو گلرو نگار ہنستے ہیں — فتنہ گر ہیں ہزار ہنستے ہیں
عرض بوسے کی سچ نہ جانو تم — ہم تو اے گلعذار ہنستے ہیں
ق
دل کو دے مفت ہنستے ہیں ہم یوں — جس طرح شرمسار ہنستے ہیں
ہم جو کرتے ہیں عشق پیری میں — خوبرو بار بار ہنستے ہیں

جو قدیمی ہیں یار دوست نظیر
وہ بھی بے اختیار ہنستے ہیں

(۳۰۲)

کہتے ہیں جس کو نظیر سنیے ٹک اس کا بیاں — تھا وہ معلم غریب بزدل و ترسندہ جاں
کوئی کتاب اس کے تئیں صاف نہ تھی درس کی — آئے تو معنی کہے ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے — فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ این و آں
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کبھی — پختگی و خامی کے اس کا تھا خط درمیاں

شعر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے — اپنے اسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں
شست روش پست قد سانولا ہندی نژاد — تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا مسّے کے طور — تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں
وضع سبک اس کی تھی، تس پہ نہ رکھتا تھا ریش — موچھیں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ سال
پیری میں جیسی کہ تھی اس کو دل افسردگی — ویسی ہی رہی تھی ان دنوں جن دنوں میں تھا جواں
جتنے غرض کام ہیں اور پڑھانے سوا — چاہیے کچھ اس سے ہوں اتنی لیاقت کہاں

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و نان

(۳۰۳)

جب کہ اُلٹی ہم نے تکرارِ نظر پر آستیں — کھینچ لی اُس نے رخِ رشکِ قمر پر آستیں
اُس پری رو کے دوانے کی یہ ہے شکلِ لباس — تارِ دامن خار پر، شاخِ شجر پر آستیں

(۳۰۴)

طلعتِ یوسف صباحت میں ہے لاثانی، و لے — یہ نمک یہ خال و خط، یہ زلف، یہ ابرو کہاں
کس طرح سنبل ہو اُن زلفوں سے آکر سر بسر — یہ لٹک، یہ بل، یہ پیچ و تاب، یہ خوش بو کہاں

(۳۰۵)

یہ حسن دی بہاراں جن دہلی آندیاں ہیں — کہ کہ طرح جگر وچ دھوماں مچاندیاں ہیں
کوئی نہ دیکھدا ہے، دیکھو ادھر تو پیارے — تم بن ہماری انکھیاں آنجھو بہاندیاں ہیں

(۳۰۶)

کل نظیر اس نے جو پوچھا بہ زبان پنجاب — نہہ وچ میںڈی ہے کے حال تسادا وے میاں
جوڑ ہتھ ہم نے کہا حال "اساڈے دل دا — تسی سب جان دی ہو جی اسے کے عرج کراں

(٣٠٧)

چاہت سے اب افشا کن اسرار تو ہم ہیں — کیوں دل سے جھگڑتے ہو گنہگار تو ہم ہیں
کیا کبک کو دکھلاتے ہو انداز خرام آہ — حسرت زدۂ شوخی رفتار تو ہم ہیں

متفرقات (ن)

۴۰ چھوٹا سا خال اس رخ خورشید تاب میں — ذرہ سما گیا ہے دل آفتاب میں
۴۱ چمن میں جب سے لب اس غنچہ لب نے کھولے ہیں — گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپھولے ہیں
۴۲ میں اک اپنے یوسف کی خاطر، عزیز و — یہ ہستی کی ساری دکان بیچتا ہوں
۴۳ طوفان اٹھا رہا ہے مرے دل میں سیل اشک — وہ دن خدا نہ لائے جو میں آبدیدہ ہوں
۴۴ صبح جب بول اٹھا مرغ سحر گگڑوں کوں — اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹڑوں ٹوں
۴۵ کس کو کہیے نیک اور ٹھہرائیے کس کو برا — غور سے دیکھا تو سب اپنے ہی بھائی بند ہیں

ردیف واؤ۔ (و)

(٣٠٩)

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو — جس کی نوید پہونچی ہے رنگ بسنت کو
دی بر میں اب لباس بسنتی کو جیسے جا — ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آ لگو
گر ہم نشے میں بوسے کہیں دو تو لطف سے — تم پاس منھ کو لاکے یہ ہنس کر کہو کہ لو
بیٹھو چمن میں نرگس صد برگ کی طرف — نظارہ کرکے عیش و مسرت کی داد دو
سن کر بسنت مطرب زریں لباس سے — بھر بھر کے جام پھر سے خوش رنگ کے پیو
کچھ قمریوں کے نغمے کو دو سامعے میں جا — کچھ بلبلوں کا زمزمہ دل کشا سنو

مطلب ہے یہ نظیر کا یوں دیکھ کر بسنت
ہو تم بھی شاد دل کو ہمارے بھی خوش کرو

(۳۰۹)

ہم دَم چھپا وے واں کوئی کیا دل کی چاہ کو
شاہد جہاں سمجھتے ہیں پہلی نگاہ کو

دکھلا حنائی دست لیا جیب سے دین و دل
کیا دست رس ہے دیکھیے اس دستگاہ کو

بیٹھا جو چاندنی میں تو رُخ کی جھلک دکھا
خجلت تھی کون سی کہ نہ دی روے ماہ کو

ناصح تو راست کہتا ہے، لیکن وہ کیا کرے؟
دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کُلاہ کو

ق جھڑکی سے، اُس نے ہم کو خفا دیکھ کر، کہا:
"کیا ناپسند گنتے ہو اس رسم و راہ کو

جانتے ہیں جھڑکیوں میں ہماری وہ لذّتیں
جو چاہ میں سمجھتے ہیں بہتر نگاہ کو

گر عار ہے کچھ اس میں تمھیں، تو میاں نظیر
لے جاؤ اپنے اس دلِ عزّت پناہ کو

(۳۱۰)

حسن و فا سے کیا کیا دکھلا دیا ہے تم کو
کیوں جی دل اپنا ہم نے کیسا دیا ہے تم کو

ہوش و خرد دل و دیں صبر و قرار اپنا
دیکھو تو ہم نے اے جان کیا کیا دیا ہے تم کو

تیوری دکھا کے ہم کو بولا ادب سے رہنا
مت بھولنا یہ ہم نے سمجھا دیا ہے تم کو

ق چاہت کی دُھن میں ہم سے اک مہرباں نے پوچھا
نقشا کسی نے اس کا بتلا دیا ہے تم کو

مشکل ہے وہ تو اور تم سمجھے نظیر آساں
یہ تو میاں کسی نے بہکا دیا ہے تم کو

(۳۱۱)

چاہت میں جس سے اے دل کچھ بھی معاملہ ہو
وہ راہ واں نہ چلیے جس راہ کا گلہ ہو

مجنوں کی عشق بازی ہم نے سنی تو جانا
کیونکر نہ ہو وہ لیلیٰ جس کا یہ حوصلہ ہو

بے بوسۂ کفِ پا ہیہات تو نہ اے دل
ایسا نہ ہو کہ اس کے پاؤں میں آبلہ ہو

چاہت کی شرطیوں ہے، ہو چاہ جسکی اس سے
ظاہر میں گر ہو دوری دل میں نہ فاصلہ ہو

مژگاں کی نوکیں چبھوئیں دل کو نظیر اپنے
کب دیکھنے میں آویں، جب پھر مقابلہ ہو

(۳۱۲)

بھوؤں کی تیغ کہا دل پہ آزمانے دو
قرار ایک کا کر کر گلے لگانے دو

مجال کیا جو چھوئیں ہم تمھاری زلف اے جاں
بھلا ہمیں کف پا تک تو ہاتھ لانے دو

ق

حنا لگائی ہے یا حرف ہے نزاکت کا
نہ باہر آنے کے اکثر یہ ہیں بہانے دو

کہا کسی نے نظیر آتا ہے تو اس گل سنے
کہا کہ اس کو نہ آگے قدم بڑھانے دو

جو ہو بعید نہایت تو روک دو اس کو
ہمارے پاس نہ اس وقت اس کو آنے دو

(۳۱۳)

جو دیکھو ہنس کے تم تو بند اشکوں کی روانی ہو
لب جاں بخش کو کھولو تو اپنی زندگانی ہو

وہ گورا چاند سا مکھڑا عرق آلودہ گر دیکھے
تو کیا شک ہے کہ بہہ جاوے پری کا حسن پانی ہو

مجھے کل اک پری نے یوں کہا ہم اے نظیر اس دم
کہیں اک بات ایسی جس میں تجھ کو شادمانی ہو

نہ مل اس سنگدل سے تو جو ملنا ہو تو مل ہم سے
کہا میں نے یہ سنکر واہ تم بھی خوب سیانی ہو

اسے میں چھوڑوں اور چاہوں تمہیں اے بی یہ ممکن ہو
عجب تم بھی کوئی اُلٹن سٹرن خبطن دوانی ہو

(۳۱۴)

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچے سے
الٰہی راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو

علاج کیا کریں حکما تپ جدائی کا
سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو

نظیر اپنا تو معشوق خوبصورت ہے
جو حسن اس میں ہے ایسا کوئی عجیب نہ ہو

(۳۱۵)

مہ ہے اگر جو سے شیر، تم بھی زری پوش ہو
دودھ چھٹی کا اسے یاد دلانے چلو

آئینۂ ماہ کو لعل لب اپنے دکھا
چشمۂ کافور میں آگ لگانے چلو

تم ہو مہ چاردہ، چار قدم رکھ کے آج
بدر فلک قدر کی قدر گھٹانے چلو

(۳۱۶)

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو
لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو

ان ابروؤں کے وہ بھی مقابل نہ ہو سکیں
بالفرض آسمان پہ اگر سو ہلال دو

ڈالی سمیت گل کو اٹھایا تو ہے ولے
کھنچے میں نازکی ہے بس اب اسکو ڈال دو

تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیرؔ
دل تم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

(۳۱۷)

کہا جو ہم نے "ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو؟"
کہا کہ "اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو"

کہا "لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم؟"
کہا کہ "تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو"

کہا جو حال دل اپنا، تو اس نے ہنس ہنس کر
کہا "غلط ہے، یہ باتیں جو تم بناتے ہو"

کہا "جتاتے ہو کیوں ہم سے روز ناز و ادا؟"
کہا "کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو"

کہا کہ "عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے"
کہا "خبر ہے ہمیں، کیوں زباں پہ لاتے ہو"

کہا کہ "روٹھے ہو کیوں، ہم سے کیا سبب اسکا؟"
کہا "سبب ہے یہی، تم جو دل چھپاتے ہو"

کہا کہ "ہم نہیں آنے کے یاں" تو اس نے نظیرؔ
کہا کہ "سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو؟"

(۳۱۸)

دل جن کو دیا نام تلک اُن کا نہ پوچھا
تکلیف نہ ہو تا لب ریحاں نفسوں کو ؎

گو آتش گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

(۳۱۹)

خط کی رخساروں پر اس گل کے جو تحریریں ہیں دو
ہے وہ مصحف رخ کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو

حسن وہ ترک ستمگر ہے کہ جس کے پاس چار
ترکشیں مژگاں کی اور ابرو کی شمشیریں ہیں دو

یا بلاؤ ہم کو پنہاں یا تم آؤ چھپ کے یاں
گر ملا چاہو تو ملنے کی یہ تدبیریں ہیں دو

فی الحقیقت فیض جذب عشق سے باہم ہیں ایک
لیلیٰ و مجنوں کی گو ظاہر میں تصویریں ہیں دو

دل دیا اور کی وفا اس کی جفاؤں پر نظیر
غور سے دیکھا تو یہ اپنی ہی تقصیریں ہیں دو

(۳۲۰)

کچھ ڈر ہے ادھر آؤ اور اک آن نہ بیٹھو
ہنس کر یہ کہا تم کہیں پاس آن نہ بیٹھو

خوباں خرد و ہوش کو چھینے ہیں میاں دل
تم ان میں لیے ساتھ یہ سامان نہ بیٹھو

زلفوں میں پھنسا ہم کو یہ کہتا ہے وہ عیار
اس کوچے میں تم مثل پریشان نہ بیٹھو

یوں کھول کے رخسار یہ کاکل سر محفل
غافل نظر بد سے مری جان نہ بیٹھو

آئے ہو نظیر اب جو تم اس بزم بتاں میں
نظارہ کرو سر بگریبان نہ بیٹھو

(۳۲۱)

منہ کو دکھا گر ذرا اے گل خنداں تو
پوچھ کبھی تو مرے دیدۂ گریاں تو

داغ بہ دل، چشم تر، آہ بلب، سینہ چاک
دیکھ مری چاہ کے آن کے سامان تو

ہنس کے رقیبوں کے ساتھ پیار سے یوں دمبدم
توڑے ہے کیوں زخم پر میرے نمکدان تو

شام سے لے صبح تک صبح سے لے تا بہ شام
دل سے نہیں بھولتا اب مرے ایک آن تو

جان تو دے گا نظیر جانے نہ دے گا تجھے
ہاتھ سے اس کے عبث کھینچے ہے داماں تو

(۳۲۲)

جھڑکے بھی نہ الفت سے جو امداد کوئی ہو
تو ناز کا حسرت زدہ کیا شاد کوئی ہو

مشاطہ[1] ذرا بہر خدا حسن کی اس کے
اتنی نہ ہوا باندھ جو بر باد کوئی ہو

اے دل تو عبث اس سے نہ کر خواہش دشنام
دشنام تو وہ دے جو اسے یاد کوئی ہو

تخفیف جفا کا یہ سبب ہے کہ مبادا
شاید کہیں مجھ سا نہ پریزاد کوئی ہو

منظور ہوا دام میں جب دل کو پھنسانا
پھر وسوسہ کیا چاہیے صیاد کوئی ہو

ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے
وہ آن غضب ہے جو خدا داد کوئی ہو

بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو نظیر آہ
البتہ جو شائستۂ بیداد کوئی ہو

فرد

سرچشمۂ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ ۴۶ حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ

ردیف ہائے ہوز (ہ)

(۳۲۳)

جنھیں ہو آرہے صحبت خیال یار کے ساتھ
وہ سب بہاریں ہی سمجھے ہیں اس بہار کے ساتھ

اکیلے باغ میں جانے سے لطف کیا ہمدم
چمن کی سیر جو کیجیے تو گلعذار کے ساتھ

ہوا میں ہو کے یہاں روح سنبلستاں کی
لگی پھرے ہے تری زلف مشکبار کے ساتھ

میں منتظر بھی ہوں اور پوچھ بھی نہیں سکتا
یہ اور رشک کا نسخہ ہے انتظار کے ساتھ

رقیب کہتے ہیں پھرتا ہے یار ساتھ ترے
وہ گر پھرا بھی تو مجھ سے خراب خوار کے ساتھ

شراب و شاہد و عیش و نشاط و درد و الم
یہ سب معاملے ہیں اک نفس کے تار کے ساتھ

[1] مشاطہ کنگھی کرنے والی اور عورتوں کا بناؤ سنگھار کرنے والی عورت ۱۲ آسی

نظیر کاکلِ پیچاں نہ جانیو اس کو
میاں یہ مار ہے بازی نہ کیجو مار کے ساتھ

(۳۲۴)

داماں وکنار اشک سے کب تر نہ ہوئے آہ
دو چار بھی آنسو مرے گوہر نہ ہوئے آہ

جیسے کہ دل ان لالہ عذاروں کے ہیں سنگیں
دل چاہنے والوں کے بھی پتھر نہ ہوئے آہ

کہتے ہیں کہ نکلا ہے وہ اب سیرِ چمن کو
کیا وقت ہے اس وقت مرے پر نہ ہوئے آہ

خوباں کے تو ہم فدوی و بندہ بھی کہائے
لیکن وہ ہمارے نہ ہوئے پر نہ ہوئے آہ

کیا تفرقہ ہے جب کہ گئے ہم تو نہ تھا وہ
اور آیا وہ ہم پاس تو ہم گھر نہ ہوئے آہ

کیا نقص ہے اس غیرتِ خورشید کے آگے
ہم لعل تو کب ہوتے ہیں اخگر نہ ہوئے آہ

دریا بھی بہے مے کے پر اے بادہ پرستاں
یہ خشک وہ لب ہیں کہ کبھی تر نہ ہوئے آہ

دیکھ اس کو نظیر اب مجھے آتا ہے یہی رشک
کیوں ہم بھی اسی طرح کے دلبر نہ ہوئے آہ

(۳۲۵)

پان کھا کر جب کہا اس نے کہ لانا آئینہ
رشک رنگِ لعل ہو گا ہم نے جانا آئینہ

جب کہا کچھ ہم یہ فرمائش نہیں کرتے میاں
دیکھ کر منہ کو یہ فرمایا لے آنا آئینہ

ق

دیر تک دیکھا کیا منہ کو تو ہم نے یوں کہا
دیکھیں ٹک اپنا میاں ہم کو دکھانا آئینہ

لینے جو آیا نظیر اس سے یہ بولا ہنس کے شوخ
ہاتھ سے ان کے نہیں یہ تو لگانا آئینہ

یہ پرانے ہیں اگرچہ تو گرفتاروں میں ہیں
خیر ان کو بھی کوئی لا دو پرانا آئینہ

(۳۲۶)

جو کہتے ہو چلیں ہم بھی ترے ہمراہ بسم اللہ
پھر اس میں دیر کیا اور پوچھنا کیا واہ بسم اللہ

قدم اس ناز سے رکھتا ہوا آتا ہے محفل میں
کہ اہل بزم سب کہتے ہیں بسم اللہ بسم اللہ[1]

لگائی اس نے جو تیغ ابرو کی مرے دل پر
لب ہر زخم سے نکلی بجائے آہ بسم اللہ

شب مہ میں جو کل ٹک ڈگمگایا وہ شہ انجم
وہیں بولے خدا حافظ پکارا ماہ بسم اللہ

وہ جس دم نسخۂ ناز و ادا آغاز کرتا ہے
تو ہم کہتے ہیں ایک ایک آن پر واللہ بسم اللہ

جو اس کی چاہ کا جی میں ارادہ ہے تو بس اے دل
مبارک ہو تجھے جا شوق سے تو چاہ بسم اللہ

نظیر اس دلربا محبوب چنچل سے لگا کر دل
ہمیں کہنا پڑا ہے دمبدم اللہ بسم اللہ

(۳۲۷)

لگی ہے[2] دل کی لگن اس حیا شعار کے ساتھ
جو آرسی کو بھی دیکھے کبھی تو عار کے ساتھ

کمال شوخیاں تس پر یہ تمکنت یہ مزاج
کہ ہے سبک سی ادا وہ بھی سو وقار کے ساتھ

ہزار گل کی بہاریں نہ ہو سکیں ہمسر
تمہارے ایک کرن پھول کی بہار کے ساتھ

جو بیاہو طائر دل بچ سکے تو کیا امکان
ہجوم دام ہے کاکل کے تار تار کے ساتھ

اسے میں سحر کہوں یا فسون طرفہ نظیر
کہ ایک پل میں نگہ لڑ گئی ہزار کے ساتھ

(۳۲۸)

زاہد و روضۂ رضواں سے کہو، عشق اللہ
عاشقو، کوچۂ جاناں سے کہو، عشق اللہ

جس کی آنکھوں نے کیا بزم دو عالم کو خراب
کوئی اُس فتنۂ دوراں سے کہو، عشق اللہ

یارو دیکھو جو کہیں اُس گلِ خنداں کا جمال
تو مرے دیدۂ گریاں سے کہو، عشق اللہ

ہیں جو وہ کشتۂ شمشیر نگاہِ قاتل
جا کے اُن گنج شہیداں سے کہو، عشق اللہ

آہ کے ساتھ مرے سینے سے نکلے ہے دھواں
اے بتاں مجھ دلِ بریاں سے کہو، عشق اللہ

یاد میں اُسکے رُخ و زلف کی ہر آن، نظیر
روز و شب سنبل و ریحاں سے کہو عشق اللہ

۱؎ بسم اللہ کا لفظ تعجب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور کسی کام کے شروع کرتے وقت بھی کہتے ہیں ۱۲ آسی

۲؎ لگن لگنا یعنی لگاؤ تعلق خاطر ہونا۔ دھن بندھنا ۱۲

۳؎ عشق اللہ آزاد فقیروں کا سلام ۱۲ آسی

(۳۲۹)

نورِ حق[۱]، شافعِ امت سے کہو، عشق اللہ،
ہر دم اس شاہِ ولایت سے کہو، عشق اللہ،

یاد کر، مومنو، اُس کا وہ ہرا پیراہن
سبزۂ باغِ امامت سے کہو، عشق اللہ،

لشکرِ شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا
گوہرِ درجِ شجاعت سے کہو، عشق اللہ،

پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا
اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو، عشق اللہ،

ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں
سب ہر اک صاحبِ عزت سے کہو، عشق اللہ،

راہِ مولیٰ میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر
ان شہیدوں کی شہادت سے کہو، عشق اللہ،

مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا
اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو، عشق اللہ،

دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ
ان جوانوں کی قناعت سے کہو، عشق اللہ،

کہیں ہیں باطنی لوٹے ہیں عبادت کے مزے
دوستو اُن کی عبادت سے کہو، عشق اللہ،

چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم لے لے
اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو، عشق اللہ،

کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیرؔ
اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

[۱] یہ غزل بطریق سلام کہی گئی ہے۔
[۲] ہاتھ پانا قبضہ پانا قدرت پانا
آسی

(۳۳۰)

اُس[۲] نے ایسے حُسن کے پایا ہے گنجینے پہ ہاتھ
رکھتی ہے تعظیم کو جس کے پری سینے پہ ہاتھ

آج تو وہ حسن چمکا تھا کہ غش آتا اسے
رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ

یوں پڑا کوچے میں اسکے میں کہ اس نے رحم سے
رکھ لیا، "ہا" کہہ کے اپنے سیم گوں سینے پہ ہاتھ

پاؤں اس کے دابتے غیروں نے دیکھا تھا مجھے
کوٹتے سب مل کے گر پاتے مرے سینے پہ ہاتھ

کب اُترتا بام سے میرے وہ ملنے کو نظیرؔ
دل نہ رکھتا نہ پر یا اس کے جو ہر زینے پہ ہاتھ

(٣٣١)

کل لگ چلے جو ہمدم ہم یار سے زیادہ
دشنام دے کے جھڑکا ہر بار سے زیادہ

بوسے جو کر کے وعدہ دینے لگا تو بولا
بوجی مگر نہ لینا اقرار سے زیادہ

ہے بالین تو اس کا پر غور سے جو دیکھا
کیا کیا لگاوٹیں ہیں مقدار سے زیادہ

پوچھا تمھارے منھ کی ہے کس قدر تجلی
ہنس کر کہا کہ مہ کے انوار سے زیادہ

بیدردی بتاں کا شکوہ نظیرؔ مت کر
ان کی تو ہیں جفائیں اظہار سے زیادہ

(٣٣٢)

گورے ہاتھ اس کے وہ رکھتے ہیں عجب[1] تاب پہ ہاتھ
مار بیٹھے ہیں غرض پنجۂ مہتاب پہ ہاتھ

پوچھا خواب آتا ہے تم کو تو اشاروں کے طریق
رکھ دیا ہم نے وہیں مسند کمخواب پہ ہاتھ

پڑ گئی دور سے تھی جی میں دھڑک تو لیکن
ہم نے دیکھا اسے رکھ کر دل بیتاب پہ ہاتھ

پاؤں میں دیکھ حنا اس کی سر انگشتوں کی
رکھ لیا شرم سے ہر برگ نے عناب پہ ہاتھ

دی جو دشنام بجائے شکر بوسہ نظیرؔ
مارے خوش وقتی سے جب دل نے اسی راب پہ ہاتھ

[1] یعنی اُس کے گورے ہاتھ عجب تاب پر قدرت رکھتے ہیں آسی

(٣٣٣)

بسکہ دل اس کا ہے مانوس خیال آئینہ
ہے وہ ملک حسن محروس خیال آئینہ

تھا وہ پشت بام پر عکس آرسی میں ہم نے بھی
زور حکمت سے لیا بوس خیال آئینہ

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے
بلبلِ تصویر و طاؤس خیال آئینہ

دل جفا سے اُس کی آزردہ ہو سو ہوتا نہیں
بے خطر ہے زنگ سے رد‌ِ خیال آئینہ

کل اسے آئینہ خانے میں جو تھی مشق خرام
تھا دو صد جا ہم کو پابوسِ خیال آئینہ

صافیٔ دل کا لغت اس سے نہ پھر پنہاں رہے
یک نظر دیکھے جو قاموسِ خیال آئینہ

ہے اگر منظور سیرِ عالمِ حیرت نظیر
تو دل اپنا کر تو محبوسِ خیال آئینہ

(۲۳۷)

ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے اُمیدوار آہ!

ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر
پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ!

تھی اس عید کی سو گئی وہ بھی، دوستو
اب دیکھیں کیا کرے دلِ امیدوار، آہ!

ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہم کنار، آہ!

جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیر
اُس کے اُپر تو حیف ہے، اور صد ہزار آہ

(۲۳۸)

تری وہ شان کی رفعت ہے یا رسولؐ اللہ
کہ لامکاں نے کہا "لا الٰہ الا اللہ"

وہ نورِ دیدۂ احمدؐ کہ جس کے رُتبے کی
حدیث "بضعۃ منی" ہے دو جہاں میں گواہ

متفرقات ردیف (ہ)

مطلع

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لیجاتا ہے وہ
۴۷ پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

مصحف رُخ پہ ترے ابروے پیوستہ نہیں | ۴۸ | سو قلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ

ردیف یائے تحتانی (ی)

(۳۳۹)

خجلت تو نہ دی کچھ اُس بھیر کی یاری نے ‏ شرمندہ کیا ہم کو ناتجربہ کاری نے

گلشن میں نقاب اُلٹا وہ بار رخ اُسکے سے ‏ کیا لطف کیا ہم پر کل بادِ بہاری نے

صد پارہ کیا دم میں گل گل نے گریباں کو ‏ اُس رشکِ گلستاں کی اک زیب شعاری نے

رات اُس کو سنا آتے پھر صبح تلک ہم کو ‏ اک لحظہ نہ دی فرصت ساعات شماری نے

کیا کیا چمن پر گل دکھلائے نظیر اُس دم ‏ اس دستِ نگاریں کی توصیف شماری نے

(۳۴۰)

یہاں دل تجھے لے چلے حسن والے ‏ کہوں اور کیا، جا خدا کے حوالے

ادھر آ ذرا تجھ سے مل کر میں رولوں ‏ تو مجھ سے ذرا مل کے آنسو بہالے

چلا اب تو ساتھ ان کے تو بے بسی سے ‏ لگا میرے پہلو میں فرقت کے بھالے

خبردار ان کے سوا زلف و رخ کے ‏ کہیں مت نکلنا اندھیرے اُجالے

ترے اور بھی ہیں طلب گار کتنے ‏ مبادا کوئی تجھ کو واں سے اُڑا لے

کہیں تم ایسا نہ کیجو کہ مجھ کو ‏ بلا سے پڑیں فال تعویذ والے

کسی کا تو کچھ بھی نہ جاوے گا لیکن ‏ پڑیں گے مجھے اپنے جینے کے لالے

تری کچھ سفارش میں ان سے بھی کر دوں ‏ کرے گا تو کیا یاد مجھ کو بھلا لے

سنو دلبرو! گلرخو! مہ جبینو! ‏ میں تم پاس آیا ہوں اک التجا لے

خدا کی رضا یا محبت سے اپنی ‏ پڑا اب تو آکر تمہارے یہ پالے

تم اپنے ہی قدموں تلے اس کو رکھیو
کبھی اس کو تکلیف ایسی نہ دیجو
تمہارے یہ سب ناز اُٹھا دے گا لیکن
نظیرؔ آہ دل کی جُدائی بُری ہے

تسلی دلاتے ہیں ہر دم سنبھالے
کہ غم میں یہ رو رو کر کرے آہ و نالے
وہی بوجھ رکھیو جسے یہ اُٹھالے
بہیں کیوں نہ آنکھوں سے آنسو کے نالے

اگر دسترس ہو تو کیجے منادی
کہ پھر کوئی سینے میں دل کو نہ پالے

(۳۴۱)

اب دیکھیں پھر ہم اے ہمدم کس روز سمے اس کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خد وہ رنگ وہ نقشا دیکھیں گے

جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہو کے اس کے لطف سے ہم
وہ بزم وہ خط وہ عیش وہ مے وہ جام وہ مینا دیکھیں گے

سرور بہت دل ہووے گا خوش جی بھی ہو گا کیا کیا جب
وہ ناز وہ دھج وہ آن وہ سج وہ زیب وہ بالا دیکھیں گے

وہ کاجل چنچل آنکھوں کا وہ مہندی نازک ہاتھوں کی
وہ پان وہ لب وہ حسن وہ چھب وہ گوش وہ بالا دیکھیں گے

ہے جو جو خواہش دل میں نظیرؔ آ سے گا ادھر محبوب تو ہم
وہ ربط وہ دھن وہ چین وہ سکھ وہ سیر وہ چرچا دیکھیں گے

(۳۴۲)

خوشی دو چند تمھیں سیرِ ماہتاب میں ہے
جلو میں چاہنے والے، قمر رکاب میں ہے

ق

لیا ہے ہم سے دل اور دیں بھی ہو طلب کرتے
دل اس تقاضے سے اپنا تو پیچ و تاب میں ہے

کہا کہ "دفترِ حسن پر یہ خوں کی نظیرؔ
تمھیں خبر نہیں، یہ بھی اسی حساب میں ہے"

(۲۴۳)

تھے آگے بہت جیسے خوش اے یار ہمیں سے
ایسے ہی تم اب رہتے ہو بیزار ہمیں سے

ہیں سب سے تو اے ماہ اشارات، ولیکن
رہتی ہے بھری ابروے خمدار ہمیں سے

محفل میں جو دیکھا تو ادھر تم ہو خفا، اور
ساقی کو بھی ہے حجت و تکرار ہمیں سے

اوروں سے جو کہتے ہو کہ "ہم اُن سے ہیں ناخوش"
اُس کو تو فقط کرنا ہے اظہار ہمیں سے

گلگشتِ چمن کرتے ہو جب ہمرہِ یاراں
واں بھی غرض آتی ہے تمھیں عار ہمیں سے

اقرارِ ملاقات ہے ہر اک سے بصد مہر
کی غور تو ہے گا تمھیں انکار ہمیں سے

سمجھے گا جو رتبے کو، نظیرؔ، اہلِ وفا کے
تو ملنے لگے گا وہ طرحدار ہمیں سے

(۲۴۴)

دل لے کے پھر نہ کیسے ہنس کر ملا کرو گے
یا کر کے عار ہم سے پھٹکے رہا کرو گے

کہئے ہو اب جو ہر دم بس جاؤ خوش رہو تم
جاویں گے جب تو تم بھی پھر خوش رہا کرو گے

خوبی تو لطف میں ہے اے جاں دگرنہ ہم تو
سختی بھی کھینچ لیں گے گر تم جفا کرو گے

ہر دم تو دیکھو رکھ کر اپنے قریب دل میں
کہتا ہے تم تو اک دن ہم سے دغا کرو گے

مت عاشقی میں یارو ناخوش نظیرؔ سے ہو
اب تو ہوا وہ عاشق پھر کہئے کیا کرو گے

(۲۴۵)

مجبور ہو ہم اس کی یوں انجمن سے نکلے
جیسے قفس میں پڑ کر بلبل چمن سے نکلے

دل دے کے شمع رو کے کوچے سے کب اُٹھیں ہم
پروانہ پر جلا کر کیونکر لگن سے نکلے

سحر نگہ کے ہمرہ پہلو سے یوں چلا دل
جیسے کوئی ہو بے بس اپنے وطن سے نکلے

لیلیٰ وشوں کو اس کی ہو کس طرح نہ الفت
مجنوں کی شان جس کے دیوانہ پن سے نکلے

کل تو وہ دھج بدل کر دل لے گیا ہمارا
آج اے نظیر دیکھیں وہ کس پھبن سے نکلے

(۳۴۶)

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

ناز اُٹھانے میں جفائیں تو اُٹھائیں لیکن
لطف بھی ایسا اُٹھایا ہے کہ جی جانے ہے

زخم اس تیغ نگہ کا مرے دل نے ہنس ہنس
اس مزیداری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی دزدیدہ نگہ نے مرے دل میں چھپ کر
تیر اس ڈھب سے لگایا ہے کہ جی جانے ہے

بام پر چڑھ کے تماشے کو ہمیں حسن اپنا
اس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے

اس کی فرقت میں ہمیں چرخ ستمگار نے آہ
یہ رُلایا یہ رُلایا ہے کہ جی جانے ہے

حکم چپی[1] کا ہوا شب تو سحر تک ہم نے
رتجگا[2] ایسا منایا ہے کہ جی جانے ہے

تلوے سہلانے میں گو اونگھ کے جھک جھک توڑے
پر مزا بھی وہ اُڑایا ہے کہ جی جانے ہے

رنج ملنے کے بہت دل نے سہے لیک نظیر
یار بھی ایسا ہی پایا ہے کہ جی جانے ہے

(۳۴۷)

دوری میں اس قمر کے جب آتی ہے چاندنی
خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی

مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اس کو شرمسار
روئے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی

محفل میں ہم کو دیکھ یہ کہتا ہے منہ کو پھیر
کیا میلی مفت میں ہوئی جاتی ہے چاندنی

اس سیمبر کے تن کی نزاکت کو باغ میں
نسرین و نسترن کو دکھاتی ہے چاندنی

کیا ایک دلی ہے ہم نے جو کہہ بھیجا اے نظیر
تم بن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی

سن کر پیامبر سے کہا جا کے تو یہ کہہ
البتہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی

گر ہم بغیر واں شب مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

[1] چپی آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں دبانا ۱۲
[2] رتجگا۔ رات بھر کسی تقریب کے لیے جاگنا ۱۲ آسی

(۳۴۸)

جاں بھی بجاں ہے ہجر میں اور دل فگار بھی
تر ہے مژہ بھی اشک سے جیب بھی اور کنار بھی

طرفہ فسوں سرشت ہے چشم کرشمہ سنج یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی

کوچے میں اس کے بیٹھنا حسن کو اسکے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی

دیکھیے کیا ہو بے طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
غمزۂ پر فریب بھی عشوۂ سحر کار بھی

زلف کو بھی ہے دمبدم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد طرۂ تابدار بھی

ق

بیٹھے بتوں کی بزم میں جنکی سے قدر جیبہ لوگ
اپنے فریب دفن سے واں تھا یہ خراب و خوار بھی

گننے لگے وہ اپنے جب چاہنے والوں کو نظیر
اٹھ کے یکایک اس گھڑی ہم نے کہا "ہیں یار بھی"

(۳۴۹)

جو تو کہتا ہے اے غافل "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"
یہ بس کا ہے، کسی کا ہے، نہ تیرا ہے نہ میرا ہے

تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے
نمازی ہے، شرابی ہے، اُچکا ہے، اُٹھیرا ہے

فرشتہ ہے، پری ہے، دیو ہے، یا آدمی، جن ہے
بلا ہے، بھوت ہے، یا من، مزور یا لمیرا ہے

تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے
مسافر ہے، وطن ہے یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے

جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہرائے
تو اسکے بعد پھر کہیو "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے او بے خبر ناداں یہ کس غفلت نے گھیرا ہے

تو تجھے سوت کا دھاگا عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط ہے اور قصور فہم تیرا ہے

تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس اٹیرن میں اٹیرا ہے

تماشا ہے مزا ہے سیر ہے کیا کیا اہا ہا ہا!
مصوّر نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے

ترقی میں تنزل ہے، تنزل میں ترقی ہے
اندھیرے میں اُجالا ہے، اُجالے میں اندھیرا ہے

طلسمات حقیقی ہے یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سورج، یہی شام اور سویرا ہے

نظیر اللہ اللہ! اس جہاں میں دم غنیمت ہے
کہاں ہم اور کہاں پھر تم، کوئی دم کا بسیرا ہے

(۳۵۰)

ابرو نے کماں زلف نے زنجیر دکھا دی — مژگاں نے بھی اک ترکش پر تیر دکھا دی
ملکر دُرِ دنداں میں مسی شوخ نے ہنس کر — کیا کیا رقم طرفہ کی تحریر دکھا دی
کوچے کی تری خاک نشینی نے ہمیں تو — تانبا ہو طلا جس سے وہ اکسیر دکھا دی
کل اُس نے کہا حُسن میں ہم رشکِ پری ہیں — مکھڑے نے ہمارے ہی وہ تنویر دکھائی
ہم بولے نظیر اُس سے کہ ہے جھوٹ تو ہنس کر
جھٹ اُس نے پری کی ہمیں تصویر دکھا دی

(۳۵۱)

ناگن ہے تری زلف کی دل کیونکہ نہ ڈر جائے — یہ کاٹ بھی دکھا دے جو کسی کو تو گزر جائے
شکل و بدن و زیور و پوشاک سب اُسکی — اک عالمِ تصویر ہیں جس جس پہ نظر جائے
عشاق سے ہے گرم تپاک اتنی ہی خاطر — تو کوئی مرے در سے دم سرد نہ بھر جائے
ہے حسن پرستی بھی عجب چیز وفا کیش — دل پر یہی ہو جائے تو اس کا نہ اثر جائے
محبوب کے رتبے پہ نظر رکھیو نظیر آہ
ایسا نہ ہو جو یار کے دل سے تو اُتر جائے

(۳۵۲)

یہ سرخی غنچۂ گل میں ترے دہن کی سی — نہ پائی سمن میں صفائی ترے بدن کی سی
میں کیوں نہ پھولوں کہ اس گلبدن کے آنے سے — بہار آج مرے گھر میں ہے چمن کی سی
یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے — جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی
گلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں — یہ رنگتیں ہیں تمہارے ہی پیراہن کی سی

جو دل تھا وصل میں آباد، تیرے ہجر میں آہ! / بنی ہے شکل اب اُس کی اُجاڑ بن کی سی
تو اپنے تن کو نہ دے نسترن سے اب تشبیہ / بھلا تو دیکھ یہ نرمی ہے تیرے تن کی سی؟
ترا جو پاؤں کا تلوا ہے نرم مخمل سا / صفائی اُس میں ہے کہنے کو نسترن کی سی

نظیر ایک غزل اس زمیں میں اور بھی لکھ
کہ اب تو کم ہے روانی ترے سخن کی سی

(۲۵۳)

نہیں ہوا میں یہ بو نافۂ ختن کی سی / لپٹ ہے یہ تو کسی زلفِ پُر شکن کی سی
میں ہنس کے اس لیے منہ چومتا ہوں غنچے کا / کہ کچھ نشانی ہے اس میں ترے دہن کی سی
خدا کے واسطے گُل کو نہ میرے ہاتھ سے لو / مجھے بُو آتی ہے اس میں کسی بدن کی سی
ہزار تن کے چلیں بانکے خوبرو، لیکن / کسی میں آن نہیں تیرے بانکپن کی سی
مجھے تو اُس پہ نہایت ہی رشک آتا ہے / کہ جس کے ہاتھ نے پوشاک تیرے تن کی سی
ق کہا جو تم نے کہ "منکا[۱] ڈھلا تو آؤں گا" / ہے بات کچھ نہ کچھ اس میں بھی مکر و فن کی سی
وگرنہ سچ ہے تو اے جان اتنی مدت میں / یہی بس ایک کہی تم نے میرے من کی سی
وہ دیکھ شیخ کو لاحول پڑھ کے کہتا ہے / "یہ آئے دیکھیے ڈاڑھی لگا کے سن کی سی"

کہاں تو اور کہاں اُس پری کا وصل نظیر
میاں تو چھوڑ یہ باتیں دوانے پن کی سی

(۲۵۴)

دل میں کچھ خوشدلی جو آ پہونچی / ایسی دل کو نوید کیا پہونچی
ق کیوں نہ ہو رشک اس کے کوچے میں / ہم نہ پہونچے مگر صبا پہونچی
کف کبھی اپنے ہاتھ کی ہیہات / اس کے پہنچے تلک نہ جا پہونچی
سن کے شہرت نظیر چاہت کی / واں سے تاکیدِ اختفا[۲] پہونچی

[۱] منکا ڈھلنا مرتے وقت آدمی کی گردن کا کسی طرف مائل ہونا ۱۲ [۲] اختفا- پوشیدہ ہونا، چھپانا ۱۲ آسی

بج گیا یاں وہ کوس شیدائی[۱]
جس کی کوسوں تلک صدا پہونچی ۔

(۳۵۵)

کیوں نہ اس کی ہو دل ربا پہونچی[۲]   جس کے پہونچے پہ ہو فدا پہونچی
گر پہونچ ہو تو ہم ملیں آنکھیں   ایسی اس کی ہے خوشنما پہونچی
دل کو پہونچے نے رنج کیا کیا وہ   اپنی لیتا ہے جب چھپا پہونچی
ایک چھڑی گل کی بھیج کر اس کو   ق   فکر تھی وہ نہ پہونچی یا پہونچی

صبح پوچھی رسید جب تو نظیر
دی ہمیں شوخ نے دکھا پہونچی

(۳۵۶)

اس صنم کا قرار کیا کہیئے   سختیٔ انتظار کیا کہیئے
ملتفت ہو تو کچھ کہیں اے دل   وہ تو کرتا ہے عار کیا کہیئے
ہم تجھے چاہیں تو نہ پوچھے بات   یہ طرح ہو تو پیار کیا کہیئے
اور اب داہ کے سوا تجھ سے   اے تغافل شعار کیا کہیئے

تھا جو کہنا سو ہم نظیر اس سے
کہہ چکے بار بار کیا کہیئے

(۳۵۷)

کئی دن سے ہم بھی ہیں دیکھتے اسے ہم پہ ناز و عتاب ہے
کبھی منہ بنا کبھی رخ پھرا کبھی چیں جبیں پہ شتاب ہے

ہے پھنسا جو زلف میں اس کے دل تو بتا دیں کیا تجھے ہمنشیں
کبھی بل سے بل، کبھی خم سے خم، کبھی تاب چیں سے تاب ہے

[۱] مراد شوالا ۱۲
[۲] پہونچی پہنچے کا ایک مشہور زیور ۱۲ آسی

وہ خفا جو ہم سے ہے غنچہ لب تو ہماری شکل یہ ہے کہ اب
کبھی رنج دل کبھی آہ جاں کبھی چشم غم سے پُرآب ہے

نہیں آتا وہ جو ادھر ذرا ہمیں انتظار میں اس کے یاں
کبھی جھانکنا کبھی تاکنا کبھی بے کلی پئے خواب ہے

وہ نظیر ہم سے جو آملا تو پھر اس گھڑی سے یہ عیش ہیں
کبھی رخ پہ رخ کبھی لب پہ لب کبھی ساغر مئے ناب ہے

(۳۵۸)

جب آیا وہ یاں دلربائی جتانے
تو کیا کیا لگا خوش ادائی جتانے

دکھانے لگی زلف اپنی درازی
مژہ بھی لگی کچھ رسائی جتانے

ق

نظیر ایک دن اس پری رو کے آگے
گئے ہم جو کچھ آشنائی جتانے

دیا جام اور ہم جو جھکے[1] تو بولا
تم آئے ہو نفرت فزائی جتانے

پلادیں گے ہم تو میاں فائدہ کیا
لگے تم جو یاں پارسائی جتانے

(۳۵۹)

پھر اس طرف وہ پری رو جھمکتا آتا ہے
برنگ مہر عجب کچھ چمکتا آتا ہے

ادھر اُدھر جو نظر ہے تو اس لیے یاررو
جو ڈھب سے تاکتے ہیں انکو تکتا آتا ہے

کوئی جو راہ میں کہتا ہے دل کی بے تابی
تو اس سے کہتا ہے کیا تو یہ بکتا آتا ہے

ملاپ کرتا ہے جس سے تو اس کی جانب واہ
قدم اُٹھاتا ہے جلد اور ہمکتا[2] آتا ہے

ہمارے دل کی جو آتش ہے دینی بھڑ بھڑکا
جبھی نظیر وہ پلکیں جھپکتا آتا ہے

---

[1] جھکے یعنی ذرا جھکیائے ۱۲
[2] ہمکنا۔ بچے کا ایک گود سے دوسری گود میں جانے کا ارادہ کرنا۔ ہمک کر چلنا ناز و انداز اور تبختر سے چلنا ۱۲ آسی

(۳۶۰)

دیکھ عقدِ ثریا ہمیں انگور کی سوجھی
کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی

موسیٰ کے تئیں گو شجرِ طور کی سوجھی
پر ختمِ رسالت کو بہت دور کی سوجھی

غش کھا کے گرا پہلے ہی شعلے کی جھلک سے
موسیٰ کو بھلا کہیے تو کیا طور کی سوجھی

ہم نے تو اُسے دیکھ یہ جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی

دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اس کا
بلور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی

سر پاؤں سے جب پھنس گئے اُس زلفِ سیہ میں
جب ہم کو سیاہی شبِ دیجور کی سوجھی

جنّت کے لیے شیخ جو کرتا ہے عبادت
کی غور جو ظاہر میں تو مزدور کی سوجھی

مصنوع میں صانع نظر آوے تو نظیر آہ
نزدیک کی بھر کی ہے جہاں دور کی سوجھی

(۳۶۱)

یہاں تو کچھ اپنی خوشی سے نہیں ہم آئے ہوئے
اک زبردست کے ہیں کھینچ کے بلوائے ہوئے

آتے ہی روئے تو آگے کو نہ روویں کیونکر
ہم تو ہیں روزِ تولد ہی کے دکھ پائے ہوئے

دیکھ کر غیر کے ساتھ اس کو کہا یوں ہم نے
ہو تو تم چاند پر اسوقت ہو گہنائے ہوئے

کل جو گلشن میں گئے ہم تو عجب شکل سے آہ
ہجر کے مارے ہوئے جی سے تنگ آئے ہوئے

گل جو تازے تھے کھلے کہتے تھے شبنم سے یہ بات
دیکھ کر اُن کو جو وہ پھول تھے کمھلائے ہوئے

آج ہیں شاخ پہ جس طور سے پژمردہ نظیر
کل اسی طرح سے ہم ہو دیں گے مرجھائے ہوئے

(۳۶۲)

جام نہ رکھ ساقیا شب ہے پڑی اور بھی
پھر جہاں کٹ گئے چار گھڑی اور بھی

پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اس سے کڑی اور بھی

پلکیں تو چھیدیں تھیں دل مارے تھی برچھی نگاہ ابرو نے اس پر سے ایک تیغ جڑی اور بھی
کچھ طپش دل تھی کچھ سنتے ہی فرقت کا نام آگ سی ایک آگ پر آن پڑی اور بھی
میری شب وصل کی صبح چلی آتی ہے روک لے اس دم فلک ایک گھڑی اور بھی
گرچہ ابھر آئی ہیں تن پہ مرے پر میاں اتنی لگائیں جہاں ایک چھڑی اور بھی

کیا کہوں اس شوخ کی واہ میں خوبی نظیرؔ
سنتے ہی اس بات کے ایک جڑی اور بھی

(۳۶۳)

جہاں ہے قد اس کا جلوہ فرما تو سرو واں کس حساب میں ہے
وہ قامت[1] ایسا ہے کچھ قیامت، قیامت اسکی رکاب میں ہے

یہ سب غلط ہے جو یوں ہیں کہتے کہ اس کا مکھڑا نقاب میں ہے
نقاب کیا ہے وہ شرمگیں تو نقاب سے بھی حجاب میں ہے

وہ گورا پنڈا اور اس میں سرخی مگر خدا نے سے سر سے تا پا
کیا ہے پیدا تو موتیوں کا اور اُس کو گوندھا شہاب[2] میں ہے

جھمک جو مکھڑے کی دیکھی اس کے تو ہم نے اپنے یہ دل میں جانا
اسی کے پرتو سے مہ ہے روشن اسی کا نور آفتاب میں ہے

رہے گا محبوب جس مکان میں تو واں ہی دیکھیں گے اس کو جا کر
غرض وہ جس کا کہ نام دل ہے یہ دھن اس عالیجناب میں ہے

جو غصہ ہو کر وہ دیوے گالی تو اس ادا سے، کہ ہم تو کیا ہیں
فرشتے غش ہو کے لوٹ جاویں یہ لطف اُسکے عتاب میں ہے

بندھا ہے جب سے خیال اس کا عجب طرح کی لگن لگی ہے
کبھی وہ دل میں کبھی وہ جی میں کبھی وہ چشم پُر آب میں ہے

[1] قامت کی تذکیر و تانیث میں فصحا کا اختلاف ہے ۱۲ [2] شہاب ایک سرخ رنگ ۱۲ آسی

وہی ادھر ہے وہی اُدھر ہے وہی زباں پر وہی نظر میں
جو جاگتا ہوں تو دھیان میں ہے جو سو گیا ہوں تو خواب میں ہے

نظیر سیکھے سے علم رسمی بشر کی ہوتی ہیں چار آنکھیں
پڑھے سے جس کے ہوں لاکھ آنکھیں وہ علم دل کی کتاب میں ہے

(٣٦۴)

ہم تو عاشق ہیں ترے ناز اُٹھانے والے
تم سے کم دیکھے ہیں محبوب ستانے والے

بند کر قید محبت میں خبر میری نہ لی
دام میں جسکے پھنسے دام چھڑانے والے

کل شب وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے

کل جو رستے میں ملاقات ہوئی تو یہ کہا
کہاں جاتے ہو طرحدار جلانے والے

گزری مدت کہ مرے ساتھ لپٹنے نہیں آئے
کیا ہوئے یار و گلے ہم کو لگانے والے

یوں تو اوقات گزرتی ہے مزیداری میں
نہ ملے چین مزے دار دکھانے والے

اب کے ملنا ہو نظیر اس سے تو کہنا جاکے
کیا ملیں ہم نہ رہے یار بلانے والے

(٣٦۵)

کسی کی چھین نہ لی ہم نے جاہ کی گٹھری
نظر پڑی نہیں ہرگز نباہ کی گٹھری

پس از وفات نہ آئے ہماری تربت پر
بجائے سبزہ رکھی لا کے کاہ کی گٹھری

مژہ سے اس کی پڑا ہے مقابلہ، یارب
ادھر یہ دل ہے اُدھر ہے سپاہ کی گٹھری

تمھارے طرۂ دستار نے کٹا لی ہے
متاعِ صبر اسی داد خواہ کی گٹھری

حضور میں تری رحمت کے جھک نہیں سکتا
کہ سر پہ ہے مرے بار گناہ کی گٹھری

رکھے ہے کون، جنوں، وادیٔ محبت میں
بغیر آبلہ پا زادِ راہ کی گٹھری

بہم ہوا تھا جو کچھ یاں طواف کعبہ سے
کرشمے نے وہ بتوں کے تباہ کی گٹھری

کوئی تو غرق ہے بحرِ فراق کا یاں شوخ
اُبھار سینے، یہ اس کے کچوں کا ہے بارے
بڑا، ہے ناز و ادا کا ہجوم جو یہ لشکر

نہیں حباب یہ ہے سوز و آہ کی گٹھری
یہ شاہ حسن کے ہے خیمہ گاہ کی گٹھری
بجا ہے گر کہیں گردِ سپاہ کی گٹھری

زمیں، نظیر نہیں گرم اس میں ہے کیا خاک
مگر بزورِ طبیعت نباہ کی گٹھری

(۳۶۶)

نہیں آئے کل سے جو تم ادھر اسے کیا خیال میں لائیے
یہ کہا کہ ہم سے بھی بولیے تو بنا کے منہ کہا غیر سے
لگے جب بچھانے بساط ہم گلی اسکی میں تو کہا میاں
وہ نگار گل رخ و گلبدن جو گلے سے آکے لگے تو پھر
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ تم کریں یہ بہار اُن کی عجب ہو جب
جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھا چکے

جو کچھ عذر[۵] ہو تو بیاں کرو نہیں جیسے آتے تھے آئیے
یہ سخن ہے سچ کہ ہر ایک کو بہت اپنے منہ نہ لگائیے
یہ جو دام بیٹھے بچھاتے ہو اسے جلد یاں سے اٹھائیے
یہ شگفتگی ہو برنگ گل کہ نہ پھولے دل میں سمائیے
کڑے ان میں سونے کے ڈالیے حنا انہیں خوب بچائیے
نہیں لائق اسکے تو ہم مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

[۵] جو کچھ عذر میں عین ساقط ہوتا ہے ممکن ہے کوئی عذر ہو ۱۲ آسی

جوں ہی آتے دیکھا نظیر کو طرف اپنی ہنس کے کہا کہ ہاں
تمھیں لائی اپنی کشش ادھر اجی آئیے اجی آئیے

(۳۶۷)

یہ چھپکے کا جو بالا کان میں اب تم نے ڈالا ہے
نزاکت سے سر پاؤں تک پڑی قربان ہوتی ہے
یہ دل کیونکر نگہ سے اُسکی چھد سے تم میں حیراں ہوں
بلائیں ناگ کالی ناگنیں اور سانپ کے بچے
نہ غول آتا ہے خوباں کا سرک لے دل میں کہتا ہوں
جسے تم لے کے بیدردی سے پاؤں میں کچلتے ہو

اسی بالے کی دولت سے تمھارا بول بالا ہے
الٰہی اس بدن کو تو نے کس سانچے میں ڈھالا ہے
نہ خنجر ہے نہ نشتر ہے نہ جمدھر ہے نہ بھالا ہے
خدا جانے کہ اس جوڑے میں کیا کیا باندھ ڈالا ہے
یہ کمپو کی نہیں پلٹن یہ پریوں کا رسالا ہے
یہ دل میں نے تو اے صاحب بڑی محنت سے پالا ہے

نظیر اک اور لکھ ایسی غزل جو سُن کے جی خوش ہو
تری اس ڈھب کی باتوں نے تو دل میں شور ڈالا ہے

(۳۶۸)

نہ مرنے کوند بجلی کی نہ شعلے کا اجالا ہے
کچھ اس گورے سے مکھڑے کا جھمکڑا ہی نرالا ہے

وہ مکھڑا اگل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے
سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے

کہیں خورشید بھی چھپتا ہے پردے میں چھپائے سے
اُٹھا دو منہ سے پردے کو بڑا پردا انکا لا ہے

کھلے بالوں میں منہ کی روشنی پھوٹے نکلتی ہے
تمہارا حسن تو صاحب اندھیروں کا اُجالا ہے

نہ جھمکیں کس طرح کانوں میں اُسکے حسن کے جھمکے
ادھر جھمکا اُدھر بندا ادھر بجلی کا بالا ہے

رقیب اور یار آتے تھے سو ہم نے مکر سے یارو
اسے دل دے کے رکھا اور اسے دم دے کے ٹالا ہے

کن انکھیوں کی نگہ گیتی اشارت قہر جتون کے
جو دوں دیکھا تو برچھی ہے جو یوں دیکھا تو بھالا ہے

اُتارا گالیوں پر پہلے پھر بوسہ لیا ہم نے
جب اس نقشے پہ کھینچا تھا اب اس قالب میں ڈھالا ہے

ہوئے ہیں ہم چراغ صبح کیا تم ایسے بیٹھے ہو
جو تم نے اب تلک کانوں میں اپنے تیل ڈالا ہے

جہانتک رنگ ہیں دونوں جہاں میں سب اُسی کے ہیں
دئے وہ آپ تو ہرگز نہ گورا ہے نہ کالا ہے

نظیر اس سنگدل قاتل سے دعویٰ خون کا مت کر
میاں جا تجھ سے یاں کتنوں کو اُس نے مار ڈالا ہے

(۳۶۹)

کون یاں ساتھ لیے تاج و سریر آیا ہے
یاں تو جو آیا ہے پہلے سو فقیر آیا ہے

عشق لایا ہے فقط ایک ہی سینے کی سپر
حسن باندھے ہوئے سو ترکش و تیر آیا ہے

کل کسی شخص نے اُس شوخ سے جا کر یہ کہا
آج در پہ ترے اک عاشق پیر آیا ہے

پشت خم کردہ عصا ہاتھ میں گردن ہلتی
ضعف پیری سے نہایت ہی حقیر آیا ہے

سُن کے یہ شکل و شباہت مری اس شوخ نے آہ
وہیں معلوم کیا یہ کہ نظیر آیا ہے

(٣٧٠)

ہوش نگہ سے چلی زلف کی اب گھات ہے
دیکھیے آگے ابھی پہلی ملاقات ہے

کھینچ کے ابرو کی تیغ کہتے ہو کچھ ڈر نہیں
میرا تو کانپے ہے دل آپ کی کیا بات ہے

اُٹھتے ہو کیوں ڈر کے تم جان تمھاری سب مجھے
زلف سیہ کی قسم چار گھڑی رات ہے

بوسے کی درخواست میں تم نے جو دشنام دی
دل میں نہ کچھ لائیے ہم کو مساوات ہے

مشت[1] اُٹھائی نظیر تم کو تو اس شوخ نے
اب جو کھسکتے نہیں یاں سے تو پھر لات ہے

(٣٧١)

دیکھ کر گرتی گلے ہیں سبز دھانی آپ کی
دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

کیا تعجب ہے اگر دیکھے تو مُردہ جی اُٹھے
چین نیفے کی ڈھلک پیڑو پہ آنی آپ کی

ہم تو کیا ہیں، دل فرشتے کا بھی کافر چھین لے
ٹک جھمک دکھلا کے پھر انگیا چھپانی آپ کی

آپڑے دو سو برس کے مردہ بیجان میں جان
جس کے اوپر دو گھڑی ہو مہربانی آپ کی

اک لپٹ کشتی کی ہم سے بھی تو کر دیکھو ذرا
ہاں بھلا ہم بھی تو جانیں پہلوانی آپ کی

دیکھو کہنا مانو مت خالی سلائی سے رکھو
ورنہ کوسے گی ہمیں یہ سُرمہ دانی آپ کی

چھلّے غیروں پاس تو وہ خاتم زر اے نگار
ہے ہمارے پاس بھی اب تک نشانی آپ کی

وقت تو جاتا رہا پر بات باقی رہ گئی
ہے یہ جھوٹی دوستی اب ہم نے جانی آپ کی

ہم نے بھیجا تم کو، تم کہتے ہو "یاں پہونچا نہیں"
کھا گئی شاید وہ کٹنی میری جانی آپ کی

ایک شب اے جانِ جاں گھر میں مرے رہ جائیے
حال پر بندے کے ہوئی مہربانی آپ کی

کیا عجب صورت رقیب روسیہ کی دیکھ کر
خوف سے حالت ہوئی ہو پانی پانی آپ کی

ایک عالم کو ہکن کی طرح سر پھوڑے گا اب
گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی

کیا ہمیں لگتی ہے پیاری جب وہ کہتی ہے نظیر
"ہے میاں کچھ ان دنوں نا مہربانی آپ کی"

[1] مشت - گھونسا، مکا ۱۲ آسی ۱۲

نہ گر نہیں اور تو جھک کر دیکھ لو گرتی تھا
تو نئی بلکہ ٹپکتی ہوگی ...... آپ کی

(۳۷۲)

ہنسے، روئے، پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے، چھوٹے،
غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے

کلیجے میں پھپھولے، دل میں داغ، اور گل ہیں ہاتھوں پر
کھلے ہیں دیکھیے، ہم میں بھی یہ اُلفت کے گل بوٹے

تفاوت کچھ نہیں گلچیں میں اور بیدرد خوباں میں ہے
جو اُس کے ہاتھ گل ٹوٹے تو اُن کے ہاتھ دل ٹوٹے

ہزاروں گالیاں دیں، پھر ذرا ہنس کر ادھر دیکھا
بھلا، اتنی تسلّی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے

مچلتے ہو مجھے تم، میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں
کوئی دلبر مرے آگے تمھیں بھی خوب سا کوٹے[۱]

زباں کی کر کے مقراض اور بنا دشنام کا کاغذ
ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گل بوٹے[۲]

یہ کہتے ہیں کہ عاشق چھوٹ جاتا ہے اذیّت سے
جب اُس کی عُمر کو لشکر اجل کا آن کر لوٹے

ہماری روح تو پھرتی ہے معشوقوں کی گلیوں میں
نظیر اب ہم تو مر کر بھی نہ اس جنجال سے چھوٹے

(۳۷۳)

چھپا کر جو بھاگے ہم اس سے ذرا جی	تو بولا کہاں جائیے گا بچا جی
جو کچھ حسن میں اس کی خاطر ہے نازک	پری میں کہاں ایسی نازک مزاجی
خفا اس سے ہو کر ہم آئے تو لیکن	کئی دن تک اپنا بھٹکتا رہا جی

[۱] خوب سا کوٹے یعنی اچھی طرح مارے ۱۲ [۲] گل کترنا عجیب و غریب کام کرنا ۱۲ آسی

جو بیٹھا تھا جاکر نظیرؔ اس کے در پر | ق | بہت حسن الفت سے اپنا لگا جی

اُٹھایا جو اس نے جھڑک کر تو واں سے
چلا ہو کے بے بس یہ کہتا بھلا جی

(۳۷۴)

ہم دیکھیں کس دن حسن اے دل اس رشک پری کا دیکھیں گے
وہ قد وہ کمر وہ چشم وہ لب وہ زلف وہ مکھڑا دیکھیں گے

مت دیکھ بتوں کی ابرو کو ہٹ یاں سے تو اے دل ورنہ تجھے
ایک آن میں بسمل کردیں گے اور آپ تماشا دیکھیں گے

دل دے کر ہم نے آج اسے ہی دیکھی صورت تیوری کی
یہ شکل رہی تو اے ہمدم کل دیکھیں کیا کیا دیکھیں گے

جب دیکھی اس کی چیں جبیں یوں ہم نے نظیرؔ اس بت سے کہا
خیر آپ تو ہم سے ناخوش ہیں اب اور کو ہم جا دیکھیں گے

کیا لطف رہا اس چاہت میں جو ہم چاہیں اور تم ہو خفا
یہ بات سنی تو وہ چنچل یوں ہنس کر بولا دیکھیں گے

(۳۷۵)

ہے عزم یہ دل میں ہم بھی اسے اک روز نظر بھر دیکھیں گے
گر کھووے گا پر تیر نگہ چھد جائیں گے ہم پر دیکھیں گے

جو نقشہ ہوگا الفت کا اور بات بھی کچھ بن آوے گی
کیا بات ہے اے دل پھر تو اُسے ہم جاکر اکثر دیکھیں گے

سر رکھ کر اس کی چوکھٹ پر بس ہم تو اسی کے در کے ہوئے
اب اور کسی کے کہنے سے کب اور کوئی در دیکھیں گے

ق

وہ حسن کی تابش سے منہ پر کہتے ہیں کہ پردہ رکھتا ہے
بن دیکھے ہی پھر آئیں گے یاں ہم آہ یوں ہی کر دیکھیں گے

اور شاید مکھڑا کھول دیا کر لطف نظیرؔ اس نے پھر ہم پر
ٹھہرے گی نگہ تو دیکھیں گے جو نہ ٹھہری تو کیونکر دیکھیں گے

(۳۷۶)

ناز کا اس کے جو چھیڑا ہے
طبع مشتاق کو وہ پیڑا ہے

کچھ تماشے جنوں کے بھی دیکھو
گردِ دِوانے[1] کو تم نے چھیڑا ہے

دیکھو نرگس کے ٹک خیاباں کو
دید بازوں کا یہ بھی کھیڑا ہے

ق

دیکھ انکار جام اس نے نظیرؔ
یوں کہا میاں یہ کیا بکھیڑا ہے

پی لو جلدی ابھی تو ساغر ہے
ورنہ پھر تم ہو اور تڑیڑا ہے

(۳۷۷)

نہ آیا آج بھی، سب کھیل اپنا مٹی ہے
تمام رات یہ سر اور پلنگ کی پٹی ہے

جبیں پہ قہر نہ تنہا سیاہ پٹی ہے
بھوؤں کی تیغ بھی کافر بڑی ہی کٹی ہے

جھمکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارو
ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے

گلے لگائیے منہ چومئے سُلا رکھیے
ہمارے دل میں بھی کیا کیا ہوس اکٹھی ہے

کوئی حجاب نہیں تجھ میں اور صنم میں نظیرؔ
مگر تو، آپ ہی پردہ اور آپی ٹٹی ہے

(۳۷۸)

منہ سے پردہ نہ اُٹھے صاحب سن یاد رہے
پھر قیامت ہی عیاں ہے یہ سخن یاد رہے

کھو لو اتنی نہ زباں غنچہ دہن یاد رہے
پھر ہمارے بھی دہن ہے یہ سخن یاد رہے

[1] دیوانے کی بجائے دوانہ قدیم زبان ہے ۱۲

کوچہ گردوں میں نہیں ہم جو یہ کوچہ چھوڑیں
خاک کرنا ہے ہمیں یاں ہی بدن یاد رہے

عہد آنے کا کیا ہے تو گرہ[ل] بند میں دے
اس سے شاید تجھے اے عہد شکن یاد رہے

آپ کے کوچے کو ہم کعبۂ مقصود سمجھ
بھول بیٹھے ہیں سب آرام وطن یاد رہے

حرف اُٹھ جانے کا کہہ بیٹھے ہو اب تو لیکن
پھر نہ کہیئے گا کبھی قبلۂ من یاد رہے

سو چمن ایک فقط کھڑ سے میں اسکے ہیں نظیر
جب یہ صورت ہو تو پھر کس کو چمن یاد رہے

(٣٧٩)

ٹک ہونٹ ہلاؤں تو یہ کہتا ہے نہ بک بے
اور پاس جو بیٹھوں تو سناتا ہے سرک بے

کہتا ہوں کبھی گھر میں مرے آ، تو ہے کہتا
چوکھٹ پہ ہماری کوئی دن سر تو ٹپک بے

جب بدر نکلتا ہے تو کہتا ہے وہ مغرور
ق کہدو اسے یاں آن کے اتنا نہ چمک بے

پردہ جو اُلٹ دوں گا ابھی منہ سے تو دم میں
اُڑ جائیگی ہیرے کی ترے سب چمک بے

سب بانکپن اب تیرا نظیر عشق نے کھویا
کیا ہوگئی سچ کہہ وہ تیری دوٹ[۵] دبک بے

(٣٨٠)

اس کا ادھر وہ حسن دکھانا گھڑی گھڑی
اور ہم کو غش پہ غش اُدھر آنا گھڑی گھڑی

دن رات اس کے ہجر میں گھڑیال کی طرح
پڑتا ہے ہم کو شور مچانا گھڑی گھڑی

اُٹھا ہے اب تو پہر میں کچھ آٹھ سات بار
کیا جانے کیا کرے گا یہ آنا گھڑی گھڑی

باہر کبھی جو نکلے تو کہہ آوے گھر میں یوں
گر دیر ہو تو مجھ کو بُلانا گھڑی گھڑی

ہو شب جو وصل کی تو بہت ہو کے مضطرب
کرنا ہر ایک طرح بہانا گھڑی گھڑی

القصہ وقت صبح تک اس کو تو روٹھنا
اور ہم کو پاؤں پڑ کے منانا گھڑی گھڑی

باقی ہے اس میں قدر کچھ اچھا نہیں نظیر
گھر میں کسی کے دوڑ کے جانا گھڑی گھڑی

[ل] بند میں گرہ یاد رہنے کے لیے دیا کرتے ہیں ۱۲
[۵] روٹ دبک دانٹ ڈپٹ ۱۲ آسی

(۳۸۱)

سراپا حسن سمدھن گویا گلشن کی کیاری ہے
کھنچی کنگھی، اگندھی چوٹی، جمی پٹی، لگا کاجل
جبیں مہتاب آنکھیں شوخ، شیریں لب گہر دنداں
زیا کمخواب کا لہنگا، جھمکتے تاش کی انگیا
ملائم پیٹ مخمل سا، کلی سی ناف کی صورت
سریں نازک، کمر چیلی، خط گلزار رو مادل
لٹکتی چال، مدھ ماتی، چلے بچھوؤں کو جھنکاتی

پری بھی اب تو بازی حسن میں سمدھن سے ہاری ہے
کماں ابرو، نظر جادو، نگہ ہر اک دلاری ہے
بدن موتی، دہن غنچہ، ادا ہنسنے کی پیاری ہے
کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے
اٹھا سینہ، صفا پیڑو عجب جوبن کی ناری ہے
کہوں کیا آگے اب اس کے مقام پردہ داری ہے
ادا میں دل لیے جاتی عجب سمدھن ہماری ہے

بھرے جوبن پہ اتراتی جھمک انگیا کی دکھلاتی
کمر لہنگے سے بل کھاتی، لٹک گھونگھٹ کی بھاری ہے

(۳۸۲)

اس گورے بدن کا کوئی کیا وصف کرے آہ
منہ چاند کا ٹکڑا ہے بدن چاند کی تختی
بلور کی پتلی کہوں یا موتی کا دانہ
نرمی میں صفائی میں، نزاکت میں تن اس کا
گر پھول کی پتی کی بنا، پہنے وہ پوشاک
کل میں نے کسی شخص سے نام اسکا جو پوچھا
وہ بولا کہ اس شوخ کے تئیں کہتے ہیں ہیرا

ختم اس کے اوپر گلرخی و سیمتنی ہے
دنداں ہیں گہر، ہونٹ عقیق یمنی ہے
یا چین میں اک چینی کی مورت یہ بنی ہے
ریشم ہے نہ گلبرگ، نہ برگ سمنی ہے
چھل جاوے بدن اس کا یہ نازک بدنی ہے
یعنی یہ پری یا کہ غزال ختنی ہے
کام اس کا سدا دلبری و دل شکنی ہے

تب میں نے وہیں ہنس کے کہا اس سے نظیر آہ
ہیرا نہ کہو اس کو یہ ہیرے کی کنی ہے

(۳۸۳)

کمر تک اُس نے زلفوں کو جو بل دے دے کے چھوڑا ہے
یہ دو زلفیں نہیں ہیں کافر ایک ناگن کا جوڑا ہے
سمند آسماں کب آپ سے دوڑے ہے اس پر تو
کسی کی ایڑ پر ہے ایڑ اور کوڑے پہ کوڑا ہے
دیا اس سنگدل کے ہاتھ اپنے شیشۂ دل کو
جو سچ پوچھو تو میں نے لعل کو پتھر سے پھوڑا ہے
یہی ہے دھوم کل سے وہ مرے ملنے کو آتا ہے
گلے میں ہار ہے اور تن میں نافرمانی جوڑا ہے
غرض میں تو نظیر اس سے سمجھتا ہوں کہیں شاید
کسی کا نیل[۱] بگڑا ہے جو یہ طوفان جوڑا ہے

[۱] نیل بگڑنا۔ شامت آنا ۱۲ آسی

(۳۸۴)

تمھارے حُسن کے شعلے کو دیکھے شمع جلتی ہے
چھپی ہے پردۂ فانوس میں جس پر گھلتی ہے
حنا اس ہاتھ سے بندھ کر کھلی ہے ایسی کچھ جس سے
پری کے ہاتھ کی مہندی بھی اپنے ہاتھ ملتی ہے
منھ اپنا دیکھتا ہے شوخ آئینے میں خوش ہو کر
بتوں کی شوخیوں کے سامنے کچھ بات چلتی ہے
نزاکت سے جو آیا ہے پسینہ اُسکے عارض پر
تو کیا پنکھا موافق کا جھپک مژگاں کی جھلتی ہے
صفت کرتا ہے وہ اٹکھیلیوں کی چال چلنے کی
کہ جس کے دل کو شوخی اس کی پے در پے کچلتی ہے
نگہ لیتی ہے دل کو دیکھتے ہی دیکھتے جھپ سے
ہنسی کی آن بھی ہنستے ہی ہنستے دل کو چھلتی ہے
نظیر اب دل تو مچلا یار کے کوچے میں کیا کیجیے
اُٹھو جلدی نہیں تو جان بھی اب دم میں چلتی ہے

(۳۸۵)

درجِ غم میں چشم نے گوہر اُگل کر بھر دیے
اشک نے جنگل کے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے

جلوہ گر محفل میں رات اُس حُسن کے شعلے کو دیکھ
شمعدان شمعوں نے اپنے سب پگھل کر بھر دیے

کل جو ٹک رویا کسی کو یاد کر وہ گُل بدن
اشک تھے آنکھوں میں یا موتی اُچھل کر بھر دیے

جام کم بھرتے میں ساقی کو ذرا چھیڑا جو میں
اُس نے ایک دو چار ساغر مجھکو جل کر بھر دیے

ذبح کرتا تھا وہ قاتل، مجھ تپش آلودہ نے
خوں میں سب دامن کے پاٹ اُسکے اُچھل کر بھر دیے

زخم شانوں کے تری زلفوں نے اُف عدہ خلاف
آخرش لیت و لعل سے آج کل کر بھر دیے

کہتے ہیں اے باغباں، جتنے کہ خالی تھے چمن
جوشِ گُل نے آکے سب وہ پھول پھل کر بھر دیے

اب ترے رونے کا عالم حد سے گزرا اے نظیر
اشک نے تیرے تو سب جل تھل، نکل کر بھر دیے

(۳۸۶)

رُخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری
کیوں نہ اب، نامِ خدا ہو، ترے قربان پری

جھمکے جھمکے وہ ثریا کے کرن پھول وہ پھول
بُندے بالے پری، موتی پری، اور کان پری

رشکِ خورشید جبیں، ابرِ سیہ سی پٹی
لہر چوٹی کی غضب، زلفِ پریشان پری

حسن گلزار، قمر شکل، صراحی گردن
مہ جبیں سیب ذقن، چاہِ زنخدان پری

ار غمزہ کی بلا، تیر نگہ، دست سناں
تیغ ابرو کی ستم، ترکشِ مژگان پری

مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی
آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری

آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل
قہر کاجل کی کھچاوٹ، مسی و پان پری

بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھدے دل جس سے
نور چُنّی کی جھلک، گوہر غلطان پری

ڈھک ڈھکی چاندسی، جگنو کبھی تاروں کی مثال
عطر داں طرفہ، وہ توڑے بھی درخشان پری

چاک سینے کا غضب، صاف بدن موتی سا
انگیا تصویر سی، کرتی کا گریبان پری

پُشت گلبرگ، شکم سیم، کمر تارِ نگاہ
ساقِ بلور، گلاوٹ میں ہر اک آن پری

گھیر اپشواز کا وہ جس کے کناری قرباں　　چال آفت کی نشاں جنبش داماں پری

کیا کہوں اُس کے سراپا کی میں تعریف نظیر
قد پری، دھج پری، عالم پری، اور شان پری

(۳۸۷)

سمجھے تھے چاہ ہم کو یاں غم نہ لینے دیگی　　کچھ گاہ گاہ ہوگا پیہم نہ لینے دے گی
اس زلف میں نہ پھنسیو وہ پیچ وخم سے اپنے　　پھر چین تجھ کو اے دل اک دم نہ لینے دے گی
ابرو کی تیغ جس دم زخمی کرے گی پھر تو　　ٹانکا نہ دینے دے گی مرہم نہ لینے دے گی
مت دو نظیر دل کو اس تند خو کی چاہت　　ق　　دم خوش دلی کا تم کو باہم نہ لینے دے گی

مشکل پڑے گی وہ تو پھر آنے واں نہ دیگا
اور بے قراری تم کو یاں دم نہ لینے دے گی

(۳۸۸)

وہ جب گھر سے نکلا سچکتے سچکتے　　قدم بھی اُٹھائے جھجکتے جھجکتے
نہ مانا کبھی دل نے کہنا ہمارا　　نہایت ہم عاجز ہوئے بکتے بکتے
نہ آیا ادھر کر کے وعدہ وہ اور ہم　　گئے جی میں گھبرا اُدھر تکتے تکتے
نظیر اس کی محفل میں جب دور بیٹھا　　ق　　ہوا جب وہ ناخوش جھڑکتے جھڑکتے

بٹھایا تو دور اس نے پر اپنے ڈھب سے
وہ پھر واں ہی پہونچا سرکتے سرکتے

(۳۸۹)

اُدھر جو دیکھا تو اُس پری کی نگاہ جام شراب لائی　　اُڑا دیا ہوش ایک پل میں نشہ کچھ ایسا شتاب لائی
اُٹھایا اُس نے جو رخ سے پردہ ہماری خاطر سے پر نہیں کیا　　بہت یہ چاہا کہ دیکھیں اک دم نگاہ ہرگز نہ تاب لائی
کہا جو ہم نے کہ دل کو لیجئے تو شرمگیں ہو "نہیں" تو کی پر　　وہ دل کا لینا ہی تھا جو اسکی حیا جبیں پر حجاب لائی

گلہ جفا کا نظیرؔ ہم نے کیا جو اس نازنیں سے جاکر
ق
تو سُن کے اس کی وہ چین ابرو کچھ اس طرح کا عتاب لائی

جو عش میں آیا ہمیں پسینہ تو پھر ہنسا وہ کچھ اس ادا سے
کہ تھی عرق کی تری جو منھ پر وہی تری پھر گلاب لائی

(۳۹۰)

دیا جسے دل تو پھر ستم کا نہ اس کے ہرگز حساب کیجے
گلے کو جی میں نہ راہ دیجے نہ چشم اپنی پر آب کیجے

کیا ہے آنے کا وعدہ اس نے لگی ہے ڈھلنے گو رات تو بھی
بجا ہے اب جاگنا ہی اے دل نہیں مناسب کہ خواب کیجے

ق

ہم آئے ملنے کو تم سے اس دم تم اپنا بیٹھے ہو منھ چھپا کر
یہ وضع کیا ہے جو دل کو لیجے اور ایسے تازہ عتاب کیجے

جو یوں ہی ٹھہری تو ڈر ہے کس کا لبس ایک گھڑی سی دیکے جھڑکی
ہمیں اُٹھا دیجے یاں سے اے جانؔ گر نہ ترک حجاب کیجے

میاں نظیرؔ اب ہو تم جو عاقل تو جتنی فرصت نظر میں ہے یاں
درنگ اس میں نہ آنے دیجے جو کچھ ہو کرنا شتاب کیجے

(۳۹۱)

پھر بہار آئی ہے اور موج ہوا لہرائے ہے
دیکھیے اپنے جنوں کو اب کے کیا لہر آئے ہے

اس کی چوٹی کا تصور دل میں یوں لہرائے ہے
سانپ کے کاٹے کو جیسے لہر پہ لہر آئے ہے

صبح کا کرتا ہے وعدہ وہ تو پھر آتا ہے کب
دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آئے ہے

گر وہ بوسے کی طلب میں ہو خفا تو ہے بجا
ہنس کے اک دشنام دینے میں جسے قہر آئے ہے

مجھ کو کاٹا ہے صریحاً زلف کی ناگن نے آہ
تو مجھے افعی گزیدہ کس طرح ٹھہرائے ہے

زہر مُہرے سے مسی مالیدہ لب کے کر علاج
ورنہ مجھ کو بے طرح چڑھتا ہوا منہ زہر آئے ہے

گر وہ روٹھا ہے تو تو بھی اس کو کہہ بھیج اے نظیرؔ
ہم کبھی پار رکھتے نہیں ندی تو کیا گھہرائے ہے

(۳۹۲)

جس کے لب سے سخن پند گہر جوش ہووے
عمر بھر پھر وہ ہمارے گہر گوش ہووے

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستان میں — واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے
یعنی اک شخص یہ بولا کئی یاں عظم دہن — سخت بوسیدہ نگہ سے مری ہم دوش ہوئے
مجھ سے یوں کہنے لگے جن کے ہیں یہ عظم رمیم — وہ بصد عیش و طرب خوش خور و خوش پوش ہوئے
رات دن فرحت و عشرت میں بسر کرتے تھے — کبھی گلشن میں پھرے اور کبھی مے نوش ہوئے
ایک دم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ — دیر پل بھر نہ لگی آہ جو خاموش ہوئے
اب کوئی نام و نشاں سے نہیں ان کے آگاہ — ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوئے

جب سنا میں نے یہ اس شخص سے احوال نظیرؔ
روح تھرا گئی لرزاں خرد و ہوش ہوئے

(۳۹۳)

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے — کہتے ہیں جنھیں عیب وہ اس وقت ہنر تھے
دن رات وہ محبوب میسر تھے کہ جن کی — زلفیں الم شام تھیں رخ رشک سحر تھے
ساقی کے ادھر جام، ادھر ناز و ادا سے — جادو نظراں خوش نگہاں پیش نظر تھے
محفل سے جو اُٹھتے تھے ذرا ہم تو لپٹ کر — نازک بدناں مو کمراں دست و کمر تھے
ہمراہ گل اندا موں کے ہو خرم و خنداں — باغ و چمن و گلشن و بستاں میں گزر تھے
کیا شور تھے کیا زور تھے ہر لحظہ اہاہا — کیا ولولے کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے

دکھلا کے جھمک جاتے رہے دم میں نظیرؔ آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے یا مثل شرر تھے

(۳۹۴)

گلبازِ عشرت ہو جیسے کیا گلرخوں سے دو گھڑی — کرتا ہے گلبازی کی یاں اک دم میں گردوں گل چھڑی
ہر دم تغیر دیکھ یاں ہیبت سے یوں کانپے ہے جاں — جیسے ہوا سے ہر زماں ہو بید کی لرزاں چھڑی
اک گلبدن مغرور تھا رقص اس کا بس مشہور تھا — جس جس کا وہ منظور تھا کرتا تھا جو راس پر کڑی

دل اس نے دیکھا جس جگہ بے جرم وتقصیر وگنہ — مارا وہیں تیر نگہ یا تیغ ابرو کی جڑی
ہردم نگاہ جانستاں ہے کرتا غمزے کا ہاں — کرتی تھی کیا کیا پھرتیاں واں جا پڑی یاں آپڑی
سرپانوں سے گلپوش تھا بلبل وشوں کا جوش تھا — ہر دل پڑا بیہوش تھا جاں دست بستہ تھی کھڑی
وہ گرم دیکھ اس کی دکاں اک سرد مہری کر عیاں — ناگاہ چرخ آسماں اس مہر پیکر سے لڑی
وہ حسن سب جاتا رہا میں نے کہا یہ کیا ہوا — بولا میاں اب کیجئے کیا حیرت ہے مجھ کو بھی بڑی

تھی جو نظیر ایسی چمک جاتی رہی سب یک بیک
کیا جانے وہ ظالم جھمک مہتاب تھی یا پھلجھڑی

(٣٩٥)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے — خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
کر رہے تھے اپنا قبضہ غیر کی املاک پر — غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
اور کی چیزیں دبا رکھنا بڑی سمجھی تھی عقل — چھین لیں جب اس نے جب جانا کہ ہم نادان تھے
ایک دن اک استخواں اوپر پڑا میرا جو پاؤں — کیا کہوں اس دم مجھے غفلت میں کیا کیا دھیان تھے
پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی — اور کہا غافل کبھی تو ہم بھی صاحب جان تھے
دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر — دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے
ابرو و بینی، جبیں، نقش و نگار و خال و خط — لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ — بیٹھنے کو دن کے کیا کیا کوٹھے اور دالان تھے
کھل رہا تھا روبرو جنت کے گلشن کا چمن — نازنیں محبوب گویا حور اور غلمان تھے
لگ رہا تھا دل کئی چنچل پریزادوں کے ساتھ — کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے
گلبدن اور گلعذاروں کے کنار و بوس سے — کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
مچ رہے تھے چہچہے اور اڑ رہے تھے قہقہے — ساقی و ساغر صراحی پھول عطر و پان تھے
ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر — جو نہ ہم تھے اور نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں تیری طرح ہم بھی کبھی انسان تھے

(۳۹۶)

تاب ان کے دیکھنے کی نہ لائے چلے گئے
کیا کیا پری جوان تھے آئے چلے گئے

آدم رہا نہ کوئی پیمبر رہا یہاں
وہ بھی سرِ زمیں میں سمائے چلے گئے

دارا رہا نہ جم نہ سکندر رہا بادشاہ
تخت زمیں پہ سیکڑوں آئے چلے گئے

عالم تھا یہ زلیخا کا یوسف کی چاہ میں
رقعے ہزار بیاہ کے آئے چلے گئے

دیکھا نظیر میں نے چمن میں جو آپ کو
مہندی بھرے جو ہاتھ دکھائے چلے گئے

(۳۹۷)

سرشک چشم سے موتی بہت پروئے گئے
ولے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے

غرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر
پر اس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے

ہماری ان کی رہی عمر بھر یہی صحبت
اُدھر وہ ہنستے گئے ہم ادھر سے روئے گئے

سمائے ایسے ہیں آکر کہ پھر مرے دل سے
نہ جاگتے میں کبھی اور کبھی نہ سوئے گئے

نظیر کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپ کھوئے گئے

(۳۹۸)

لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
بنایا پان نے رنگ اور رنگیلا سحر کاجل نے

مرا دل دیکھتے ہی اُس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دم بدم سو عیش و عشرت سے لگیں چلنے

کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی کبھی لو لا ہا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اس وقت نظاروں کی اِس کل نے

نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوشدلی میری
مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

مجھے کر جل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشہ
اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
چلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
ادب سے یوں کہا اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا

کیا اک بار منہ غصہ میں سرخ عیار اچپل نے
اٹھا کر جھبٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
اُڑا کر مفت نظارے بجا اب تم گئے ٹلنے
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

دکھا کر مجھ کو اپنی والہ زبردستی کے یہ نقشے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیرؔ اس شوخ چنچل نے

(۳۹۹)

الطاف بیاں کب ہم سے ہوں ایجان تمھاری صورت کے
کچھ کہنے پر موقوف نہیں معلوم ابھی ہو جاوے گا
منہ دیکھے کی یہ بات نہیں سچ پوچھو تو اپنیا میں
آئینہ رخوں کی محفل میں جس وقت عیاں تم ہوتے ہو

ہیں لاکھوں اپنی آنکھوں میں احسان تمھاری صورت کے
خورشید مقابل ہو دیکھے اک آن تمھاری صورت کے
بے صبر کریں ہیں پریوں کو ہنس ہنس تمھاری صورت کے
سب آئینہ ساں رہجاتے ہیں حیران تمھاری صورت کے

کی عرض نظیرؔ اک بوسے کی تو ہنس کے چنچل یوں بولا
اس منہ سے بوسہ لیجیے گا قربان تمھاری صورت کے

(۴۰۰)

بے ہوش دل کو لینا ٹھہرا دیا ابھی سے
بوسے کی ہم کو چیٹک اور واں ہے تازہ الفت
کر عہد مہربانی دکھلا دی چین ابرو
پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا

ہم کو یہ ناز اس نے دکھلا دیا ابھی سے
اس آرزو نے دل کو للچا دیا ابھی سے
اس شمع رو نے اے دل ہلا دیا ابھی سے
چنچل نے ہم کو یارو دہلا دیا ابھی سے

کیونکر نظیر اس کی چاہت نبھے گی دل سے
ہم کو تو ایک ادا نے گھبرا دیا ابھی سے

(۴۰۱)

دل وجاں ہمارے نہ غنچے سے ملتے
جو اس گل سے ملتے تو ہم گل سے کھلتے
دکھائے تم تو ہمیں پر اسی نے
رجھلائے وہ گر نہ وہ ہم سے نہ جھلتے
وہ گجرے جو تھے نسترن کے تو اس سے
نزاکت نہ ہوتی تو بہو نچے نہ چھلتے
اگر جا ہمیں اس کے کوچے میں ملتی
تو پھر عمر بھر ہم وہاں سے نہ ہلتے
ملا وہ تو بولا نظیر اس سے ہنس کر
میاں تم نہ ملتے تو ہم کیونکر ملتے

(۴۰۲)

ہوئے خوش ہم ایک نگار سے ہوئے شاد اس کی بہار سے
کبھی شان سے کبھی آن سے کبھی ناز سے کبھی پیار سے
ہوئی پیرہن سے بھی خوش دلی کلی دل کی اور بہت کھلی
کبھی طرے سے کبھی گجرے سے کبھی بدھی سے کبھی ہار سے
وہ کناری ان میں جو تھی گندھی اسے دیکھ کر بھی ہوئی خوشی
کبھی نور سے کبھی لہر سے کبھی تاب سے کبھی تار سے
گئے اس کے ساتھ چمن میں ہم تو گلوں کو دیکھ کے خوش ہوئے
کبھی سرو سے کبھی نہر سے کبھی برگ سے کبھی بار سے
وہ نظیر سے تو ملا کیا مگر اپنی وضع میں اس طرح
کبھی جلد سے کبھی دیر سے کبھی لطف سے کبھی عار سے

(۴۰۳)

ہوئی شکل اپنی یہ ہمنشیں جو صنم کو ہم سے حجاب ہے
کبھی اشک ہے کبھی آہ ہے کبھی رنج ہے کبھی تاب ہے

ذرا در پہ اس کے پہونچ کے ہم جو بلا دیں اس کو تو دوستو
کبھی غصہ ہے کبھی چھیڑ ہے کبھی حیلہ ہے کبھی خواب ہے

جو اس انجمن میں ہیں بیٹھتے تو مزاج اس کے سے ہم کو واں
کبھی عجز ہے کبھی بیم ہے کبھی عتاب ہے کبھی داب ہے

وہ ادھر سے جاگے جو آتا ہے اسے دونوں حال سے دلمیں یاں
کبھی سوچ ہے کبھی فکر ہے کبھی غور ہے کبھی تاب ہے

جو وہ بعد بوسہ کے ناز سے ذرا جھڑکے ہے تو نظیر کو
کبھی مصری ہے کبھی قند ہے کبھی شہد ہے کبھی راب ہے

(۴۰۴)

جن دنوں چاہت کی ہم کو دمبدم تقریر تھی — ہے جو نقش حب اسی کی رات دن تحریر تھی
کس روش سے دیکھیے اور ملیے اس سے کس طرح — تھا یہی اندیشہ دل میں اور یہی تدبیر تھی
ہم نے دیکھا دو بدو اور تم نے چھیدا دل کو آہ — لائق تعزیر ہم تھے دل کی کیا تقصیر تھی
یوں نظر آیا ہمیں کل ایک جاگہ پر نظیر — ق — گریہ آور اس کی ہر دم آہ کی تاثیر تھی

تھا زمیں پر پاؤں پھیلائے پڑا دیوانہ وار
چشم تھی حیرت زدہ اور ہاتھ میں تصویر تھی

(۴۰۵)

جب اس کی زلف کے حلقے میں ہم اسیر ہوئے — شکن کے عادی ہوئے خم کے خو پذیر ہوئے
خدنگ وار جو غمزے تھے اس کے چھٹپن میں — پر اب نظر میں جو آئے تو رشک تیر ہوئے

جھڑک دیا ہمیں کوچے میں اس نے جس دم دیکھ ‎ ق ‎ ہم اپنے دل میں کچھ اس دم خجل کثیر ہوئے
جو گاہ گاہ اُدھر جاتے ہم تو رہتی قدر ‎ ‎ گھڑی گھڑی جو گئے اس سبب حقیر ہوئے

نگہ کے لڑتے ہی ہنس کر کہا نظیر اس نے
یہ باتیں چھوڑ دو کچھ سمجھو اب تو پیر ہوئے

(۴۰۶)

تن پر اس کے سیم فدا اور منھ پر مہ دیوانہ ہے ‎ ‎ سر سے لے کر پاؤں تلک اک موتی کا سا دانہ ہے
نازنیا انداز نرالا چتون آفت چال غضب ‎ ‎ سینہ ابھرا صاف ستم اور چھب کا قہر یگانہ ہے
بانکی سج دھج آن انوکھی بھولی صورت شوخ مزاج ‎ ‎ نظروں میں کھل کھیل لگاوٹ آنکھوں میں شرمانا ہے
تن بھی کچھ گدرایا ہے اور قد بھی بڑھتا آتا ہے ‎ ‎ کچھ کچھ حسن تو آیا ہے اور کچھ کچھ اور بھی آنا ہے

جب ایسا حسن قیامت ہو بیتاب نہ ہو دل کیونکہ نظیر
جان پر اپنی کھیلیں گے اک روز یہ ہم نے جانا ہے

(۴۰۷)

اس کے جھمکے کی لٹک سے جو ملا بالا ہے ‎ ‎ دل مرا جھوک سے دونوں کی تہ و بالا ہے
بالے پن میں تو ہمیں تھے، یہ قیامت دیکھو ‎ ‎ اب ذرا حسن جو چمکا تو ہمیں بالا ہے
جتنے اس باغ میں ہیں سرو، صنوبر، شمشاد ‎ ‎ اس کا قد نام خدا سب کے اوپر بالا ہے
خال چہرے پہ نہیں اس کے، یہ اللہ نے واہ ‎ ‎ حسن کے خوان میں کیا خوب نمک ڈالا ہے
سرخ رو، پان ہوا، اس کے لبوں سے اپنا ‎ ‎ جس کے ہم رنگ نہ گلنار نہ گل لالا ہے
سنگدل، شوخ، جفاکار، ستمگر، بے رحم ‎ . ‎ دل پرونے کے لیے جس کی نگہ بھالا ہے
پھر جھمکوں کی جھمک تس پہ غضب ہے بالا ‎ ‎ اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

ایسے ظالم سے کوئی دل کو لگاتا ہے نظیر
اب تری جان کا اللہ ہی رکھوالا ہے

(۴۰۸)

ہمدم چلیں ہم اس کی طرف کیا نثار لے
جاویں مگر یہی دل اُمید وار لے

ہو بیقرار کیونکہ نہ جاویں ہم اُسکے پاس
ہم کو تو ہو قرار پہ جب دل قرار لے

ق

اے حسرت نثار اس ابرو کے وار پر
جو تجھ کو وار نا ہے سو اب تو بھی وار لے

کوچے میں اس کے اشک مسلسل کے ہار گوندھ
جاتا ہوں جب میں ہاروں کو بے اختیار لے

کہتا ہوں گل فروش کی مانند بار بار
تازے ہیں موتیا کے اگر کوئی ہار لے

سو سو طرح کے مکر بناتا ہوں اس لیے
شاید وہ گُل میں آن کے مجھ کو پکار لے

دل چیز کیا جو اس کے تئیں دیجیے اے نظیر
ہم نقد جاں بھی دیویں اگر وہ اُدھار لے

(۴۰۹)

دست غیر اس کے حنا والے پاؤں پر باندھا کیے
یاں کئی مشفق ہمارے زخم سر باندھا کیے

اُڑ کے آخر جا پڑی اس روئے رخشاں پر نگاہ
گرچہ ہم مدت سے اس طائر کے پر باندھا کیے

اپنے اشکوں سے ہم اسکے دست غم میں دمبدم
جب تلک جیتے رہے سلک گہر باندھا کیے

خال و ابرو کی نظر بازی سے باز آئے نہ ہم
گو وہ ہم پہ ہر گھڑی تیغ و سپر باندھا کیے

قتل کا سنتے ہی مژدہ ہم تو شادی مرگ ہو
اول منزل کو پہنچے وہ کمر باندھا کیے

غش جو آیا رات اس کی چشم کے بیمار کو
رشتۂ چشم اس کے بازو تا سحر باندھا کیے

اشک ادھر پانی میں کچھ گھولا کیے اس دم نظیر
سرخ سی کچھ گولیاں لخت جگر باندھا کیے

(۴۱۰)

دل زلف میں رکھتے ہو تو اُکتانے نہ پاوے
یہ صید نیا ہے ابھی گھبرانے نہ پاوے

کہتا ہے کہ کوچے میں ہمارے جو کوئی دل
لاوے تو کچھ کہیو پہ لے جانے نہ پاوے

کاکل ہے کھلی اس لیے تا پاؤں نگہ کا
اس میں ہی بندھے چہرے تلک آنے نہ پاوے

تیوری جو چڑھی رہتی ہے اس کا ہے سبب یہ
جو شکوہ زبان پر کوئی کچھ لانے نہ پاوے

مشکل ہو کہ جو چاہے تو پھر آوے نہ در تک
اور دل کہیں بہلاوے تو بہلانے نہ پاوے

چپکے ہی جفائیں سہے کچھ بولے نہ ہرگز
بولے تو زباں گونگی ہو بتلانے نہ پاوے

ہم ایک نظر دیکھ نظیرؔ اس کو جو بھاگے
بولا کہ اسے پیچھا ہاں جانے نہ پاوے

(۴۱۱)

ادا و ناز میں کچھ کچھ جو ہوش اس نے سنبھالا ہے
تو اپنے حسن کا کیا کیا دلوں میں شور ڈالا ہے

ابھی کیا عمر ہے، کیا عقل ہے، کیا فہم ہے، لیکن
ابھی سے دلفریبی کا ہر اک نقشہ نرالا ہے

تبسم قہر، ہنس دینا قیامت، دیکھنا آفت
پلک دیکھو تو نشتر ہے نگہ دیکھو تو بھالا ہے

ابھی نوک نگہ میں اس قدر تیزی نہیں، تس پر
کئی زخمی گئے ہیں اور کئی کو مار ڈالا ہے

اکڑنا، تن کے چلنا، دھج بنانا، وضع دکھلانا
کبھی نیمہ کبھی چپکن کبھی خالی دوشالا ہے

کسی کے ہاتھ کاندھے پر کسی کے لات سینے پر
کہیں نفرت کہیں الفت کہیں حیلہ حوالا ہے

نظیرؔ ایسا ہی دلبر شہرۂ آفاق ہوتا ہے
ابھی سے دیکھیے فتنے نے کیسا ڈھب نکالا ہے

(۴۱۲)

ہم کل ایک ایسے پری رو کے نظر بند ہوئے
جس کا منہ دیکھ کے پریوں کے بھی پر بند ہوئے

ایسے کمبخت ہوئے ہاتھ ہمارے ہیہات
ایک دن اس کی کمر سے کمربند ہوئے

حور پہونچے نہ پری جن کی نزاکت کو نظیرؔ
لیسے کچھ حضرت آدم کے جگر بند ہوئے

(۴۱۳)

کیا ادا کیا ناز ہے کیا آن ہے
یاں پری کا حُسن بھی حیران ہے

حور بھی دیکھے تو ہو جاوے فدا
آج اس عالم کا وہ انسان ہے

اُس کے رنگ سبز کی ہے چین میں دھوم
کیوں نہ ہو آخر کو ہندوستان ہے

جان و دل ہم نذر کو لائے ہیں آج
لیجیے یہ دل ہے اور یہ جان ہے

دل بھی ہے دل سے تصدق آپ پر
جان بھی جی جان سے قربان ہے

دل کہاں پہلو میں جو ہم دیں تمھیں
یہ تو گھر اک عمر سے ویران ہے

عقل و ہوش و صبر سب جاتے رہے
ہاں مگر اک ادھ موئی سی جان ہے

وہ بھی گر لینی ہوں تو لے جائیے
خیر یہ بھی آپ کا احسان ہے

آن کر مل تو نظیرؔ اپنے سے جان
اب وہ کوئی آن کا مہمان ہے

(۴۱۴)

جب آنکھ اُس صنم سے لڑی تب خبر پڑی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی تب خبر پڑی

پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ!
دل بر نے دی تب اُس سے کڑی تب خبر پڑی

لائے تھے ہم تو عمر بڑھاپا یاں لکھا، دلے
جب سیاہی پر سفیدی چڑھی تب خبر پڑی

داڑھیں لگیں اُکھڑنے کو، دنداں ہوئے شہید
مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی

بن دانت بھی ہنسے، پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ!
جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی تب خبر پڑی

شہتیر سادہ قد تھا، سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی

نیچا دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب جا بلی گلے کی نڑی تب خبر پڑی

کپڑے بدل کے عطر لگا، پہن پھول ہار
نکلی سواری، دھوم پڑی تب خبر پڑی

جب آئے اُس گڑھے میں نظیرؔ او رہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر پڑی

(۴۱۵)

دیر سے آج جو نکلے بتِ ذی شان کئی — لے گئے صبر کئی، دیں کئی، ایمان کئی
اتنا رویا ہوں کہ، اب لختِ جگر کے، یارو — ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سرِ داماں کئی
اب تو ٹک منہ کو دکھا، یار، کہ نرگس بن کر — نکلے ہیں خاکِ چمن سے ترے حیران کئی
اُس کے دامن سے لگوں، پاؤں پڑوں، ساتھ چلوں — خاک ہوں، تو بھی مرے دل میں ہیں ارمان کئی
آخر آیا ہے، تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل — یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان کئی
پان کھا کھا نہ ہنس اس درجہ تو، اے دشمنِ جاں — ابھی بھر جائیں گے خون میں لبِ دندان کئی
نظر آتے ہیں مجھے اُس کی گلی میں دن رات — ٹکڑے ٹکڑے کئی، بسمل کئی، بے جان کئی
جان کر گورِ غریباں میں قیامت نہ مچا — ابھی سوتے ہیں ترے بے سروسامان کئی

بادشا کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر
اُس شہِ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

(۴۱۶)

بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے — آدم کے تئیں پوچھیے: "یہ کس کا جنا ہے"
حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں — وہ کہتے ہیں غافل: "یہ بقا ہے، یہ فنا ہے"

اک اُس کی دوا ابھی نہیں جاتی نظیر، آہ!
کچھ اور ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے

(۴۱۷)

زلف ہو بر سرِ احساں، تو گرفتار کرے — چشم کی عین عنایت ہو، تو بیمار کرے
تیغِ ابرو کی نوازش ہو، تو ہو زخم حصول — شورِ لب زخم کو چاہے، تو نمکسار کرے

(۴۱۸)

پکارا قاصدِ اشک آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے — ہوا تاراج پہلے شہرِ جاں، دل کا نگر پیچھے

سنو، میں خوں کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور باقی
چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لختِ جگر پیچھے

(۴۱۹)

جو اس کے ناز و ادا ہم کو دل پذیر ہوئے
تو اُس کے کاکُل پر خم میں ہم اسیر ہوئے

چھوئی جو زلف ذرا اس کی ہم نے ہو گستاخ
تو غصہ ہو کے کہا تم بھی اب شریر ہوئے

نہ چھوٹا ہم سے وہ نقشہ نگہ لڑانے کا
ہے دل کی دُھن تو وہی کیا ہوا جو پیر ہوئے

حقیر ہونے کی خوبی انہیں کو ہے معلوم
جو خوش نگاہوں کی نظروں میں کچھ حقیر ہوئے

بتوں کے ناز کی جب شوخیاں نظر آئیں
میاں نظیرؔ سے جب ہم فقط نظیرؔ ہوئے

(۴۲۰)

جب اس مہ جبیں پاس ہم شب کو پہونچے
فروغِ مسرت کے منصب کو پہونچے

جو دیکھی میاں ہم نے تسخیر تم میں
پری کی لگاوٹ کب اس ڈھب کو پہونچے

نگہ کی جو صہبا طلب کی تو بولا
ق
تمھارا لب اس کے نہ مشرب کو پہونچے

تمھیں اس کی دل میں تمنا عبث ہے
یہ وہ مے نہیں ہے جو ہم سب کو پہونچے

جو شکوہ جفا سے کرے کچھ نہ ہرگز
وہی یاں نظیرؔ اپنے مطلب کو پہونچے

(۴۲۱)

خفا ان دنوں ہم سے وہ دلربا ہے
کہیں کچھ تو جھنجھلا کے کہتا ہے کیا ہے

ابھی ہم تو ہو جاویں اس بت سے ناخوش
ولے کیونکہ ہو دل تو اس پر فدا ہے

اسے چھیڑ کر وہ جو کھاتے ہیں جھڑکی
وہی جانتے ہیں جو اس کا مزا ہے

کسی نے کہا اس سے میکش ہے وہ تو
ق
نظیرؔ اب جو اے جاں تمھیں چاہتا ہے

کہا اس نے یہ سُن کے او میاں تمھیں کیا
کوئی رند ہے یاں کوئی پارسا ہے

(۴۲۲)

ہمیں اس نے وعدہ سے شاید پھلا ہے ۔۔۔ کہ دن چڑھ گیا اس قدر جو ڈھلا ہے
جو کہتے ہیں بوسہ ہمیں بھی ملے گا ۔۔۔ تو اس کی زبان پر بھلا جی بھلا ہے
کڑا وہ جو نازک ہے پہونچے میں اس کے ۔۔۔ نزاکت کے سانچے میں کیا کیا ڈھلا ہے
جتاتا ہے کچھ ناز اس گل نے جس کو ۔۔۔ وہی باغ الفت میں پھولا پھلا ہے

تعدی نظیرؔ اس کی تم بھی اٹھا لو
میاں اب اسی میں تمھارا بھلا ہے

(۴۲۳)

تن دیکھنے جس گل کا ہر برگ سمن نکلے ۔۔۔ وہ سیمتن اس تن سے کس طور نہ تن نکلے
یوں زلف کے حلقے سے رخسار نمایاں ہے ۔۔۔ جوں مار سیہ منھ میں پکڑے ہوئے من نکلے
یہ نقش ہیں چیچک کے منھ پر عرق آلودہ ۔۔۔ یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے
دل چاہ زنخداں میں گو غرق ہوا لیکن ۔۔۔ اب بھی وہ اگر پاوے زلفوں کی رسن نکلے

تھا میں جو نظیرؔ اس کے دنداں کے تصور میں
جب منھ سے مرے ایسے موتی سے سخن نکلے

(۴۲۴)

جو دیکھی بالیندگی میں ہر دم بہار حسن نگار ہم نے ۔۔۔ تو ویسی بڑھتی کبھی نہ دیکھی کسی چمن کی بہار ہم نے
ادائیں غمزے کی ہیں جتاتی کہ فی الحقیقت اگر کسی نے ۔۔۔ رکھا ہے دل طاق آسماں پر لیا ہے ان سے اتار ہم نے
پھنسا کے پنجے دل ہمارا ہمیں سے کہتا ہے پھر یہ ہنس کر ۔۔۔ کہ آج تم ہم کو تہنیت دو کیا ہے پہلا شکار ہم نے
قدم وہ گن گن ادا سے رکھنا کچھ اور مطلب نہیں مگر ہاں ۔۔۔ غرض ہے گن گن کے دل کچلنا کیا جو دل میں شمار ہم نے
کہا جو کاکل سے دل لیے ہو کہو تو بولی وہ ہنس کے نو سو ۔۔۔ جو پوچھا آنکھوں سے تم ہی کہدو تو ہنس کے بولیں ہزار ہم نے
جو زلف جھٹکے تو کھڑا اٹکے جو کھڑا اٹکے تو زلف جھٹکے ۔۔۔ یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے

نظیر چاہے جو قدر اپنی تو ایسے چنچل سے مت لگا دل
کیا ہے کتنوں کو خوار اس نے جتا دیا تجھکو یار ہم نے

(۴۲۵)

کاکل مشکیں کا تجھ کو شوق بے تابانہ ہے
اے دل صد چاک سچ کہہ دل ہے تو یا شانہ ہے

کر دیا پہلے ہی ساغر میں ہمیں مست و خراب
ہمنشیں چشم بتاں کا بھی عجب میخانہ ہے

شمع رویوں کو تو کچھ پروا نہیں پر کیا کریں
دل جو ہم رکھتے ہیں وہ دل تو نہیں پروانہ ہے

پڑ گئی تھی ایک دن چشم گلابی پر نگاہ
اب تلک پا میں ہمارے لغزش مستانہ ہے

پھر وہ چشم مست ادھر کو میل کرتی ہے دلا
یاد ہے اس کا نشہ کچھ، یہ وہی میخانہ ہے

حال دل ہم نے کہا جس دم تو بولا سچ کہو
یہ کوئی قصہ نیا ہے یا کہن افسانہ ہے

اس پری رو سے چلا پھر دل لگانے کو نظیر
کیا کہیں یہ شخص بھی کوئی عجب دیوانہ ہے

(۴۲۶)

مکھڑے پہ اپنے تم نقاب کھینچو ہو کیوں حجاب سے
یہ تو بھبوکا وہ نہیں چھپ سکے جو نقاب سے

دل کو دوانہ کر گیا زلف کی پیچ و تاب سے
آنکھوں سے خواب لے گیا نرگس نیم خواب سے

قد ہے وہ اس کا جلوہ گر دیدۂ تر سے میرے یوں
جیسے عیاں ہو عکس سرو نہر چمن کے آب سے

اپنا کتابی رخ جو تم پھیرو ہو مجھ سے دمبدم
تم نے کیا ہے انتخاب کیا یہی اس کتاب سے

سویا ہے وہ ابھی نسیم لگیو نہ اس کے تن سے تو

اور جو گی تو وہ ابھی چونک پڑے گا خواب سے

سخت عذاب تھا ہمیں ہاتھ سے دل کے رات کو
بارے وہ تم نے لے لیا چھوٹے ہم اس عذاب سے

کہتے ہیں جس کو زندگی دم کی ہوا ہے اے نظیر
ہم کو تو آج کھل گیا عقدہ یہ اک حباب سے

(۴۲۷)

دیکھی نہ جدا یار کی ابرو کبھی جبیں سے — یہ ہم کو توقع نہ تھی اس زہرہ جبیں سے
کیونکر نہ چمن میں ترے قامت پہ فدا ہو — ہر سرو اسی چاؤ میں نکلا ہے زمیں سے
دی سینے میں جا نقش محبت کو جو اس کے — ہم جی میں بہت شاد ہوئے دل کے نگیں سے
جب دیکھ کے ہم کو در منظر کو لیا بھیڑ — ق — یہ بات کہی ہم نے تب اس غرفہ نشیں سے

کیوں جی تمہیں کیا عار ہمیں سے ہے یہ رکھنی
سن کر یہ نظیر اس نے کہا ہاں جی تمہیں سے

(۴۲۸)

آدم اک دمڑی کی ٹھیا کو رہے عاجز سدا — ہم کو کیا کیا یہ جوان اور گڑ گڑی پہ ناز ہے

غور سے دیکھا تو اب وہ یہ مثل ہے اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

(۴۲۹)

یوں کارواں شباب کا گزرا کہ گوش زد — آواز پا ہوئی نہ صدائے درا ہوئی
پوچھی نظیر ایک نے کل شکل وصل یار — ق — ہم نے کہا یہ اس سے کہ کیا کہیے کیا ہوئی

جو شکل دور باش تھی روز نخست کی
اب بھی جو ہم گئے تو وہی برملا ہوئی

(۴۳۰)

لو نہ ہنس ہنس کے تم اغیار کے گل دستوں سے
اتنی ضد بھی نہ رکھو اپنے جگر خستوں سے

فندقیں بزم میں دیکھ اُس کے سرِ انگشتوں سے
رشتۂ ربط نے لی رہ کفِ گل دستوں سے

رو برو ہووے نہ چشمانِ بتاں سے، اے دل
ڈرتے رہنا ہی مناسب ہے، سیہ مستوں سے

دستِ صیاد سے چھوٹے تو اُچھل پے در پے
ورنہ کیا فائدہ، اے آہوئے دل جستوں سے

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

(۴۳۱)

آیا نہیں جو کر کے اقرار ہنستے ہنستے
چل دے گیا ہے شاید عیار ہنستے ہنستے

اتنا نہ ہنس دل اُس سے، ایسا نہ ہو کہ چنچل
لڑنے کو تجھ سے ہووے تیار ہنستے ہنستے

لے کر صریح دل کو وہ گلعذار، یارو
ظاہر کرے ہے کیا کیا انکار ہنستے ہنستے

ہنس ہنس کے چھیڑ اس کو زنہار تو نہ اے دل
ہو گا گلے کا تیرے یہ ہار ہنستے ہنستے

ہنسنے کی آن دکھلا، لیتا ہے دل کو گلرو
کرتا ہے شوخ یارو یہ کار ہنستے ہنستے

جھنجلا کے حال دل کا کہنا نہیں روا ہے
لائق یہاں تو کرنا انکار ہنستے ہنستے

دستار سرخ سج کر طرہ زری کا رکھ کر
ق آیا جو دل کو لینے دلدار ہنستے ہنستے

آنکھیں لڑا کے اُس نے ہنسکر نگہ کی ایسی
جو لے گیا دل آخر خونخوار ہنستے ہنستے

آیا ہے دیکھنے کو تیرے نظیر اے گل
دکھلا دے ٹک تو اس کو دیدار ہنستے ہنستے

(۴۳۲)

بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں، کان میں، نتھ میں جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی بندوں سے مل کر کان کے نرموں میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

وہ سمرن موتیوں کی اُنگلیوں میں جب پھراتی ہے ۔۔۔ تو صدقے اُسکے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت ۔۔۔ ادھر لعل اور اُدھر نیلم، ادھر مرجان اُدھر موتی

سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے ۔۔۔ کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی

فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں ۔۔۔ پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

جو کہتا ہوں "ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا" ۔۔۔ تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر "موتی"

کڑے سونے کے کیا، موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں ۔۔۔ اگر باور نہ ہو دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یا رو ۔۔۔ بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشمِ تر موتی

تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے ۔۔۔ کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

نظیر اس ریختے کو سن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
"اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی"

(۴۳۳)

ناخوش دکھا کے جس کو ناز و عتاب کیجے ۔۔۔ اے مہرباں پھر اس کو خوش بھی شتاب کیجے

جو اپنے مبتلا ہوں اور دل سے چاہتے ہوں ۔۔۔ لازم نہیں پھر ان سے رُکئے حجاب کیجے

بیٹھے جو شام تک ہم۔ بولا وہ مہرباں ہو ۔۔۔ جو خواہشیں ہیں ان کا کچھ انتخاب کیجے

ہم نے نظیر ہنس کر اس شوخ سے کہا یوں ۔۔۔ ہیں خواہشیں تو اتنی کیا کیا حساب کیجے

موقع کی اب تو یہ ہے۔ جو وقت شب ہے اے جاں
ہم بیٹھے پاؤں داہیں اور آپ خواب کیجے

(۴۳۴)

گئے ہم جو الفت کی داں راہ کرنے ۔۔۔ ق ۔۔۔ ارادے سے چاہت کے آگاہ کرنے

کہا اس نے آنا ہوا کس سبب سے ۔۔۔ کہا آپ کے دل کو ہمراہ کرنے

بٹھایا اور اک چٹکی لی ایسی جس سے ۔۔۔ لگے منھ بنا ہم وہیں آہ کرنے

جو یہ شکل دیکھی تو چٹکی بجا کر ۔ کہا یوں نظیر اور لگا واہ کرنے

میاں ایک چٹکی سے کی آہ رک کر
اسی منہ سے آئے ہو تم چاہ کرنے

(۴۳۵)

پہلے ہی جو بتوں کی گھاتیں شمار کرتے ۔ تو ہم سے دل یہ سے کر کاہے کو عار کرتے
ق
اے دل تجھے تو ہم نے اکثر جتا دیا تھا ۔ واں دام زلف ہر دم ہیں آشکار کرتے
جو آگیا ادھر کو نخچیر دل تو پھر وہ ۔ اک آن میں ہیں اس کو اپنا شکار کرتے
پھنسنے تلک اشارت کی تو بھی تو نہ سمجھا ۔ غافل بتجھے کہاں تک ہم ہوشیار کرتے

جب دل نظیر بولا ہوتا تو اس طرح تھا
کیا حاصل اب جو مجھ کو ہو شرمسار کرتے

(۴۳۶)

سحر کو نکلے تھے سیر کرنے جو ہمدم اک دن ہم اپنے گھر سے
تو ایک گورا وہ شوخ دیکھا رخ اس کا بہتر رخ سحر سے

جو ہم کو دیکھا کیا تبسّم بہت ہوئے خوش ہم اپنے دل میں
کہا نہ منہ سے کہ آؤ بیٹھو مگر اشارت کیے نظر سے

ہمیں بھی کچھ کچھ تھی رمز فہمی جو دلبروں سے ملے تھے اکثر
سمجھ اشارت نگہ کی بیٹھے بہت ادب سے ذرا حذر سے

کہا تمہارا ہے کیا ارادہ ۔ کہا یہ ہم نے ارادہ کیا ہے
مگر گھڑی دو گھڑی ہیں ملتے پری رخاں کرشمہ گر سے

یہ سن کے اس نے نظیر ہم کو دکھائی ایک آن ایسی ہنس کر
کہ بیٹھے دیکھ اس ادا کو ایسے کہ پھر نہ سرکے ہم اس کے در سے

(٤٣٧)

کی اس صنم نے جس دم ہم پر نگاہ دل سے
ہم نے بھی اس نگہ سے کی اس کی چاہ دل سے
چاہت ہماری اے جاں تم ظاہری نہ سمجھو
ہم چاہتے ہیں تم کو اے رشک ماہ دل سے
جب دیکھتے ہیں اس کی طرز خرام یارو
ہم ہر قدم پہ کیا کیا کہتے ہیں واہ دل سے
بن دیکھے اس پری کے بے تابیاں ہماری
گھبرے ہیں گاہ جی کو پلٹے ہیں گاہ دل سے
باتیں ہمارے دل کی کہدیں نظیر اس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(٤٣٨)

ہے زلف خوش جو ایسی اور ہے وہ بند دل کی
کیا کہیے بے وقوفی اس خود پسند دل کی
ہجراں نے جس کو ہمدم مجبور کر دیا ہو
جز وصل پھر دوا کیا اس دردمند دل کی
دشنام اس کی لب کے کھائے جو ہیں مکرر
اب گر گیا ہے یارو نظروں سے قند دل کی
جتنا چھڑایا اس سے اتنا ہی جا کے لپٹا
کرتی ہے کچھ یہ صورت چاہت میں بند دل کی
نکلی نظیر ہرگز حلقے سے پھر نہ گردن
ایسی ہوئی وہ پرخم کاکل کمند دل کی

(٤٣٩)

کوچے میں اس کے اکثر کہتے ہیں یاں سے اٹھیے
پر ہم سے دل ہے کہتا مت خوف جاں سے اٹھیے
کہنے سے غیر کے تو ہم کب اٹھیں گے یارو
جب تک نہ وہ کہے گا اپنی زباں سے اٹھیے
بیٹھے اس کے پاس ہم نے ٹک چھو لیا جو زانو
ہنس کر کہا یہ اس نے اب آپ یاں سے اٹھیے
رہ دیر میں تو اے دل مت یاد خانقہ کر
واں بیٹھیے نہ ہرگز پھر جس مکاں سے اٹھیے
دیں دے چکے تھے پہلے دے بیٹھے دل نظیر اب
کس زندگی کی خاطر کوئے بتاں سے اٹھیے

(۴۴۰)

لیجے یہ دل نہایت اچھا ہے — کیا بیاں کیجے اس میں کیا کیا ہے
اور کو کیا خبر وہی جانے — ہم نے جس ڈھب سے اُسکو دیکھا ہے
اُلفت غیر ہم پہ ٹھہرا کر — ق — رات دن اب اُسی کا چرچا ہے
ایک دل تھا سو دے چکے تم کو — ہم پہ یہ اتّہام بے جا ہے

منہ دکھاتے نظیر رکتے ہیں
یہ بھی کچھ اور ہی تماشا ہے

(۴۴۱)

وہ مہ جبیں جو آیا شب کو ہمارے آگے — اس لطف سے ہمارے سوتے نصیب جاگے
جلتی نہ ہو کے گریاں تو یاں اگر نہ ڈھلتی — دشمن ہوے یہ تیرے اے شمع تن کے تاگے
ہم مستقل تھے دل میں کس کی طرح نہایت — چکّر دیا یہ تو نے اے چاہ کے سہاگے
دکھلائی اس نے کیا کیا ابرو کی تیغ پر ہم — نظریں رہے لڑاتے اور اک قدم نہ بھاگے

تم تو نظیر کرے اور ہم نے کل ہی دیکھا
تھے تم تو پیچھے پیچھے وہ شوخ آگے آگے

(۴۴۲)

کب آہ وہ کر سکتے ہیں دل کی طپشوں سے — صحبت ہے جنھیں حسن کے نازک منشوں سے
کر جز ب زباں سے نہ پری دیوں کی تسخیر — یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے
ہے آج نو خوش پر نہیں بلبل کو یہ معلوم — کل سر کو ٹپکنا ہے چمن کی روشوں سے
خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے لیکن — چھیڑا ہے انھیں ہم نے بھی کن کن روشوں سے

مدت میں نظیر اس نے کیا دل کے تئیں قتل
صد شکر کہ ہم آج چھٹے سب خلشوں سے

(٤٤٣)

ہے کام جس کے دل کو اس زلف عنبریں سے
کب ہو وہ چیں بابرو، ایک آن اس کی چیں سے

چمکے ہے چاندنی میں جب شوخ کی انگوٹھی
مہتاب میں ہیں گویا الماس کے نگیں سے

ق

تھا خواب میں جو اک شب ہم نے پری کو دیکھا
تعبیر اس کی پوچھی جب ایک پیش بیں سے

سن کر کہا یہ اس نے ظاہر ہے جو تمہارا
دل ان دنوں میں اٹکے اک شوخ مہ جبیں سے

باتیں نظیر جس کی ہوں قند سے زیادہ
دشنام اس کے بہتر ہوں کیوں نہ انگبیں سے

(٤٤٤)

کل سنا ہم نے یہ کہتا تھا وہ اک ہمراز سے
دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے

وہ نیاز و عجز تھا اس کی نگہ سے آشکار
جس طرح طائر کسی جا تھک رہے پرواز سے

تو جو واقف ہو تو جا اس کو بلا لا جلد یاں
میں تسلی دوں اسے کچھ شرم سے کچھ ناز سے

ہے مرا دل اس سے ملنے کو نہایت بیقرار
سن کے وہ ہمراز بولا اس بت طناز سے

میں تو اس کو جانتا ہوں نام ہے اسکا نظیر
اور خبر ہے مجھ کو اس کی چاہ کے آغاز سے

تم ہو سادے مہرباں اس کو بکھیڑے یاد ہیں
اور سوا اس کے مرا ڈرتا ہے جی غماز سے

سن کے یہ ہمراز سے اس نے کہا ہنس کر میاں
کچھ بھی ہو ہم تو ملیں گے اس بکھیڑے باز سے

(٤٤٥)

ہم دل نہ دیں گے ہنس کر بولا یہ کیا سخن ہے
ہم نے کہا کہ حضرت اس نے کہا کہ گن ہے

اب نہ دل دیویں اپنا یا دیویں اس صنم کو
ہر آن اب اسی کی جی میں اُدھیڑ بُن ہے

کاکل ہیں اس پری کے حسرت فزائے سنبل
رخ رو کش چمن ہے قد رشک سرو بُن ہے

اب تک نظیر کیا کیا بھرتا ہے چاہ کے دم
ہر چند مدتوں سے قد خم ہے اور کہن ہے

ملتا ہے جو پری رو دیکھے ہے دو بدو ہو
گو پیر ہے پر اب بھی دل میں یہ اُس کے دُھن ہے

(۴۴۶)

پھڑکتی ہے چشم ہے اور شوق بیتابی جتاتا ہے — خوشی ہے جاں بھی، اور دل بھی نہیں پھولا سماتا ہے
نگہ بھی لحظہ لحظہ سوئے در آتی ہے گھبرا کر — خیال گوش بھی ہر دم طرف کھٹکے کے جاتا ہے
نجومی خود بخود آ کہہ گیا خوش وقتیاں ہوں گی — ادھر کچھ زاغ بھی پیہم صدا اپنی سُناتا ہے
شگوں جتنے جہاں میں ہیں معین شاد ہونے کے — ہر اک اُن سے بھی ہر ساعت بروئے کار آتا ہے

نظیر ایسی تو باتوں سے عیاں ہے یہ کہ وہ گلرو
کوئی دم یا کوئی پل میں ابھی تشریف لاتا ہے

(۴۴۷)

رکھیں نہ کیونکہ ہم اپنے کنارے دل کی خوشی — ہمیں تو چاہیئے اے جاں تمھارے دل کی خوشی
ہمارے دل کے نہ ہاتھ آنے سے جو ناخوش تھے — لیا وہ تم نے ہوئی اب تو بارے دل کی خوشی
یہ تم جو دیتے ہو دشنام اور جھڑکتے ہو — نہ سہتے ہم جو نہ ہوتی پیارے دل کی خوشی
نہ پھنستے چشم کی ایما سے زلف میں ہرگز — اگر نہ کرتی ہمیں کچھ اشارے دل کی خوشی

گلہ نہ آنے کا سن کر کہا نظیر اس نے
نہ آئے ہم تو نہ آئے، ہمارے دل کی خوشی

(۴۴۸)

کچھ نہ دیکھا میں نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے — اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے
پنجۂ خورشید بھولا تھا ید بیضا کا رشک — پھر وہی رشک اس کو آیا یاد تیرے ہاتھ سے
زخم کھایا ہم نے منھ پر جب تو قاتل نے کہا — اپنے چہرے پر ہوا یہ صاد تیرے ہاتھ سے
کھولی ناخن سے رگ دل تو نے اے فصاد جاں — یہ نیا نشتر ہوا ایجاد تیرے ہاتھ سے

صید کیا تو نے تو مارا دل یہ صیادوں کے ہاتھ
ہاتھ ملتے ہیں غرض صیاد تیرے ہاتھ سے
ہاتھ ٹوٹیں تیرے گلچیں تو نے کیوں توڑے یہ گل
حیف کیا گلشن ہوا برباد تیرے ہاتھ سے

تو نے جنگل سے چھڑایا یار کا دامن نظیر
ہم ہوے جی میں نہایت شاد تیرے ہاتھ سے

(۴۴۹)

دل جب بندھا ہمارا اس زلف کی رسن سے
کس کس طرح کی بندش دیکھی شکن شکن سے
شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گل سے ہمدم
لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اس کے تن سے
ہر چند منھ پر اپنے لاتا نہیں ولیکن
تہ تہ میں بیکلی ہے غنچے کو اس دہن سے
کل چھو لیا جو ہم نے ٹک دامن اس صنم کا
نزدیک ہوکے کچھ کچھ اپنے کسی جتن سے

پھولے خوشی سے ایسے جو دل نظیر بولا
ایسا نہ ہو جو نکلو آغوش پیرہن سے

(۴۵۰)

دل لینے کے اور دل کو ہنر کیا نہیں آتے
پر جو تمھیں آتے ہیں وہ اصلا نہیں آتے
بازی گریاں ہم تو بہت کرتے ہیں لیکن
محبوب کبھی بہر تماشا نہیں آتے
ہم حال تو کہہ سکتے ہیں اپنا یہ کہیں کیا
جب وہ ادھر آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے
وعدہ تو کیا ہے کہ ہم آئیں گے پر ان کو
حیلے جو ہیں جل دینے کے کیا کیا نہیں آتے

جب ہم نے نظیر اس سے کہا آئیے ٹک یاں
سن کر عجب اک آن سے بولا، نہیں آتے

(۴۵۱)

غنچے کا منفعل ہے اس کے دہن دہن سے
گل کا بھی شرمگیں ہے کیا کیا بدن بدن سے
سج دھج کی ہم سے اس کی تعریف کس طرح ہو
حیرت میں ہے پری کا جس کے بدن بدن سے

دکھی جو زلف ہم نے آئیں نظر میں کیا کیا
تم نے جو ڈھب نکالے ہم نے بھی فن جتائے

چینوں سے چینیں باہم یک جا شکن شکن سے
ہم یہ تمہارے لے جال سیکھے چلن چلن سے

یہ حسن ہے نظیر اب بازار میں ہیں بیٹھے
گل شوق رخ ہیں اس کے آکر چمن چمن سے

(۴۵۲)

دل اپنا جو ہم عاشق اس کا کریں گے
مناسب نہ ہوگا جو منھ دیکھنا وا ں
نظیر ایک دن بازیگر بن کے ہم نے
تو بولا ہمیں یاد ہیں وہ تماشے

ق

تو دھن ہے کہ ہر گز نہ افشا کریں گے
تو پھر ڈھب سے کچھ اور نقشا کریں گے
کہا ہم بھی یاں کچھ تماشا کریں گے
کہ تم کو گھڑی بھر میں شیدا کریں گے

جنوں میں تماشے جو کچھ تم سے ہوں گے
ہم ان سب کو ہنس ہنس کے دیکھا کریں گے

(۴۵۳)

سہی گو کہ جھڑکی نرالی نکالی
ڈرا دل نہ گوری جبیں کی جو چیں سے

جو سہ لی وہ جھڑکی تو گالی نکالی
تو خونخوار کاکل نے کالی نکالی

کھڑے ہو کے جب زلف کھولی تو گویا
صنوبر نے سنبل کی ڈالی نکالی

(۴۵۴)

جو میخانے میں جاکر ایک جام مے پیا ہم نے
اٹھائے ناز خوباں کے بہاریں حسن کی دیکھیں
بنا کر چاہ میں چہرے کی رنگت کو برنگ زر
کبھی زلف پری زادوں کے دامن سے لگے جاکر

تو جس جا خشت پائے خم تھی واں سر رکھ دیا ہم نے
مزا دشنام اور بوسے کا بھی اکثر لیا ہم نے
بھلا کر یاد میں سونا یہ سیکھی کیمیا ہم نے
کبھی ان کی تعدی سے گریباں کو سیا ہم نے

لہ بازی گر۔ بھانمتی۔ تماشا دکھانے والا۔ شعبدہ باز ۱۲
سہ مراد کالی ناگنی ۱۲ آسی

ملے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے
نظیر اک دل لگا کر واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

(۴۵۵)

یہ میکشی ہو بھلا کس نمط[1] زمیں کے تلے ... کب اس شراب کی ملتی ہے بط زمیں کے تلے
رقم ہیں اور تو یکسر عیاں مگر ہیں گے ... زر دفینہ کے حرف و نقط زمیں کے تلے
یہ رسم نامہ نویسی تو جیتے جی تک ہے ... وگر نہ لکھتا ہے پھر کون خط زمیں کے تلے
نہ نکلے رہ کے کوئی جس جگہ سے حشر تلک ... سو وہ مکاں تو ہے یار و فقط زمیں کے تلے
نہاتے دھوتے جو اب ہیں سو بعد مرگ کہاں ... اگرچہ کتنے ہی جاری ہیں شط[2] زمیں کے تلے
محرف اور برابر تو ہیں یہیں یارو ... قلم کو کون لگاتا ہے قط زمیں کے تلے

یہ دھو میں چھلیں جو زیر فلک عیاں ہیں نظیر
جو چاہو پھر یہ ملیں سب غلط زمیں کے تلے

(۴۵۶)

ہستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے ... وہ کمرا اور دہ وہاں، کچھ نہیں اور سب کچھ ہے
بے زری، فاقہ کشی، مفلسی، بے اسبابی ... ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہے

(۴۵۷)

تن دیکھنے جس گل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے ... وہ سیم تن اُس تن سے کس طرح نہ تن نکلے
یہ نقش ہیں چیچک کے منہ پر عرق آلودہ ... یا حُسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے

(۴۵۸)

بقا ہماری جو پوچھو، تو جوں چراغ مزار ... ہوا کے بیچ کوئی دم، رہے رہے نہ رہے
ملو جو ہم سے تو مل لو، کہ ہم بنوک گیاہ ... مثال قطرۂ شبنم، رہے رہے نہ رہے

---

[1] نمط۔ طور۔ طرح۔ بط شراب ایک ظرف جس میں شراب بھرتے ہیں۔ ایک قسم کی صراحی۔
[2] شط۔ دریا۔ عبدالباری آسی

کھجوری چوٹی ادائیں موتی جنائیں لمبی قبائیں چھوٹی
وہ نیچی کافر سیاہ پٹی، نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی
ہر اس سے کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں لٹک رہا ہے
پڑھی ہے جس نے کہ اسکی پٹی، وہ پٹی سے سر ٹپک رہا ہے

متفرقات ردیف (ی)

۴۹ مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ — پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی

۵۰ منہ زرد، و آہ سرد، و لب خشک، و چشم تر — سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے

۵۱ بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے، نظیر — کیا دم دیا ہے حضرت آدم کو دیکھیے

۵۲ چمک ہے، درد ہے، کوندن پڑی ہے، ہوک اٹھتی ہے — مرے پہلو میں کیوں یارو، یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے

۵۳ ہو کے خفا اور تیوری چڑھا کر بولی میں اپنی کہا نظیر — آپ نے جد گھالی تھی نہیں بن ٹھن اہو کا بن پچھیے

۵۴ گئی گزری اپنی وہ میکشی، لگی جب سے آگ فراق کی — یہ جلے ہے دل سو کباب ہے، یہ سرشک چشم شراب ہے

۵۵ مری اس چشم تر سے ابر باراں کو ہے کیا نسبت — کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برساتی

۵۶ عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے — دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے

۵۷ میں دست و گریباں ہوں دم باز پسیں سے — ہمدم، اسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے

۵۸ کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بے داد تیرے ہاتھ سے — اے مرے بے داد گر، فریاد تیرے ہاتھ سے

۵۹ باتیں ہمارے دل کی کہہ دیں، نظیر، اس نے — ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

۶۰ تہ جھکے ہیں جھمک تس پہ غضب بالا ہے — اب کوئی آن میں سب خلق تہ و بالا ہے

۶۱ وہ نیاز عشق تھا اس کی نگہ سے آشکار — جس طرح سے تھک رہے طائر کہیں پرواز سے

۶۲ جس طرف تھے دیکھتے عیش و طرب کا جوش تھا — مستی و رندی ہوس بازی و بے اندیشگی

۶۳ قد میں خم آنکھوں میں نم چہرے پہ چھبری رنگ زرد — سر سے پا تک سخت ناخوش منظری بد ہیئتی

تمام شد غزلیات

لہ کھجوری چوٹی۔ وہ گندھی ہوئی چوٹی جس کی گندھاوٹ کھجور کی سی ہو ۱۲
لہ سیاہ پٹی۔ وہ جٹ جو گوندھنے کے بعد آخر حصہ میں چوٹی میں ڈالی جاتی ہے۔ پٹی پڑھنا کسی کے سکھائے پڑھانے میں آنا۔ تیسری پٹی کے معنی پلنگ کی پٹی ۱۲
۵۲ چمک۔ درد کی ایک قسم کی ٹیس۔ کوندن دمبدم درد کی چمک ہونا ۱۲ آسی

مخمّسات عاشقانہ نظیر

خمسہ بر غزل مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۶۰)

نمی دانم کہ ایں مردم کیانند — کہ یاراں رفتہ و خوش بگذرانند
دلا پیش آں کہ ایں عالم برانند — بیفگن خیمہ تا محمل برانند
کہ ہم راہان آں عالم روانند

میاں اس جا بجز ذاتِ خداوند — نہ بھائی ہے کوئی اپنا نہ فرزند
نہ ہو دنیا کے رشتوں میں تو پابند — زن و فرزند یار و خویش و پیوند
برادر خواندگان کاروانند

جہاں تک یہ تماشے ہیں مقابل — اے ناداں یہ سب ہیں نقشِ باطل
اگر دانا ہے تو اے مردِ عاقل — نبایدبستن اندر صحبتے دل

کہ بے ایشاں بمانی تا نمانند

تکبّر میں نہ کر عمر اپنی برباد
تجھے کیا، آہ!، یہ نکتہ نہیں یاد
مچامت اپنے ہاتھوں داد بیداد
نہ اول خاک بود است آدمی زاد

بہ آخر چوں بیندیشی ہمانند

تونگر کیا غنی، کیا شاہ درویش
سبھوں کو ایک دن چلنا ہے درپیش
امیر وقت کیا محتاج دل ریش
پس آں بہتر کہ اول آخر خویش

بیندیشند و قدرِ خود بدانند

سراسر کام دُنیا کے ہیں گندے
ذرا تو دیکھ اے خالق کے بندے
غرور و کبر میں مت اپنا تن دے
زمیں چندے بخورد از خلق و چندے

ہنوز از کبر سر بر آسمانند

گیا اک دن میں گورستاں میں دل سرد
جو دیکھا ہے تو با چشم و رخ زرد
پڑی اُڑتی تھی واں ہر قبے پہ گرد
یکے بر تربتے فریاد می کرد

کہ اینہا پادشاہانِ جہانند

یہ وہ ہیں جن کے تن تھے گورے گورے
بڑے تھے سلطنت کے ان کے تورے[1]
مرصع جام و زرّیں آب خورے
بہ گفتم تختہ' برکن ز گورے

بہ بیں تا پادشہ یا پاسبانند

کہاں ہے ان کی وہ شان و جلالت
یہ سُن کر مجھ سے وہ صاحب کرامت
کہاں وہ تاج و تخت و ملک و دولت
بگفتہ' تختہ برکندن چہ حاجت

کہ می دانم کہ مشتِ استخوانند"

گھڑی کی عمر ہو یا لاکھ کا سن
جو ہوں بیمار ظاہر یا کہ باطن
نظیر اس بزم سے چلنا ہے اک دن
نصیحت دار وے تلخ است و لیکن

[1] تورہ مختلف اقسام کے لذیذ کھانے جو خوانوں میں لگا کر بڑے تکلف کے ساتھ امیروں کے وہاں تقریبات میں تقسیم ہوتے ہیں ایک معنی اس کے ناز و غرور بھی ہیں ۱۲ شہباز

زردار و خانہ سعدی ستانند

ایضاً

(۴۶۱)

سراپا

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اٹھانے
اور دل کو لگے سیر گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا ب تجھے اے یار یگانے
بربود دلم در چمنے سرو روانے
زریں کمرے، سیمبرے، موے میانے

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے
وہ حسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اسکی میں خوبی کے قرینے
خورشید رخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، سنگ دلے، تنگ دہانے

گلفام، گل اندام، دلارام، نکوئے
دلدار، دل آزار جفا کار، دو روئے
آہو صفتے کبک تگے، عنبریں موئے
بیداد گرے، کج کلہے، عربدہ جوئے
شکر شکنے، تیر قدے، سخت کمانے

ابرو خم طاق حرم و زلف گنشتے[1]
قد رنج دل طوبیٰ و رخ رشک بہشتے
تل نقش سویدا ے دل و خط لب کشتے
جادو نظرے عشوہ گرے، حسن سرشتے
آسیب دلے، رنج تنے، آفت جانے

وہ رخ کہ ہر اک شوخ پہ پڑا دو شہ دے
وہ زلف کہ سنبل جسے بیتاب ہو کھد سے
گر حور بھی دیکھے تو اسے جان میں رہ دے
عیسیٰ نفسے، خضر رہے، یوسف عہدے
جم مرتبہ، تاجورے، شاہ جہانے

[1] شہ۔ شطرنج بازوں کی اصطلاح میں بادشاہ کو کسی مہرے کی زد سے بچانے کے لیے تنبیہ کی آواز۔ جسے کشت بھی کہتے ہیں۔ رخ کی رعایت سے یہاں شہ لایا گیا ہے کہ اس کا رخ ایسا ہے جو ہر معشوق کو ہٹنے اور بچنے کی صدا دیتا ہے ۱۲ آسی

شمشیر نگہ، تیر مژہ، قاتلِ خلقے — غارت گر دہ برباد دہِ حاصلِ خلقے
شورِ جہان، فتنۂ جاں، مقبلِ خلقے — تنگِ شکرے، چوں شکرے در دلِ خلقے
شوخے، نمکینے، چو نمک شورِ جہانے

کیا اُس کی میں تعریف کہوں حُسن ادا کی — ہے ختم دو عالم کی اُسی شوخ پہ خوبی
پھر مثل نظیر اُس بتِ رعنا سے لگا جی — بے زلف و رخ و لعلِ لب او شدہ سعدی
آہے، و بخارے، و غبارے، و دخانے

خمسہ بر غزل حضرت امیر خسرو

(۴۶۲)

کب لالہ و گل کر سکیں عارض سے تیرے ہمسری — قد سے خجل سرو سہی، رفتار سے کبکِ دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں ناز و ادا و دلبری — اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری

ہے شور تیرے حُسن کا لیکر زمیں سے چرخ تک — دن رات صورت کو تری شمس و قمر رہتے ہیں تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں کہتا یہی ہر یک بیک — "تا نقش می بندد فلک کس را نداد است ایں نمک
حوری ندانم یا ملک، فرزندِ آدم یا پری"

تیرا رخ اے رعنا صنم بھر کر نظر دیکھے ہے جو — کھو دین و ایماں کے تئیں باندھے ہے وہ زُنّار کو
دیوانے تیرے عشق میں دل سے نہیں کچھ ایک دو — عالم ہمہ یغمائے تو، خلقے ہمہ شیدائے تو
ایں نرگسِ شہلائے تو آورد رسمِ کافری

ہے خلق و خوبی میں بھرا اس طور سے وہ نازنیں — بہزاد و مانی دیکھتے تو ہوتے وہ حیرت قریں
گر اس بیاں کے راست کا آتا نہیں تجھ کو یقیں — صورتگر نقاش چیں رو صورتِ یارم بہ بیں
یا صورتے کش ایچنیں یا ترک کن صورتگری

سلہ یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا :: یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی ۔ اسی

ہیں خلق میں ہر سو عیاں رنگیں ادا، زیبا صنم
گلگوں قبا، نازک بدن سو زیب و زینت سے بہم

کی غور تو سچ ہے یہی مجھ کو محبّت کی قسم
آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے تجھ سا شکر لب مہ لقا
ابرو کماں، جادو نظر، شیریں سخن اور عشوہ زا

اپنے وطن کو چھوڑ کر مثلِ نظیرؔ مبتلا
خسرو غریبست و گدا، اُفتادہ در شہرِ شما

باشد کہ از بہر خدا، سوئے غریباں بنگری

خمسہ بر غزل حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۶۳)

کیست تا آں ساقیِ گلفام را
از من بیدل دہد پیغام را

تشنہ لب مگذار ایں ناکام را
ساقیا برخیز و دردہ جام را

خاک بر سر کن غمِ ایام را

گو کہ مے پینے میں ہیں بدنامیاں
عزّت و حرمت کا جاتا ہے نشاں

ہم تو سمجھے ہیں یہ، لا ساقی میاں
گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں

مانمی خواہیم ننگ و نام را

دیکھ کر نالے ہمارے شعلہ زن
عابد و زاہد کے بھولے مکر و فن

کیوں نہ اب جل جل کے ہوں دشمن کے تن
دودِ آہِ سینۂ سوزانِ من

سوخت ایں افسردگانِ خام را

یہ جو میں پہنا ہے جبّہ سر بسر
ہے بھرا اس میں سراپا مکر و شر

دے خدا کے واسطے اے مُغ پسر
ساغرِ مے بر کفم نہ تا ز سر

بر کشم ایں دلقِ ازرق فام را

؎ اس میں اشارہ ہے دہلی چھوڑنے کی طرف جو نظیر کا وطن اصلی تھا۔ شہباز

تنگ دارم منزل و ماوائے خود — کردہ ام کوئے مغاں را جائے خود
عاشقم بر طرزِ بے پروائے خود — محرمِ رازِ دل شید ائے خود

کس نہ می بینم نہ خاص و عام را

یہ جو یاں خوباں رکھیں ہیں بند و بست — دل کو لیتے ہیں بصد افسون و دستاں
ان کا میں عاشق نہیں اے خود پرست — با دل آرائے مرا خاطر خوش است

کز دلم یک بار بُرد آرام را

عشق میں آرامِ دل ہوتا ہے کب — یاں تو ہر دم غم ہے اور رنج و تعب
کوئی دن مثلِ نظیر اس غم میں اب — صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب

عاقبت روزے بیابی کام را

ایضاً

(۴۶۴)

آمد نگار دلبر شیریں کلامِ ما — رشکِ ارم ز نزہت او شد مشامِ ما
زو روزگار سکّۂ دولت بنامِ ما — ساقی بہ نور بادہ برافروز جامِ ما

مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

زاہد تو کم خوری سے کریں تن کو اپنے کاست — ہم رندپی شراب کریں عیشِ دل کے راست
جس دم کہ آکے ہوئے گا دیوانِ حشر راست — ترسم کہ صرفہ نبرد روزِ باز خواست

نانِ حلال شیخ ز آبِ حرامِ ما

جامے ز دست ساقیِ رنگیں کشیدہ ایم — غم را بہ ہشت پازدہ عشرت خریدہ ایم
زاہد خبر ندارد از آں گل کہ چیدہ ایم — ما در پیالہ عکسِ رخ یار دیدہ ایم

اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما

لہ دستاں
بمعنی دستاں ۱۲

چرخ وفلک جہاں ہیں خرامندہ شد بعشق — شمس وقمر بھی نور میں تابندہ شد بعشق
قائم وہی رہیگا جو پایندہ شد بعشق — ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کیا کیا کریں ہیں ناز وادا سیم تن یہاں — آوے ابھی وہ شوخ تو ہو جاویں سب نہاں
دیکھا جو خوب سب ہیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں — چنداں بود کرشمۂ و نازِ سہی قداں
کاید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما

زاہد ہمیں خدا نے کیا ہے جو مے پرست — مستِ الست ہم ہیں نہیں آج کل کے مست
دیکھے تو کس طرح کرتی ہے نگاہ پست — مستی بچشم شاہد دل بند ما خوش است
زاں روسپردہ اند بہ مستی قیامِ ما

جب سے جدا ہوا فلکِ حسن کا وہ چاند[۱] — روتے ہی روتے ہم کو یہ گزرا تمام چاند
مثل نظیر ہجر کی سختی سے ہو کے ماند — حافظ زدیدہ دانۂ اشکے ہمی فشاند
باشد کہ مرغِ وصل کند قصد دامِ ما

[۱] چاند اول - مجازاً معشوق - چاند دوم - مہینہ آسی

دیگر

(۴۶۵)

تا کے بدلق و سُبحہ کنی فکرِ دام را — آری بحلقہ درکفِ خود خلق عام را
بگذار یک نفس تو چنیں مکر خام را — صوفی بیا کہ آئینہ صافست جام را
تا بنگری صفائے مے لعل فام را

یہ صید گاہ عشق ہے دیر و حرم نہیں — یاں لاکھوں جال اُڑ گئے اور سیکڑوں کمیں
باز آ تو اس خیال سے سنتا ہے ہمنشیں — عنقا شکارِ کس نہ شود، دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

کیفیتِ شراب زہرے پرست پُرس — یا زانکہ در ازل شدہ جامے بدست پُرس
سیر جہاں نہ از دل و از عقل پست پرس — رازِ درون پردہ ز رندانِ مست پُرس

کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

گر زیرِ آسماں تجھے فرصت ہے ایک جو — کر اپنے دل کے عیش تو ایک ایک دم میں سو
گرچہ شراب ناب کی اس جا لگی ہے لَو[1] — در بزم دورِ یک دو قدح درکش و برو

یعنے طمع مدار وصالِ دوام را

کھو کر جوانی تو جو ہوا یار اب فریش[2] — پیری کا اب تو آن پڑا ایرے سر یہ جیتش
آتا ہے تجھ کو دیکھ مرے جی میں اب تو طیش — اے دل شباب رفت، نچیدی گلے ز عیش

پیرانہ سر مکن ہوس ننگ و نام را

پیرِ مغاں نے جب سے دیے جام نو بنو — جب سے کلاہ و دلق و مصلا ہوا گرو
مثلِ نظیر اب تو لگی دل کو مے کی لو — حافظ مرید جامِ مے است، اے صبا، برو

و ز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

دیگر

(۴۶۶)

کہاں وہ کیقبادی کارخانہ؟ — کہاں وہ مے، وہ جامِ خسروانہ؟
کہوں کیا تجھ سے اے یارِ یگانہ — سحر گاہانہ مخمورِ شبانہ

گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ

پڑا جب گوش میں وہ نالۂ نے — تو سوجھی اور ہی عالم کی اک شے
ہوئی مستی و مدہوشی جو در پے — نہادم عقل را رہ توشہ از مے

بملک عاقبت[3] کردم روانہ

[3] نہ عافیت

[1] پَو۔ وہ جگہ جہاں پانی کی سبیل رکھی جاتی ہے۔ اس کو پنسال، پنسالا اور پنسا بھی کہتے ہیں۔ [2] فریش: ذی فراش۔ وہ شخص جو کمزوری کے سبب دن رات بچھونے پر پڑا رہے۔ تاوقتیکہ صیغۂ تصغیر کا خیال نہ کیا جائے قافیہ صحیح نہیں ہوتا۔ غالباً تلفظ عوام کی رعایت کی ہوگی۔ شہباز

کیا پہلے ہی ساغر نے یہ دل شاد — کہ سر اپنا رہا مجھ کو نہ پایا د
تو مجھ کو مست کر کے اور اک جام امداد — نگارے سے فروشم عشوہ داد

کہ ایمن گشتم از مکر زمانہ

ہوا جب میں نہایت شاد و خرم — تو رکھ کر سر قدم پہ اس کے ہر دم
کہا میں نے اسے اے ساقیِ جم — بدہ کشتی مے تا خوش سر آیم

مذبرائم

دریں دریاے ناپیدا کرانہ

کیا ہے گر مجھے منزل سے محرم — تو رستے میں نہ چھوڑ اے خضرِ عالم
کہا جب میں نے یہ نکتہ تو اُسدم — ز ساقی کمان ابرو شنیدم

کہ اے تیر ملامت را نشانہ

یہ رہ باریک ہے اور تو ہے فربہ — کمان اس عزم کی ہر گز نہ کر زہ
گمان و وہم کی جا گہ نہیں یہ — برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اگر ہے تجھ کو اس رہ سے سرو کار — تو ہو سب ماسوا سے تارک ای یار
نہ رکھیو بو خودی کی کچھ خبردار — نہ بندی زاں میاں طوقِ کمردار

اگر خود را نہ بینی در میانہ

وہی عاشق، وہی معشوق دلجوست — وہی بو، اور وہی مغز اور وہی پوست
وہی حامی، وہی دشمن وہی دوست — شراب و شاہد و ساقی ہمہ اوست

خیالِ آب و گل در رہ بہانہ

نظیرا ہے جنونِ شیدائیست حافظ — تنِ خاکی عجب جائیست حافظ
نہ دریا و نہ صحرائیست حافظ — وجودِ ما معمائیست حافظ

کہ تحقیقش فسون است و فسانہ

دیگر

(۴۶۷)

تھا جو از بسکہ میں عصیاں میں خراب آلودہ
اہل تقویٰ کا سمجھ دانۂ و آب آلودہ
طاعت و مکر سے رہتا تھا حجاب آلودہ
دوش رفتم بدرِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں مجھ کو اٹھا دوش بدوش
دیکھ کر مجھ کو، پڑا خواب میں غفلت کے خموش
جاتے ہی در پہ گرا پیرِ مغاں کے مدہوش
آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش
گفت "بیدار شو اے رہرو خواب آلودہ"

جب میں جاگا تو کہا اس سے بہ شیریں سخنی
دور کر دل سے یہ غفلت جو ہے خوباں کی جنی
یعنے ہے جان تری عشقِ مجازی کی بھنی[1]
در ہوائے لب شیریں دہناں چند گنی
جوہرِ روح بیاقوت مذاب آلودہ

اے ہوس ناک یہ ہے میکدۂ قدس مقام
تو بھی وہ مے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام
پہلے مشتانِ ازل کرتے ہیں یاں شرب مدام
شست شوئے کن و آنگہ بخرابات خرام
تا نہ گردد ز تو ایں دیر خراب آلودہ

گر تجھے عشق حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق
ایک ادنیٰ سا یہ اس عشق کا نکتہ ہے دقیق
تو تو سیکھ آن کے یاں اہلِ طریقت کا طریق
آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق
غرق گشتند و نہ گشتند بآب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آ کے شنا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرق ریا
یہ تو ہے معدنِ انوار و یقین صدق و صفا
پاک صافی شو و از چاہِ طبیعت بدر آ
کہ صفائی نہ دہد آب تراب آلودہ

[1] عشق کا بالکنا آگ سے استعارہ کیا ہے اور جان کا کباب ہے" شہباز

ہم تو پھرتے ہیں نظیر عشق میں اب خانہ بدوش　　کل عجب طرح کا اک نکتہ ہوا گو ہر گوش
کچھ جو حافظ نے کہا یار سے ہو دوش بدوش　　گفت حافظ بروایں نکتہ بیاران مفروش

آہ! ازیں لطف بانواعِ عتاب آلودہ

خمسہ بر غزل سراج

(۴۶۸)

کھلی جبکہ چشمِ دلِ حزیں تو وہ نم رہا نہ تری رہی　　ہوئی حسرت ایسی کچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
پڑی گوش جاں میں عجب ندا کہ جگر نہ بے جگری رہی　　خبر تحیر عشق سُن نہ جنوں رہا نہ پری رہی

نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بےخبری رہی

ہوئیں کیا ہی دلکو فراغتیں گئی جب سے قید لباس کی　　نہ ہوائے اطلس و گلبدن، نہ تلاشِ بادلہ و زری
کوئی پہنو یا کہ نہ پہنو اب، غرض اسکو جانے بلا مری　　شہ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی

نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کسی وقت مکتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا　　کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی سو اُس علم کا یہ کمال تھا
گیا جبکہ مدرس عشق میں تو اب آگے یار و کہوں میں کیا　　وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا

کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی وہیں دھری رہی

ترے منھ پہ اب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جا کے عیاں ہوا　　اگر آفتاب جمال تھا، تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا
کوئی آگے تیرے نہ آسکا وہ قمر کہ مہر نشاں ہوا　　ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا

کہ نہ آئینے میں جلا رہی، نہ پری کی جلوہ گری رہی

عجب اتفاق ہے خود بخود مرے دل سے عیش نکل گیا　　پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ کہ برنگِ شمع پگھل گیا
اُدھر آہ شعلہ زناں ہوئی ادھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا　　چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا

مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

کرے عشق اب وہ جہاں میں کہ بھوں سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو — نہ کسی کے ڈر سے چھپے کہیں، نہ کسی کے خوف کے دبے رو
اُسے کچھ کسی کی خبر نہیں، ہوا اب تو مثلِ نظیر د د — ترے دردِ عشق میں اے میاں دلِ بینوائے سراج کو

نہ خطر رہا نہ حذر رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

خمسہ بر غزل قدرت

(۴۶۹)

آہ کیس شعلہ رو سے طبع اب مایوس ہے — جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
اور تپِ غم کی تپش چہرے اُپر[1] محسوس ہے — کس کی نیرنگی یہ برقِ شعلۂ فانوس ہے

جو شرر دل سے اُٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے

بزم میں تیری صنم جس دم بچشمِ تر گئے — مر گئے پھر جی اُٹھے، تڑپا کیے، دکھ بھر گئے
دیکھ تیرے عشق میں کیا کیا ہوا اے گھر گئے[2] — صبر اور تسکیں یاں سے کوچ کب کے کر گئے

اب وداع ننگ ہے اور رخصت ناموس ہے

ہمنشیں احوال اپنا کوئی کیا تجھ سے کہے — آدمیت سے گئے، سودا ہوا، رسوا ہوئے
خود بخود یہ دل میں اب خیال اُٹھنے لگے — کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے

کیا ہی ملک روم ہے اور سرزمین روس ہے

جائیے جب واں تو کس راحت سے کیجے زندگی — مثلِ گل کے نزہت و فرحت سے کیجے زندگی
سب طرح سے خرمی حشمت سے کیجے زندگی — گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی

اس طرف آوازِ ڈہل[3] اُدھر صدائے کوس ہے

یہ خیالِ خام اپنے دل میں بندھتے تھے پڑے — کھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر درے[4]
جب زبان دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے — سنتے ہی عبرت پکاری "اک تماشا میں تجھے

چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے

[1] چہرے اُپر - بجائے چہرے کے اوپر - اب متروک ہے ۱۲ آسی - [2] گھر گئے - کلمۂ بد دعا - یعنی اے خانہ برباد ۱۲ - [3] ڈُہل - بضم اول و دوم صحیح ہے - نہ کہ بہ سکون ہا ۱۲ [4] درے سے یہاں مراد دروازے ۱۲ آسی

میں نے جانا لے چلے گی یہ گلستاں کی طرف	یا کنارِ آب یا خرّم[1] بیاباں کی طرف
نہ وہ صحرا لے گئی نہ باغ و بستاں کی طرف	لے گئی یک بارگی گورِ غریباں کی طرف

جس جگہ جانِ تمنّا سو طرح کا یاس ہے

میں جو واں آیا تو اُس جا ڈھیر دیکھے خاک کے	کوئی بے سایہ کہیں سایہ کسی پر کیکر[2] کے
اتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے	مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے

یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت اقلیم دیتے تھے خراج	یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت افلاک سے اُترا تھا تاج
یہ وہ ہے جس کا فرشتہ سے نہ ملتا تھا مزاج	پوچھ تو اُن سے کہ مال و حشمت و دولت و تاج

کچھ بھی اُن کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کر دیا ہے عشق کے غم نے تو بے طاقت تجھے	اس مرض کی بے طرح ملتی ہے اب آفت تجھے
بس یہ کہتا ہے نظیرؔ اب نکتہ حکمت تجھے	گر نہ بخشے شافعِ محشر تری قوت تجھے

اس کی قدرت دیکھ کر حیران جالینوس ہے

خمسہ بر غزل فغاںؔ

(٢٧٠)

دل دیتا ہوں یا رب مجھے الزام نہ ہووے	اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوش زد عام نہ ہووے	ڈرتا ہوں محبت سے مرا نام نہ ہووے

دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

اگر یار مرے قتل کو آیا ہے ترا دل	بہتر ہے، میں حاضر ہوں، ویسے کچھ نہیں حاصل
گر یوں ہی ارادہ ہے تو مت چھوڑیو بسمل	شمشیر کوئی تیز سی لانا، مرے قاتل

ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

[1] خرم سے مراد سبز ۱۲ آسی

[2] کیکر یا کیکرا محاورہ عوام میں ببول کے درخت کو کہتے ہیں۔ ببول کو دارس نے کیکر لکھا ہے مگر منشی سید احمد کیکر کہتے ہیں۔ غالباً کیکر ہی صحیح ہے کیونکہ اسی کی تفہیم ہے شہباز نے کیکر معنی ببول درست ہے۔ نہ کہ کیکرا۔ ایلیا کرا آسی

بھر عمر پھرا اُس کے غم و درد سے نالاں
آخر ہوا میں ہاتھ سے اُس شوخ کے بیجاں
کیا منہ ہے موئے پر بھی اُسے دیکھیے یاراں
آتا ہے مری گور پہ ہمراہ رقیباں
یعنی اسے تربت میں بھی آرام نہ ہووے

پردہ میں ترے غم کا اگر دل سے اُٹھاؤں
اک آہ میں سو برق کے سینے کو جلاؤں
نالہ جو کروں کوہ کو جاگہ سے ہلاؤں
گر صبح کو چاک اپنے گریباں کا دکھاؤں
اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے

اپنا تو نظیر ایک جگر تھا پہ پرو
پائی تھی صبا نے بھی نہ اُس گل کی کبھی بو
لو اُس کو بھی دل دے کے کیا ہم نے بیک سو
جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

اصغر کی عارفانہ غزل کی تضمین

(۴۷۱)

وہ رنگ کہیں لعل بدخشاں میں آیا
نیلم میں کہیں گوہر غلطاں میں آیا
یاقوت میں، الماس میں، مرجان میں آیا
جب حسن ازل پردۂ امکاں میں آیا
بے رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے
موتی میں ہوا آب، ستاروں میں ضیا ہے
تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے
نزدیک ہے وہ سب کے، جہاں اُس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں
کیا باغ و چمن تختہ کا، کیا زیب خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر اک آں
گل بھی وہی، سنبل وہی، نرگس وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستاں میں آیا

کیا ارض و سما، حور و ملک، دیو پری جن — کیا وحشی و طائر نہیں اک دم کوئی اُس بن
ہر رات یہی بات، یہی ذکر ہے ہر چھن[۱] — اول وہی، آخر وہی، ظاہر وہی، باطن
مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

ماٹی سے کہیں خاک کا پُتلا وہ ہوا ہے — یا روح بن اُس خاک کے پُتلے میں گھُسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے — حرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیا ہے
جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

اگر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ — اور حال کہیں کرتا ہے لا منھ کے اُپر جھاگ
جو اُس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ — مُطرب وہی، آواز وہی، ساز وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا جمپئی، کیا پستئی، کیا اخضر و احمر — کیا سوسنی، کیا کشمشی کیا ابیض و اصفر
اب مثل نظیرؔ اس چمن دہر کے اندر — سب رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

خمسہ بر غزل خود

(۴۷۲)

مری بغل میں جو وہ گلعذار ہوتا تھا — نہال عیش کے دل کے چمن میں بوتا تھا
خوشی ہو منھ سے منھ اور لب سے لب لگوتا[۲] تھا — لپٹ لپٹ کے میں اُس گل کے ساتھ سوتا تھا
رقیب صبح کو منھ آنسوؤں سے دھوتا تھا

وہ تھا جو پاس تو کیا کیا خوشی کی راتیں تھیں — کنار و بوس تھے عیش و طرب کی گھاتیں تھیں
مزے کی چٹکیاں چنچل پنے کی باتیں تھیں — تمام رات تھی اور کہنیاں و لاتیں تھیں
نہ سونے دیتا تھا مجھ کو نہ آپ سوتا تھا

۱؎ چھن - لحظہ - ساعت - پل -
۲؎ لانا کے بجائے لاون عوام کی بول چال ہے۔ خواص اس کو جائز نہیں سمجھتے"
اسی

کچھ آگے چاہ نئی کے بھی آہ کیا دن تھے
خوشی سے پیار سے ہنس ہنس کے گفتگو کرتے
کہ دونوں ہر کہیں چھپ چھپ کے بیٹھتے اٹھتے
جو بات ہجر کی آتی تو اپنے دامن سے
وہ آنسو پونچھتا جاتا تھا اور میں روتا تھا

کسی طرح سے نہ تھی راہ دل میں کینے کو
گلے لپٹنے تو کیا کیا رگڑتے سینے کو
نہ جانتے تھے قرینے نہ بے قرینے کو
مسکتی چولی تو لوگوں سے چھپ کے سینے کو
وہ تاگے بٹتا تھا اور میں سوئی پروتا تھا

جو لگتی شوخ کے تلوے میں گدگدی کم کم
مچل کے ہنس کے چھڑاتا قدم کو ہر اک دم
تو چین مروڑ چڑھا ناک اور بھویں کر خم
غرض دکھانے کو آن و ادا کے سو عالم
وہ مجھ سے پاؤں دھلاتا تھا اور میں دھوتا تھا

مرے تو دل سے نہیں بھولتا ہے وہ عالم
گھڑی مچل گھڑی شوخی گھڑی میں دھوم دھپ دھم
کہ جب پلنگ پہ مرے پاس لیٹتا باہم
لٹا کے سینے پہ چنچل کو پیار سے ہر دم
میں گدگداتا تھا ہنس ہنس وہ ضعف کھاتا تھا

نہ ہووے کیونکہ مرا دامن و گریباں تر
تو گرم و سرد کی تکرار نازسے کر کر
کہ پانی مجھ سے منگاتا جو وہ پری پیکر
وہ مجھ پہ پھینکتا پانی کی کلیاں بھر بھر
میں اس کے چھینٹوں سے تو پیرہن بھگوتا تھا

پڑے نہ کیونکہ مجھے کام اشک گلگوں سے
کبھی گلوں سے کبھی ڈالیوں کی چھڑیوں سے
کہ جا کے باغ میں ہم کھیلتے تھے پھولوں سے
نہانے جاتے تو پھر آہ کرتی چھینٹوں سے
وہ غوطے دیتا تھا اور میں اسے ڈبوتا تھا

اٹھے نہ کیونکہ مرے دل سے آہ کا شعلا
کہاں وہ عیش کہاں دل ہے اور کہاں وہ مزا
کہ اس طرح کا ہزار دل میں یار سے ملنا
ہوا نہ تجھ کو خمار آخر ان شرابوں کا
نظیرؔ آہ اسی روز کو میں روتا تھا

مخمس جوشِ جنوں

(۳۷۳)

کروں احوال کا اپنے بیاں کیا تجھ سے میں یارا
مرا جی نقدِ دل جس دن بساطِ عشق میں ہارا
پھرا از بس جو کوہ و دشت میں راتوں کو آوارا
سحر آیا جو ہیں میں کلبۂ احزاں میں بیچارا
وہیں یکبارگی جوشِ جنوں نے دل کو للکارا

کہ بس کیا کر چکا عمر اپنی صرف اے شعلۂ آتش
دیا آیا تری گرمی میں حرف اے شعلۂ آتش
نہیں نالا تو ہے دریائے ژرف اے شعلۂ آتش
پڑا ہے کیا فسردہ مثلِ برف اے شعلۂ آتش
بہار آئی دکھا گر تجھ میں ہے کچھ قوّت و یارا

یہ سنتے ہی بھبوکا ہو گیا دل طیش میں آکر
لیا ایک ایسا چکر، جس طرح پھرتا ہے گھن چکر
کنار و جیب کی سب دھجیاں کر ڈالیں سر تا سر
اُڑا کر گرد مل کر خاک نکلا گھر سے پھر باہر
پڑھا یہ بند اور ہو کر کے نعرہ آہ کا مارا

چناں اکنوں ز خود رفتم، نمی دانم کجا ہستم
برنگِ جاں ز راہِ او گذشتم از کہ پیوستم
زرہ بگرفت اکنوں، ایں زماں شورِ جنوں دستم
ہجومِ محشرم، ہنگامہ ام، دیوانہ ام مستم
نہ از پا می شناسم سر، نمی دانم ز سر پا را

یہ پڑھتے ہی ہوئی پھر تو جنوں کی اور سر سائی
عجب دیوانہ پن کی آکے موج آنکھوں میں لہرائی
جو ہیں دریائے دل نے آکے پھر چلنے کی ٹھہرائی
قضا نے لا دہیں اک اس قدر زنجیر پہنائی
کہ جس کے غل کا پہونچا عرش کے کانوں میں جھنکارا

خدا جانے اُڑا لائی قضا جا کر کہاں سے وہ
زمیں سے نکلی کا فر، یا کہ اُتری آسماں سے وہ
نرالی تھی غرض اے یارو، رندانِ جہاں سے وہ
گھسٹتی دور تک جاتی تھی اس شور و فغاں سے وہ
مگر گرجا زمیں پہ رعد کی نوبت کا نقارا

گریباں چاک، سر عریاں، پریشاں مو، برہنہ پا،
لگا پھرنے جو ہیں شعلہ ہر اک کے گھر میں ہر اک جا
جگر میں شور محشر، اور زباں او پر اہا ہا ہا
محلے میں پڑا غل دوڑیو، چلیو، غضب آیا
دوانہ ہو گیا ہے پہلواں، یارو، جنوں مارا

مچا بیداد و فریاد اس قدر اور الاماں جب اں
تو پھر اس حال سے آخر نکلکر واں سے سرگرداں
کوئی بھاگا کہیں جا کر، ہوا کوئی کہیں پنہاں
گیا اک دیر میں اور واں جو لعبت گر اُٹھے ہاں ہاں
تو نکلا واں سے گھبرا کر بتوں کا باندھ پشتارا

عجب عالم ہوا اُس دم کہیں ہو حق، کہیں ہو ہا
موذن بھاگے اور عابد چھپے حجروں میں اپنے جا
اسی انبوہ سے جا کر پھر اک مسجد کو جا گھیرا
مصلا پھاڑ، شجرے توڑ، لوٹے پھوڑ کر اُس جا
کئی زاہد کچل ڈالے کیا واعظ کا سر پارا

جنوں نے پھر کڑک اور تھر تھرا کر دہاں سے مارے پر
معان و مغبچہ بھاگے شرابی کانپ اُٹھے تھر تھر
تو آ پہونچا اسی عالم میں اک میخانہ کے اوپر
خم و قرابۂ و مینا و ساغر توڑ کر یکسر
زمین میکدہ سب مے سے کردی خون کا گارا

چمن کے دیکھنے کی پھر ہوئی اس جا سے تیاری
ستم یہ دیکھ اک آتش[1] زدی بلبل جو چیکاری
کچل مارے تمامی پھول پھل اور تختۂ و کیاری
تو لی پھر راہ جنگل کی نکل اس طور یکباری
بگولا باد کا، یا برق، یا آتش کا انگارا

فضا دیکھی جو صحرا کی تو زنجیریں تڑا ڈالیں
ہجوم جوش سے ہر کوہ کی کمریں[2] ہلا ڈالیں
بلند و پست میدانوں کی سب گردیں اُڑا ڈالیں
تو پھر اس کوہ و صحرا میں عجب دھومیں مچا ڈالیں
کبھی فرہاد کو گھیرا، کبھی مجنوں کو جا مارا

چلا ایسا ہوا کا آسماں سے آ کے اک بھبھوکا
چڑھا اس جوش سے آنکھوں میں آ کر اشک کا دریا
کہ اس شورِ جنوں کا آہ سب عالم گیا گذرا
کہ لڑیاں بن کے کافر ہر سر مژگاں سے یوں اُچھلا
گویا چھوٹا ہزارا ساونوں اور بھادوں کا فوارا

[1] آتش زدی کی بجائے آتش زدہ فصیح ہے نظیر کے زمانے میں اس کو صحیح مانا جا سکتا ہے مگر اس زمانے کے فصحا اس قسم کی ترکیبیں استعمال نہیں کرتے ایسے ہی یکباری بجائے یک بارگی فصیح نہیں ۱۲ ھ
[2] کمر کوہ = وسط کوہ ۱۲ آسی

گھٹا اُٹھی جنوں کی اور دھواں آہوں کا آگمڈا[1]
تماشا دیکھنے کو اُس گھڑی اک عالم آ اُمڈا
کڑک نالے کی بجلی نے پھر اس عالم کو چمکایا
لگا یوں منہ برسنے ہر طرف لڑکوں کے پتھروں کا
پڑے ہے جیسے جھڑیاں باندھ کر اولوں کا بوچھارا

بڑھا پھر تو جنوں کے جوش کا اس جوش پر ساماں
پڑے تھے اشک کی موجوں سے نالوں کے نشاں اوریاں
جبھی سے کھل گئی شورِ قیامت کی بھی آگرواں
نقیب آہ کہتا تھا بڑھے جانا تک اے یاراں
کوئی پامال ہو جاوے تو پھر اپنا نہیں چارا

زمیں سے آسماں تک بندھ گیا ایسا سماں آکر
دحوش و طیر نکلے کانپ اُٹھے دیوار و در پتھر
ہجومِ خلق سے چلتی تھیں مچی ہو کوٹھے کوٹھے پر
ہوا سناٹے لیتی تھی فلک کو آگیا چکر
تماشا دیکھتی تھیں حوریں ملک کرتے تھے نظارا

عجب دیوانگی نے پھر تو کیں گہری ملاقاتیں
اُڑا اوپر تو کر آیا فلک کے کان میں باتیں
کبھی دائیں کبھی بائیں دکھائیں وہ نہی گھاتیں
کھڑا رہتا تو پڑتی تھیں زمیں کے فرق پر لاتیں
جو چلتا تھا تو پھر پامال تھا گیا سنگ کیا خارا

میاں پھر تو جنوں کے بندھ گئیں وہ اس قدر چھاہیں
جو اسمیں کوچۂ دلدار کی دل کو ہوئیں چاہیں
کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوئے خلقت کے اور بند ہو گئیں راہیں
تو لے بھاگا جنوں واں سے گلے میں ڈال کر باہیں
لے آیا واں کہ تھا جس جا وہ برجِ حسن کا تارا

کیا آ کر جنوں نے دل کا واں یہ غلغلہ برپا
نہ وہ ابنہ رہا نے وہ مزا نے دھوم نے چرچا
کہ بن کر آگ اور خس بس جلایا گھر رقیبوں کا
نظیرؔ آیا جو ہیں پھر ہوش میں تو کہہ کے یہ بولا
کہ آخر ہر کما سے راز دا سے می شود یارا

خمسہ

سب دل میں عزم جس کی چاہت کی چاکری کا
پایا ہے ناز اس نے شوخی میں برتری کا (۴۷۴)

[1] اُگمڈا - یعنی اُمڈ کر پھیل گیا۔ اب نہیں بولا جاتا۔ ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں اُمڈنا کا مترادف گمڈنا بھی ہو۔ اُمڈنا بھی قریب قریب ایسے ہی معنوں میں بولتے ہیں۔ ایسے ہی اس بند میں بوچھار کی بجائے بوچھارا لایا گیا ہے۔ جو حدتِ نظیر کی جدت طبع اور قافیہ کی ضرورت کے لحاظ سے لایا گیا ہے ۱۲ محمد اشرف علی لکھنوی

کیا کیا بیاں ہو اس کی سج دھج ادا ابھری کا — اک پینچے پہ جو اس نے طرہ[1] رکھا زری کا
سورج کی بھولیں کرنیں دعویٰ برابری کا

وہ حسن ہے جو اس پر کب ہو بت چگل[2] میں — کاکل میں طرز خم ہے اچھا نمک ہے تل میں
کیا دور دیکھنے میں کیا طرز متصل میں — جس دن سے حسن چمکا اس کا تو شہر دل میں
کیا کیا پڑا ہے یارو شور اس کی دلبری کا

ہم دیکھتے ہیں جس کے ہر آن رخ کو خوش ہو — چاہت میں اس کی ڈالا خاطر سے رنج سب کھو
آئینہ دیکھ اس کو حسرت زدہ ہے یارو — عارض میں اس صنم کے ہے وہ جھلک کہ جس کو
دیکھے تو ہوش آڑ دے یہ واں میں پری کا

ہیں ناز اس کے چنچل اور ہر نگاہ جادو — آنکھوں سے اس کے ہو وے شرمندہ چشم آہو
گھر سے نکل کے اپنے کرتا نگاہ ہر سو — آیا جو دل کو لینے مجھ سے وہ شوخ گلرو
کیا کیا کہوں میں نقشہ اس دم کی دلبری کا

ہنس کر نگہ لڑائی بے باک ہو کے پہلے — پھر کی حیا کچھ ایسی دل دیکھ جس کو بہلے
زلفیں بھی کھولیں منہ پر کچھ چلبلی ادا سے — کیں میٹھی میٹھی باتیں ایسی نظیر ہنس کے
جس کو مزا نہ پہونچے ہرگز شکر تری کا

مخمسہ

(۴۷۵)

جب اس نے دکھایا بے مجھے مکھڑے کا اجالا — اک دم میں کیا ہوش کے عالم سے نرالا
بالی نے بھی اک جھوک دکھا کر کیا بالا[3] — دل چاہ زنخداں میں تبسم نے جو ڈالا
اس نے یہ بٹھایا اسے جو پھر نہ اچھالا

پھڑکا ہمیں اس شوخ نے الفت میں سمجھ خام — اور یوں کہا کچھ کا نہیں چاہ میں کچھ کام

[1] طرہ یہاں گوٹ کے معنی میں کیا ہے ۱۲ منہ
[2] چگل ایک شہر کا نام ۱۲ منہ
[3] بالا دینا۔ دھوکا دینے کے معنی میں ہے۔ شاید یہاں بالا کرنا اسی معنی میں لایا گیا ہے ۱۲ آسی

کوچے سے نکالا ہمیں ٹھہرائے یہ الزام — مے پی کے جو گرتا ہے تو لیتے ہیں اسے تھام
نظروں سے گرا جو اسے پھر کس نے سنبھالا

ہر لحظہ اسے ہم تو بہت منع تھے کرتے — کہنا جو نہ مانے تو بھلا کیا اسے کہئیے
ایک روز غرض ہو کے نڈر خوف و خطر سے — دل ہو کے دلاور جو گیا سامنے اُس کے
غمزے نے گرایا وہیں اک مار کے بھالا

یہ حال کیا اس کا جو ظالم کی خوشی نے — جب دل کے تئیں آ گئے خجلت کے پسینے
تھے واں جو کھڑے رحم کیا اس پہ سبھی نے — زخمی اسے دیکھا تو کہا مجھ سے کسی نے
تو نے اسے کس واسطے پہلو سے نکالا

وہ جس گھڑی اے یار اُدھر کو گیا یاں سے — چاہا کہ ذرا سامنے اس شوخ کے ٹھہرے
ایک پل نہ لگی واں میاں بسمل اسے کرتے — اب تڑپے ہے مجروح پڑا کوچے میں اسکے
جا تو ہی نظیر اب اُدھر اور اس کو اُٹھا لا

خمسہ دیگر

(۴۷۶)

نگہ کے جام کا کر عزم کچھ ادھر مے لا — خوشی سے بیٹھ بہم نا خوشی کی مت رٹے[لہ] لا
نفا ہوں جس میں ہم ایسی نہ ہر گھڑی شے لا — ہمارے دل کو نہ کر ہر دم اے پری میلا
یہی تو جان کہاں قیس اب کہاں لیلا

ملی ہے صحنِ گلستاں کو بھر کے سر سبزی — چمن چمن میں ہوئی تازگی و شادابی
صدائیں قمری کی ہیں بلبلوں کی چہ چہگی — بہارِ گل کی تو آ پہونچی تو بھی اے ساقی
گلابی مے کی دکھا ساغر پیا پے لا

نثار کاکل مشکیں پہ جس کے ہے سنبل — ادا میں سحر بھرا ہے نگہ میں نشہ مل

لہ رے ریٹ رٹ۔ ضد۔ اشرف علی لکھنوی

کھلا ہے تازہ جو گلشن میں حسن کے وہ گل ۔۔۔ دل اس سے ملنے کو یوں چاہتا ہے جوں بلبل
چمن میں گل سے لپٹتی ہے بال و پر پھیلا

ہیں اس کے ناز و ادا کے کچھ اب تو یہ نقشے ۔۔۔ جدھر کو آتا ہے وہ ہیں کو دل میں عشق ہوتے
عجب ہوا ہے کچھ احوال اپنا کیا کہیے ۔۔۔ وہ اک نگہ جو ادھر کر گیا تو دل جب سے
پکارتا ہے پڑا ہر گھڑی وہی سے لا

ادھر اُدھر جو کوئی گلعذار ہے ملتا ۔۔۔ تو نظریں اس سے لڑا کر یں دل کو دینے لگا
بتوں کے دیکھنے کو پھرتے رہتے ہیں ہر جا ۔۔۔ ہوس تو گرم ہے اب تک بھی کیا ہوا جو کیا
میاں نظیر کو پیری نے برف کا ٹھیلا

مخمس

(۴۷۷)

وقت سحر جو ہم نے اک سیمبر کو دیکھا ۔۔۔ مکھڑے سے اس کے حیران روئے سحر کو دیکھا
چین جبیں سے ہر دم نقش خطر کو دیکھا ۔۔۔ کیا کیا نگہ لڑا کر اس فتنہ گر کو دیکھا
مدت میں آج میں نے دل کے جگر کو دیکھا

بالی کی جھوک کیا کیا ہر آن ہے درخشاں ۔۔۔ اور رنگ پاں ہے ایسا ہو لعل جس پہ قرباں
کیا کیا نزاکت اس کی ہم سے بیاں ہو اب یاں ۔۔۔ شبنم کے پیرہن سے تھے بل پہ بل نمایاں
اس نازکی سے ہم نے اس کی کمر کو دیکھا

آیا نظر جو اس کی آن و ادا کا نقشا ۔۔۔ طرز نگاہ ایسی ہوتا ہے سحر جیسا
جس دم ہنسا وہ گلرو یارو تو کہیے اب کیا ۔۔۔ اُجلا پن اس کے دیکھا دنداں میں ہم نے ایسا
جس کی جھلک سے میلا سلک گہر کو دیکھا

آنکھیں نشیلی ایسی مے ہو وے جس سے حاصل ۔۔۔ نظریں کرے تھیں جادو ابرو کرے تھی بسمل

عجب وہ نگار سرکش تک آگیا مقابل ۔۔۔ نوک مژہ نے اسکی لپ جھپ سے ہوکے شامل
دل کو پرد یا جس دم ہم نے اُدھر کو دیکھا

دیکھی جو یہ تعدی اس دلربا کی اس جا ۔۔۔ کچھ جی سے پھر ہمارے اس وقت بن نہ آیا
جب حال دل کا اس نے پل میں بنایا ایسا ۔۔۔ پوچھا نظیر چھیدا کیوں دل تو ہنس کے بولا
اس کی یہی سزا ہے اُس نے ادھر کو دیکھا

دیگر

(۴۷۸)

اس قد کے آگے تیرا طرز قیام کیا ہے ۔۔۔ مت بھول سرو تیرا واں احترام کیا ہے
زیبائی تیری ایسی لطف التزام کیا ہے ۔۔۔ چلنے میں ناز تجھ کو ہر صبح و شام کیا ہے
اے کبک اس کے آگے تیرا خرام کیا ہے

نازو ادا میں اس کے ہے دلبری فراہم ۔۔۔ اس رخ کے آگے دیکھیں صورت پری کی کیا ہم
بھولے ہے گھر پہونچنا جس کے نشے سے پیہم ۔۔۔ اس چشم کی نگہ کے کیفی کے آگے ہمدم
افیون بھی کیا بلا ہے، مے کا بھی جام کیا ہے

سرخی سے اس کے لب کی کب لعل ہو برابر ۔۔۔ دنداں کو اس کے دیکھے تو منفعل ہو گوہر
ابرو کی تیغ پہ خم نوک مژہ ہے نشتر ۔۔۔ زلف اس صنم کی جس جا ہوتی ہے دام گستر
واں کاکل پری کا اے یار دام کیا ہے

رمزیں نہیں ہیں خالی کچھ اس کے پیچ و خم سے ۔۔۔ بھرتی ہے ناز و شوخی اس کے لگی قدم سے
اک روز دیکھ ہم کو عیاریوں کے دم سے ۔۔۔ لینے کو دل ہمارا پوچھا یہ اس نے ہم سے
کیوں جی بھلا تمھارا کہئے تو نام کیا ہے

جب اس صنم نے ہنس کر ہم سے کہا یہ اس دم ۔۔۔ جاناکہ ہوش ایسے کچھ ہیں یوں ہی سے باہم

اور ہم تو مدتوں سے سمجھے ہیں کمر اور دم | تاڑا تو ہم نے لیکن بولے نظیر یوں ہم
اس پوچھنے سے تم کو اے جان کام کیا ہے

خمسہ دیگر

(۴۷۹)

توسن کے زین پہ جس دم وہ زیب خانہ ہوگا | ہر ناز دل پہ اس کا جوں تازیانہ ہوگا
ہے مجھ میں ہوش جتنا وہ سب روانہ ہوگا | مست مل پری رخوں سے لے دل دوانہ ہوگا
تیر نگہ جھلکیں گے اور تو نشانہ ہوگا

سچ دھج تو اس صنم کی ہوتی ہے دل میں ساکن | پڑتا ہے چین ہم کو کب اس کے دیکھنے بن
رکھتا ہے راہ چلتے کیا کیا قدم وہ گن گن | ایسا ہی حسن اس کا بڑھتا رہا تو اک دن
محبوب دہر ہوگا شوخ زمانہ ہوگا

ہم ہیں اسے بلاتے اور وہ ہے دو رہٹتا | جب دیکھتے ہیں جا کر تو منھ کو ہے چھپاتا
ہاتھوں سے اس کے جس دم کھینچا ستم بہت سا | ہم نے کہا کہ دل کا یہ رنگ ہے تو بولا
گر لکھ رکھو گے اس کو رنگین فسانہ ہوگا

بھر کر نگاہ ہم نے صورت جو اس کی دیکھی | دل نے سرو رپایا جی کو ہوئی تسلی
دیکھ اس کی زلف مشکیں یہ بات ہم نے سوچی | بکھری بلا ہے کاکل جب کیا ستم کرے گی
ٹک تیل پڑ گے اس میں جس وقت شانہ ہوگا

چیٹک[۱] تو دے گیا ہے جا کر ادھر سے ظالم | دل کر گیا ہے کیفی اپنی نظر سے ظالم
آیا نہ کر کے وعدہ اب جو سحر سے ظالم | جب تو لگا کے مہندی نکلا نہ گھر سے ظالم
دیکھیں نظیر اس کا اب کیا بہانہ ہوگا

[۱] چیٹک = دھن لو۔ شوق ۱۲ محمد اشرف علی

خمسۂ دیگر

(۴۸۰)

یار فقط نہ آئینہ دیکھ کے تجھ کو ہے خجل نکلے اگر تو صبحدم مہر بھی ہووے منفعل
شب کو تو آ جو بزم میں بیٹھا ہمارے متصل تیرے بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی مہ سے مل
تاب سے تاب رخ سے رخ نور سے نور ظل سے ظل

دھوم ترے جمال کی سنتے ہی سب پری رخاں اپنے گھروں میں چھپ گئے شرم کے مارے ناگہاں
وصف اب ایسے حسن کا اور کروں میں کیا بیاں یوسف مصری سے میاں ملتے ہیں تیرے سب نشاں
چشم سے چشم لب سے لب زلف سے زلف تل سے تل

چاک ہے گل کا پیرہن مرنے سے عندلیب کے پرزے کتاں کے اڑ گئے ماہ کے دل میں داغ دے
شمع جلی جو رات کو ساتھ پتنگ بھی جلے جلتے ہیں کشتگان عشق ان کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک نم سے نم خون سے خون گل سے گل

قیس بھی اپنے عشق میں زور ہی نام کر گیا مرنے کی جس کے تعزیت کرتے ہیں دشت خاک اڑا
جان گئی تو کیا ہوا عشق میں شرط ہے وفا جب سے موا ہے کوہکن کہتے ہیں اسکا غم سدا
کوہ سے کوہ جو سے جو سنگ سے سنگ سل سے سل

ہجر میں ایک عمر سے ہم بھی جو بیقرار تھے کون سے درد و غم ہوئے آہ جو وہ نہیں سہے
شکر ہے بارے یک بیک بعد صد انتظار کے یار ملا جو آ نظیر میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم جاں سے جاں روح سے روح دل سے دل

خمسہ دیگر

(۹۸۱)

دیتا ہے وہ انداز ترے کان کا بالا
دیکھے تو وہیں ہو مہِ نو آن کے ہالا
ہر دلبر گلرو سے ترا ناز ہے بالا
مکھڑے کو ترے دیکھ کے رشک گل لالا
پھولے ہے پڑا دل میں ترا چاہنے والا

لب لعل، دہن غنچہ، بدن سیم، جبیں ماہ
یاد آتی ہے دیکھے سے ترے قدرت اللہ
قامت کو ترے دیکھ یہ کہتے ہیں دل آگاہ
عالم کے چمن ساز نے یہ سرو کیا واہ
خوبی کے گلستاں میں عجب شان سے بالا

ہے آج ترے حسن کی وہ شان و تجمل
انسان تو کیا حور و ملک میں ہے بڑا غل
نازک بدناں ہو کے ترے عشق میں بلبل
سب تن کو ترے دیکھ یہی کہتے ہیں اے گل
اللہ نے کس نور کا یہ عطر نکالا

چہرے سے جو اے جان تو پردے کو اُٹھاوے
خورشید بھی ذرہ ہو ترے سامنے آوے
ہر جیس ترے دیکھنے کی تاب نہ لاوے
مہتاب بھی منہ رشک سے ہالے میں چھپاوے
دیکھے اگر اک دم ترے مکھڑے کا اُجالا

تو حُسن کے عالم میں وہ ہے اے شہ خوباں
محبوب ترے دیکھنے کا رکھتے ہیں ارماں
آئینہ تجھے دیکھ کے رہ جاتا ہے حیراں
دنیا میں جسے کہتے ہیں سب مل کے پرستاں
واں بھی ترے عالم نے بڑا شور ہے ڈالا

کیا کیا میں کہوں وصف ترے ناز و ادا کا
میں نے تو کوئی نازنیں ایسا نہیں دیکھا
یک شمہ یہ اس ناز و ادا کا ہے اہاہا
دل طور تغافل سے جوں ہی گرنے پہ آیا
جھپ اس کو تری طرز تبسم نے سنبھالا

وہ دل کہ بہت طالع ہیں یاں جس کے مددگار
ہوتا ہے وہ اے جاں تری کاکل میں گرفتار
رکھ دھیان عنایت پہ ترے حسن کی ہر بار
مشتاق نظر اک نگہ لطف کا ہے یار
اس کو بھی پلا دے کبھی اس مے کا پیالا

خمسہ دیگر

(۴۸۲)

دل کے دینے پر یہ کہیئے ہو ویں ہم مغرور کیا
اور وفا اپنی دکھا کر ہوویں ہم مسرور کیا
کثرت حسن اس صنم کے ہو سکیں مذکور کیا
لاوے خاطر میں ہمارے دل کو وہ منظور کیا
جس کے آگے مہر کیا، مہ کیا، پری کیا، حور کیا

چاہ تو کی ہے تمہاری ہم نے دیکر دل کو یاں
پر نہیں طرزوں سے واقف اسکی ابتک اے میاں
ہم ابھی چاہت کے کوچے میں ہیں جو نو وار داں
دل نیا ہم نے لگایا ہے بتادو مہرباں
اس کی ہے رہ کیا، روش کیا، رسم کیا، دستور کیا

ہے یہی لازم کہ اس کی چاہ کا ہم دم بھریں
خوش رہیں یا اشک سے ہر آن آنکھوں کو بھریں
کچھ فریب و فن کے اوپر دھیان کیا اپنا دھریں
یاد ہوں عیاریاں جس کو بہت ہم کیا کریں
اس کے آگے مکر کیا، چھل کیا، فسوں کیا، زور کیا

دلبروں میں وہ صنم ایسا ہے سرکش تند خو
کھینچے ہے ابرو کی تیغ اس پر اسے دیکھے ہے جو
ٹھان کر ہم نے یہ دل میں آج ہونی ہے سو ہو
یوں کہا ہم لیں گے بوسہ اب تو چھو کر زلف کو
بولا منہ کیا، دسگہ کیا، تاب کیا مقدور کیا

دل ہوا جس روز سے اس گل کے سنبل میں اسیر
الفت و مہر اس کی ہے اس کے نہایت دلپذیر
کیا ہوا گر وہ ہمیں رکھتا ہے نظروں میں حقیر
ہم کو چاہت ایک سی ہے اس پر پروسے نظیر
روبرو کیا، در قفا کیا، متصل کیا، دور کیا

خمسہ دیگر

(۴۸۳)

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی مہندی — کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ ظاہر میں ہری مہندی
کرے خونیں دلوں سے کیوں نہ ہر دم ہمسری مہندی — کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی پسی، مہندی
جب اتنے دکھ سہے جب اسکے ہاتھوں میں لگی مہندی

حنا کی مچھلیاں اس کے کف رنگیں میں جو دیکھیں — نگہ میں آن کر اس دم عجب رنگینیاں جھمکیں
کہوں کیا کیا میں ان مہندی بھرے ہاتھوں کی اب زیبیں — شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں رنگ میں سرخی میں کچھ ایسی ہی تھی مہندی

ہتیلی چاندی ہو جن کی اور ناخن ستارے ہوں — وہ پتلی انگلیاں جن سے نزاکت کے سہارے ہوں
طلائی نقرئی ہیروں کے چھلوں کے کرارے ہوں — جو گورے گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور انکا ہے جی مہندی

وہ پہونچے جن میں پہونچی سو نیاز و عجز سے پہونچی — اور ان پوروں کے ملنے سے بڑھی ہے شان چھلوں کی
عجب تم بھیگتی ہو اور عبث تھرّے ہو پستی — کف نازک پر اس کے تو ہے اصلی رنگ کی سرخی
تمھاری دال یاں گلتی نہیں سنتی ہو بی مہندی

جو دیکھا میں نے ان مہندی بھرے ہاتھوں کا ہل جانا — انگوٹھی بانک[1] چھلے آرسی کا پھر نظر آنا
مرا دل ہو گیا اس شمع رو چنچل کا پروانا — بھلا کیونکر نہ ہوں یارو میں اس کو دیکھ دیوانا
کہ ہو دیں جس پری رو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

یکایک دیکھ کر مجھ کو وہ چنچل نازنیں بھرمی — ادھر میں نے بھی دیکھا خوب اسکو کر کے بے شرمی
کہوں کیا کیا میں اسکی اب نزاکت واہ اور نرمی — ہوئی یاں تک اسے میری نگاہ گرم کی گرمی
کہ دست و پا میں اسکے دیر تک مسلی گئی مہندی

[1] بانک - ایک قسم کے چھلے کا نام ہے ۱۲ اشرف علی

کہاں تلک گلعذاروں کے بھی ہاتھوں کو رسائی ہے
کہ جن کے واسطے اللہ نے مہندی بنائی ہے
یہ سرخی لعل نے نے پنجۂ مرجاں نے پائی ہے
نظیرؔ اس گلبدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارکباد، اچھا، واہ وا خاصی رچی مہندی

خمسہ دیگر

۴۸۴

جہاں میں ہم سے جو یہ غم رہے رہے نہ رہے
سرور و عیش سے باہم رہے، رہے نہ رہے
جو یاں بہت رہے یا کم رہے، رہے نہ رہے
ہم اشک غم ہیں اگر تھم رہے رہے نہ رہے
مژہ پہ آن کے ٹک جم رہے رہے نہ رہے

نہ زیب کعبہ نہ دیر و مغاں کی رونق ہیں
نہ حسن دشت ہیں نے گلستاں کی رونق ہیں
کوئی کہے تو بھلا ہم کہاں کی رونق ہیں
رہیں وہ شخص جو بزم جہاں کی رونق ہیں
ہمارا کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے

کسی کی سن کے زبانی مرا یہ حال تباہ
چلا ہے گھر سے مجھے دیکھنے وہ حسن پناہ
ہزار درد سے بھاری ہے اب یہ غم واللہ
مجھے ہے نزع میں آتا وہ دیکھنے اب آہ
کہ اس کے آنے تلک دم رہے رہے نہ رہے

ہم اپنے غم کو بھلا کس طرح کریں اظہار
کہ عمر اپنی تو ٹھہری ہے آ کے مثل شرار
کس آرزو پہ بھلا دیویں اپنے دل کو قرار
بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے

میاں ہماری تو آنکھوں میں دم ہے بر سر راہ
یہ آرزو ہے تمھیں دیکھ لیویں بھر کے نگاہ
ہمارا وقت تو رخصت کا آ لگا اب آہ
ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بنوک گیاہ
مثال قطرۂ شبنم رہے رہے نہ رہے

بتوں کے عشق میں جینے سے ہاتھ دھو لیجئے
جو صبر و ہوش کو کھونا ہے اب سو کھو لیجئے
ادا و ناز پہ ان کے نثار ہو لیجئے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجئے
کہ کل یہ دیدۂ پرنم رہے رہے نہ رہے

جفا و جور میاں تم نے ہم پہ جو کچھ کی
ہزار بات کی اک بات ہے پر سن لو جی
یقیں ہے تم کو کہ ہم نے وہ سب خوشی سے سہی
تمہارے غم میں غرض ہم تو دے چکے ہیں جی
بلا سے تم کو بھی اب غم رہے رہے نہ رہے

تمہاری بزم میں اس وقت ہم جو حاضر ہیں
ہم اپنے کام میں اے یار، یار شاطر ہیں
نہ جانیو کہ ہمارے یہ بار خاطر ہیں
یہی سمجھ تو ہمیں تم کہ اک مسافر ہیں
جو چلتے چلتے کہیں تھم رہے رہے نہ رہے

ہوس ہے اب تو یہی نقد دل تلک دیجیے
بھرا ہے شوق بہت دل میں آہ کیا کیجے
شراب عیش کی خوباں میں بیٹھ کر پیجے
نظیر آج بھی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

دیگر

(۴۸۵)

اب تو ہر شوخ پری وش نے سنبھالا بالا
سب کے بالوں سے تمہارا ہے نرالا بالا
ہر کہیں زور دکھاتا ہے اجالا بالا
تم نے جس دن سے صنم کان میں ڈالا بالا
ہو گیا چاند سے رخسار کا بالا بالا

آئی وہ شوخ جو کل ناز و ادا سے اس جا
پھرتیاں اس کے میں غمزوں کی کہوں اب کیا کیا
تھی وہ سج دھج کہ پری دیکھ کے ہو جائے فدا
نوک مژگاں کو خبر ہونے نہ دی آہ ذرا
دل کو یوں اس کی نگہ لے گئی بالا بالا

چال چلتی ہے عجب آن سے وہ ناز بھری — ہر قدم پہ مرے سینے میں ہے ٹھوکر لگتی
مستیاں وادیں کیا کیا کہوں اس جوبن کی — جب ہلاتی ہے صراحی سی وہ گردن اپنی
نشۂ حسن کو کرتا ہے دوبالا بالا

اس کی پلکوں کی جو لگتی ہے مرے دل میں نوک — اے دل اس شوخ کے تو بالے سے جوبن کو نہ ٹوک
آہ سینے میں کروں اپنے میں کس کس کی روک — ایک تو قہر ہے کانوں میں کرن پھول کی جھوک[۱]
تس[۲] پہ کافر ہے جگر چھیدنے والا بالا

بالے بھڑکاوے کے انداز بھی کرتے کیا کیا — جز خجل ہونے کے کچھ جی سے نہ بن آتا تھا
یہ جو ہر جھوک میں ہے اپنی جھلک دکھلاتا — اے دل اس بالے کی ہرگز تو لگاوٹ پہ نہ جا
تجھ کو بتلاوے گا بالی یہ یہ بالا بالا

جب وہ بن ٹھن کے نکلتے ہیں بنا حسن کی شان — اس کی ہر آن پہ ہوئی ہے فدا میری جان
طرز چتون کی لگاوٹ میں دکھا سحر نشان — وہ بھی کیا آن کا ڈھب ہے کہ دکھاتا ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے دو شالا بالا

ہو گیا جب سے دل اس شوخ کے بالے میں اسیر — کوئی بن آتی نہیں وصل کی اس کے تدبیر
یاں تک اس بالے نے کی ہر مرے جی میں تاثیر — اب تو رہ رہ کے مرا دل یہی کہتا ہے نظیر
اک نظر چل کے مجھے اس کا دکھا لا بالا

خمسۂ دیگر

(۴۸۶)

پھر دنیا کس قدر بے جام مے مستانہ تھا — خوش معاشی کے لیے مشتاق پیتا بانہ تھا
شمع بزم عیش و عشرت کا بجاں پروانہ تھا — یہ دل ناداں ہمارا بھی عجب دیوانہ تھا

[۱] جھوک کر جنبش۔ لچک۔ دھکا۔ ہچکولا ۱۲
[۲] تس۔ اب متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اس کو اپنا گھر یہ سمجھا تھا جو مہمان خانہ تھا

رات دن تھا محو ربط و اختلاط دوستاں — کچھ وفا اور بیوفائی کا نہ رکھتا تھا گمان
اس کی نادانی و کم فہمی کروں کیا کیا بیاں — تھے جو بیگانے یگانے ان کو گنتا تھا بجاں
اس قدر غفلت میں عقل و ہوش سے بیگانہ تھا

ہے طلسم پُر عجائب عالم ظاہر سمات — جس کا رخ آیا ادھر بازی ہوئی پھر اسکی مات
راستی پوچھو تو ہے سو بات کی یہ ایک بات — سے لیا معنی کو اور صورت کو جانا بے ثبات
غور سے دیکھا تو عالم میں وہی فرزانہ تھا

فی المثل پہونچے بہم یاں درہم و دینار و دام — یا بسر داروز و شب یا انتعاش[1] صبح و شام
یہ نہیں وہ مے جو ٹھہرے ایک ساغر میں مدام — کیا غم اس اسباب ظاہر کا نہ ہو جس کو قیام
چشم معنی بیں میں یکساں ہے اگر تھا یا نہ تھا

جائے عشرت کیا جہاں ہووے تبدل ہر زماں — یعنی جو ثروت تھی یاں سو آج پہونچی جا کے واں
فکر سے دیکھا تو کیا تنبیہ ہے اے دوستاں — کہتے ہیں عہد سلف میں تھا کوئی ایسا مکاں
قطعۂ خلد اس کا ایک اک کنج اور کاشانہ تھا

رفعت اس کے بام کی بام فلک سے تھی دوچار — منظر[2] بھی حسن و خوبی میں تھیں یکسر آشکار
ہر مکاں اس کا مرصّع اور مطلّا[3] استوار — پر صفا و پر ضیا و پر نگار و پر بہار
زیب سے سو سو طرح اس میں جو شلغ اور شلنہ تھا

ساکن اس کے عیش کے رکھتے تھے کیا کیا کچھ ورود — گر رہے تھے سو تماشے خوش دلی کے زود زود
بج رہے تھے جا بجا قانون[4] و بین و چنگ و عود — لحظہ لحظہ عیش و عشرت دمبدم رقص و سرود
گریۂ مینا و یکسر خندۂ پیمانہ تھا

کچھ نہ رکھتے تھے بغیر عیش و طرب کے دل میں یاد — تھے مہیا سب طرح خاطر کے مقصود و مراد
سیر کرنے کو بہ ہنگام مسا یا بامداد — مالک اس کا جب و دہشت بام پر پھرتا تھا شاد

---

[1] انتعاش کے معنے بلند ہونے اور اٹھنے کے ہیں مگر اہل فارس عیش و نشاط کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۱۲
[2] منظر۔ اب مذکر بولتے ہیں ۱۲
[3] طلا لفظ فارسی ہے مطلا بقاعدہ اہل فارسی دانوں کا تراشا ہوا لفظ ہے جیسے مُلتب ۱۲
[4] قانون ایک باجے کا نام ہے ۱۲ محمد اشرف علی

کیا کہوں کیا کیا اسے ناز سرافرازانہ تھا

عشرتیں کرتا تھا واں ہردم وہ کس کس طور سے
ہرگز اندیشہ نہ تھا کچھ آسماں کے جور سے
یہ تبدل سوچیو اے دوستو ٹک غور سے
تھا جہاں یہ کچھ عیاں واں انقلاب دور سے
ایک مژہ برہم زدں میں کچھ نہ تھا ویرانہ تھا

ہو جہاں یہ شکل واں باقی رہے کیا ہوش میں
سرد کیوں آجاوے نہ کیونکر بھرا ہو جوش میں
اس طرح سے دل تحیر کے نہ ہو آغوش میں
واں طنین[1] پشہ کس آوے نہ ہرگز گوش میں
جس جگہ شور قیامت ساز نوبت خانہ تھا

کیوں نہ ہو عقل و خرد کی عالم حیرت میں راہ
ایسے ایسے جب یہ تبدیلات آجاویں نگاہ
خطفہ[2] برق ان کو گنئے یا شرارہ اب کہیے آہ
واں نظر آیا نہ ہرگز پارہ سنگ سیاہ
جس جگہ لعل و گہر سے یہ جواہر خانہ تھا

جس گھڑی اسباب دنیا اس قدر ہوں بیوفا
پھر دل آگاہ کو کیا اعتماد اس کا بھلا
بے بقائی اس کی جو جو کہیے وہ سب ہے بجا
خوب جو دیکھا نظیر ان رفتگاں کا ماجرا
بہر خوف و عبرت آیندگاں افسانہ تھا

(۴۸۵)

خمسۂ دیگر

کیا تو نے حال اس سے مرے درد کا کہا
اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا
رنج فراق کچھ نہ کہا تو نے یا کہا
قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا
حرف عتاب یا سخن دل کشا کہا

آتا ہے ہول اب تو مرے دل میں ہو بہو
صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو

[1] طنین بھنبھاہٹ کی آواز اشرف علی
[2] خطفہ بجلی کی چمک۔ بجلی کا گرنا ۱۲ اشرف علی

جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے روبرو
تجھ کو قسم ہے کچھ نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کیو وہی جو اُس نے مجھے برملا کہا

میں تو کمال ہجر میں ہوں اُس کے بیقرار
دن رات اُس کے آنے کا رکھتا ہوں انتظار
جلدی سُنا مجھے جو ہوا تجھ پہ آشکار
قاصد نے جب تو سن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا

اتھا ہوا مرا عرق شرم سے بیچ نم
سُنتا رہا میں اُس نے کہا جو جو بیش و کم
غصے کی باتیں کہہ چکا جب مجھ سے وہ صنم
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجھلا کے دمبدم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

سرنامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پر عتاب
اور یہ کہا کہ جا یہی خط کا تھا جواب
اس کا مزا چکھاؤں گا جا کر اسے شتاب
رہ رہ اسی سخن کے تئیں بار بار کہا

میرے جو ہوش سنتے ہی اس بات کے اُڑے
گھبرا کے جلد میں نے قدم راہ میں رکھے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے
میری تو کچھ خطا نہیں تو ہی سمجھ اسے
بیجا کہا یہ اُس نے تجھے یا بجا کہا

تجھ پر تو اُس نگار کی خو بو تھی سب عیاں
کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا درد دل بیاں
اب اُن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُسکو خط میاں
لیکن نظیرؔ تو نے نہ مانا مرا کہا

(۴۸۸)

دیگر

خدا جہاں کا گر اُس صنم کو کبھی مدار الہام کرتا
تو اک نظارے میں وہ ستمگار کام سب کا تمام کرتا

نہ کوئی جیتا نہ کوئی رہتا جو اپنی ضد کا وہ کام کرتا ۔ بتوں کی مجلس میں شب کو ہر وجواد رشک بھی قیام کرتا

کنشت ویران صنم کو بندہ برہمنوں کو غلام کرتا

فلک نے اپنی تمام خلقت میں مجھکو تجھکو کیا نرالا ۔ نہ مجھ سا عاشق نہ تجھ سا معشوق میں نے عالم کو دیکھ ڈالا

غریب حیران اسیر گریاں نہ جی میں طاقت نہ دل میں نالا ۔ خراب خستہ سمجھ کے تو نے پیارے مجھ کو عبث نکالا

جو رہنے دیتا تو گل رخوں میں قسم ہے تیری میں نام کرتا

جہاں کی وسعت میں صور پھنکتا اندھیر ہوتا تمام دوراں ۔ درخت اکھڑتے ستارے گرتے لرزتی زمیں فرشتے ترساں

زمیں الٹتی سپہر گرتا پہاڑ اڑتے روئی سے یکساں ۔ کروڑوں دل جو مرے پڑے ہیں نکلتے خونیں کفن سے نالاں

قیامت ہو جاتی جو وہ قامت گلی میں اپنی خرام کرتا

یکایک آکر بہ مضطرابی ملا جو مجھ سے وہ ماہ پیکر ۔ کہا کہ خوب ہی لگا ہے جھگڑا کہا رقیبوں سے میں نے جا کر

ہوا اب وہ دشمن ہیں ان کا خونی کہا یہ میں نے کہ اے ستم گر ۔ نہ اتنے قصے نہ جنگ ہوتے پیارے تیرے ملاپ اوپر

رقیب آپ ہی سے زہر کھاتے جو وصل کا تو پیام کرتا

ذرا بھووں کی اشارتوں سے اگل جو پڑتے مژہ کے خنجر ۔ تڑپتے لاکھوں بہ ناگ بسمل خوشی سے ہو کر شہید اکبر

نہ باغ بچتا نہ باغباں سب یہ حال ہوتا پھر اس دم آکر ۔ وہ سرو قامت جو مسکرا کر چمن میں جاتا جو مسکرا کر

تڑپتی بلبل سسکتی قمری گلوں پہ ہنسنا حرام کرتا

ہماری جانب سے منہ چھپا کر جو بیٹھا مجلس میں آن کر تو ۔ حواس و ہوش و قرار اپنے تو وہیں اڑ گئے ہوا پہ ہر سو

رہا تھا جی باقی ایک نالاں سو وہ بھی اٹکا تھا آکے جوں مو ۔ بھلا ہوا جو نقاب تو نے اٹھایا چہرے سے اے پری رو

وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر نگہ میں آکر مقام کرتا

کیا ہی کاکل کی فوج نے تو ہمارے دل پر ادھر کو شبخوں ۔ ادھر سے چہرے کی ہی چڑھائی عجب میں لیل و نہار میں ہوں

غلط نہ جانو اب اسکو یارو قسم ہے تم سے میں راست کہہ دوں ۔ جو زلفیں مکھڑے پہ کھولتا تیا صنم ہمارا تو پھر یہ گردوں

نہ دن دکھاتا نہ شب بناتا نہ صبح لاتا نہ شام کرتا

عجب مزہ تھا جو میکدے میں ہوئے تھے بادہ پرست بیخود ۔ رفیقوں اور یہ نشے سے بزم صنم کے چلتے تھے دست بیخود

ہر اک پڑا تھا سرہانے خم کے کرے تھا ہر یک حسبت بخود
وہ بزم اپنی تھی میخوری کی فرشتے ہو جائے مست بیخود
جو شیخ جی واں سے بچ کے آتے تو چھد میاں کو سلام کرتا

ہمارے حق میں جو تیرے آگے ہر ایک بختے سے جن رہا ہے
تنے سے جسکے فلک بھی ظالم سر اپنا ہر دم سے دھن رہا ہے
ترا سبب ہے جو یہ سے ہو اگرچہ سن کر کے سن رہا ہے
نظیر تیری اشارتوں سے یہ باتیں غیروں کی سن رہا ہے
دگر نہ کس میں تھی تاب و طاقت جو تجھ سے آکر کلام کرتا

(۹۴)

خمسہ

ثمر خجل ہوا خون کی جھلک نہ دیکھ سکا
سنہرے رنگ کی کندن ڈلک نہ دیکھ سکا
گہر بھی لب کے سخن کی ڈھلک نہ دیکھ سکا
ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا
کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا

ترے الم میں نہ ہو دخل سو کدورت کو
نہ ہمسری ہو کبھی صاف سے کدورت کو
ملاپ تجھ سے کہاں آب و گل کی مورت کو
تو وہ ہے نور سراپا کہ تیری صورت کو
بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا

غم فراق میں جینے سے ہم جو اکتائے
ندان یار کے کوچے میں جا کے کام آئے
تو واں بھی ذرے ہمارے ہوا نے اڑائے
گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے
ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

ہوا ہوں سوکھ کے کانٹا میں ہجر میں رو رو
نہ بال اور نہ کمر اب مرے مقابل ہو
کمال ضعف کا اپنے کہوں میں کیا یارو
یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو
تو صورت اس کی اٹھا بھی پلک نہ دیکھ سکا

پڑا ہے آہ مجھے جب سے شوخ سے پالا
لگا لگا کے نگاہوں کا تیر اور بھالا
نہ جی کو چین ہوا اور نہ دل نے سکھ پایا
گھڑی تو دل کو پرویا گھڑی جگر چھیدا
کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

ابھی تو آہ خموں میں شراب ہے باقی
ہماری بار کو ظالم بعین مشتاقی
سبھوں کے عیش کی باں ہو رہی ہے بیباقی
لگا گھٹانے جواب ہے کو دم بدم ساقی
ہمارے جام کی شاید چھلک نہ دیکھ سکا

کبھی ادھر کو جو قاصد ترا گذر ہووے
تو آہ بھر کے یہ کہیو تو اس پری رو سے
دیا کہ راہ میں جاتے کہیں وہ مجھ سے لے
نظیر تم سے نہ ہوتا کبھی جدا پیارے
پہ کیا کرے کہ وہ کافر فلک نہ دیکھ سکا

(۴۹۰)

خمسہ دیگر

تنہا نہ منہ کو دیکھ جگر گل کا پھٹ گیا
قاصد تو بات کہتے ہی بس گھر کو سٹ گیا
قد کی بھی شان دیکھ کے ہر سرو کٹ گیا
جب میں سنا کہ یار کا دل مجھ سے ہٹ گیا
سنتے ہی اس کے میرا کلیجہ الٹ گیا

لائے ہو کیوں طبیب کو تم میرے پاس آج
پوچھو نہ مجھ سے ہر گھڑی تم صحت مزاج
یارو کہیں بھی عشق کی دارو کا ہے رواج
میں عشق کا جلا ہوں، مرا کچھ نہیں علاج
وہ پیڑ کیا ہرا ہو جو جڑ سے اکھٹ گیا

اس عاشقی کے ہاتھ سے مرنے کے ہوں قریب
مت پوچھ حال دل کا مرے آ گے اے طبیب
قسمت میں عاشقوں کی سدا دکھ ہی ہے نصیب
فرہاد تھا تو شیریں کے غم میں موا غریب

لٹ سٹ گیا شاید
سٹک گیا کی جگہ
استعمال کیا ہے ۱۲
اشرف علی

لیلیٰ کے غم میں آن کے مجنوں بھی لٹ گیا

مجھ کو تو یارو حسن پرستی کا ہے مزا
میں تو اُسی کو دوست سمجھتا ہوں واہ وا
خوباں کا دیکھنا ہی مرے دل کی ہے دوا
اتنا کوئی کہے کہ دوانے پڑا ہے کیا
جا دیکھ ابھی اُدھر کوئی پریوں کا غٹ گیا

اُس شوخ کی نگہ میں دغا، آن میں فسوں
قزاقی اُس کے حُسن کی کیا کیا بیاں کروں
کب تک میں اُس کے ہاتھ سے بچتا ہوا پھروں
چھینا تھا دل کو چشم نے لیکن میں کیا کروں
اوپر ہی اوپر اُس صف مژگاں میں پٹ گیا

وہ شوخ تو کرے ہے دغا آنکھوں آنکھوں میں
جادوگری ہے کرتا ہوا آنکھوں آنکھوں میں
لیتا ہے دل نگہ سے پرا آنکھوں آنکھوں میں
کیا کھیلتا ہے نٹ کی کلا آنکھوں آنکھوں میں
دل صاف لے لیا ہے جو پوچھا تو نٹ گیا

انگیا کے حسن کی جو نظر آگئی بھڑک
سورج کی اب چمک کہوں بجلی کی یا چمک
اک آگ دل کے بیچ گئی اُس گھڑی بھڑک
آنکھوں میں میری صبح قیامت گئی جھمک
سینے سے اُس پری کے جو پردہ اُلٹ گیا

اک دن کہیں وہ سیر کو نکلی تھی مہ جبیں
یہ کیا ہوا ہے مجھ سے جو تو بولتی نہیں
کی عرض اُس سے میں نے کہ اے میری دلنشیں
سن کر لگی یہ کہنے وہ عیار نازنیں
کیا بولیں چل ہمارا تو دل تجھ سے پھٹ گیا

مجھ کو تو اُس کے روٹھنے کا کچھ نہ تھا دھیان
ہاتھوں کو جوڑ چشم سے آنسو کو کر رواں
یہ بات سُن میں رہ گیا حسرت سے نیم جان
جب میں نے اُس صنم سے کہا کیا سبب ہے جان
اخلاص ہم سے کم ہوا اور پیار گھٹ گیا

ایسا تو اب غضب نہ کرو یار دل ربا
میں جانتا نہیں ہوں تمہیں مجھ کو دو بتا
کس بات سے ہوا ہے مزاج آپ کا خفا
ایسی وہ بھاری مجھ سے ہوئی کون سی خطا

جس سے یہ دل اُداس ہوا جی اُچٹ گیا

میں تو تمھارے پیار سے جیتا ہوں ناتواں | دیکھے سے تم کو جان میں آتی ہے میرے جاں
اُس دم جو تم خفا ہو تو میں کیا کروں بیاں | آنکھیں تمھاری کیا پھریں اس وقت میری جاں

سچ پوچھیے تو مجھ سے زمانہ اُلٹ گیا

تم پر تو میں نثار سدا صبح و شام ہوں | تم آب زندگی ہو تو میں تشنہ کام ہوں
ہر دم تمھاری چاہ کا دل سے غلام ہوں | عشاق جاں نثار دل میں میں تو امام ہوں

یہ کہہ کے میں تو اُس کے گلے سے لپٹ گیا

یہ جو جھمیلا اُس سے ہوا آکے یک بیک | بالا سا وہ جگر وہیں اُس کا گیا دھڑک
جوں جوں میں لپٹا اُس سے وہ بولا کہ چل سرک | کتنا ہی اُس نے تن کو چھڑایا پھڑک پھڑک

پر میں بھی قینچی باندھ کے ایسا چمٹ گیا

کشتی سی پھر تو ہونے لگی آکے یک دگر | بازو چھڑائے اُس نے تو جا پکڑی میں کمر
وہ کھینچے مجھ کو میں اُسے کھینچوں تھا اسپر | یہ کشمکش ہوئی کہ گریباں میرا اُدھر

ٹکڑے ہوا اور اُس کا دوپٹہ بھی پھٹ گیا

اُس نے بھی میری ہنسد سے گریباں لیا تھا چیر | میں نے بھی اُس کی کرتی کی پھاڑی کئی دھجیر[1]
پھر تو وہ ہنس کے میرے گلے لگ گئی شریر | آخر اُسی بہانے ملا یار سے نظیرؔ

کپڑے بلا سے پھٹ گئے سودا تو پٹ گیا

(۴۹۱)

خمسہ دیگر

تھا وصل کا جس طور نشہ دل میں دوبالا | ویسا ہی فلک نے یہ خلل ہجر کا ڈالا

[1] دہجیر یعنی دھجی عام طور سے یہ لفظ مستعمل نہیں۔ صرف نظیر کی ایجاد و اختراع ہے۔ اشرف علی لکھنوی

کیونکر نہ بہے چشم سے اب اشک کا نالا — پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا

اے داغ مبارک ہو تجھے منصب والا

قصّے کو میرے سامنے ہرگز نہ بچھانو — اثبات جو کرتا ہے تو اس بات کو چھانو
یہ جھوٹ نہیں تم اسے مانو کہ نہ مانو — شیریں کے در اوپر یہ جو ہے شیر نہ جانو

فرہاد کے لوہو کا جھلکتا ہے یہ نالا

بھر عمر کبھی ہم سے ہوا اکٹھا نہ جدا اود — کل اس کے تئیں لے گیا اک شوخ جفا جو
جیتا ہے خدا جانے او یا مر گیا رو رو — کیا جانے وہ کس حال میں ہووے گا عزیزو

دل آج سر اسلمہ اللہ تعالےٰ

ہے گرچہ لڑکپن میں ابھی شوخ وہ مشہور — پر دم میں کسی کے نہیں آتا ہے یہ مقدور
کیا کیا میں کروں اس کی اب عیاری کا مذکور — بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور

اوروں کو کہا سے تو وہیں ہنس کے کہا : لا

دل سب سے اُٹھا، جان تجھے میں نے جو چاہا — جو ظلم و ستم تو نے کیا سب وہ اُٹھایا
اب نزع میں ہوں تیرے تغافل سے اہا ہا — رگ رگ میں ترے ہجر میں اے رشکِ مسیحا

مرتا ہوں کوئی اب مرے جینے کی دوا لا

اُس شوخ کو یارو، یہ کوئی جا کے سُناؤ — یعنی مجھے اس ہجر کے زنداں سے چھڑاؤ
کچھ باقی نہیں مجھ سے تم اب ہاتھ اُٹھاؤ — مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ

کافی ہے مری قید کو اک مکڑی کا جالا

کل ہو جو گیا اُس صفِ مژگاں کے مقابل — بسمل سا تڑپتا تھا سرِ شام سے گھائل
چپ ہونے سے اب مجکو یقیں ہو گیا حاصل — شاید کہ مدارات کو بیٹھے مین مرا دل

نہ آہ، نہ زاری، نہ دمِ سرد، نہ نالا

نہ زر ہے مرے پاس جو اس شوخ کو دیکھوں — نہ زور کہ دھمکا کے اُسے پاس بلاؤں

کچھ بن نہیں آتا ہے، کسے جا کے سناؤں — اگر بس ہو امرا تو میں کسی چور سے کہدوں
جا آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھا لا

دنیا میں جو کرتا ہے کسی کی کوئی اب چاہ — سب ناز اُٹھاتا ہے وہ اُس شوخ کے دلخواہ
خوبوں کے مزاجوں سے ابھی تو نہیں آگاہ — وہ آپ سے روٹھا نہیں منّے کا نظیر آہ
کیا دیکھے ہے چل پاؤں پڑ اور اُس کو منالا

(۴۹۲)

دیگر

تھا ہجر میں جیسا دل ویران تہ و بالا — ویسا ہی بسا وصل کا ہوتے ہی اُجالا
ہو چاہ کا رتبہ نہ بھلا کیونکر دو بالا — پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنّۃ للّٰہ تقدس و تعالےٰ

کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا — بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں لٹایا
ارمان جو کچھ دل کا مرے تھا سو بر آیا — گر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

اس عالم لیلیٰ کی ہوئی جب سے مجھے چاہ — تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور مثل پر کاہ
اس حال کو پہونچا ہوں غم و درد سے واللہ — دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی، واہ
پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا

آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو — دنیا سے گذرتا ہوں میں حسرت زدہ رو رو
اُکھڑا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم کو — مرمر، مجھے کہتا تھا، سو مرتا ہوں میں، یارو،
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا

غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے ۔۔۔ زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے ۔۔۔ بن تختۂ گل آخرش اس خاک چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

مرتا ہوں تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اُس بن ۔۔۔ دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز میں گن گن
مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن ۔۔۔ قاصد، تو مرا نام تو لیجو نہ، ولیکن:
کہنا کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا

اب فصل بہار آئی ہر چشموں سے زمن میں ۔۔۔ فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
اور غُل میں پڑے بلبل و گل سرو و سمن میں ۔۔۔ کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ، چمن میں
نہ یار نہ ساقی نہ صراحی، نہ پیالا

مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اُس کا ۔۔۔ اور آتے ہی قسمت نے مری اُسکو رُٹھایا
رہ رہ کے مجھے اب تو یہی حیف ہے آتا ۔۔۔ جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

یہ نور جو برسے ہے پڑا کوچہ و در سے ۔۔۔ یارو یہ تجلّی تو نہ ہو شمس و قمر سے
دل دھڑکے ہے، دیکھا نہیں جاتا ہی نظر سے ۔۔۔ شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

اُس شوخ کی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں ۔۔۔ دریا کی طرح رات و[1] دن بہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جو از بسکہ ستم سہتی ہیں آنکھیں ۔۔۔ لے لے کے بلائیں مجھے یوں کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے، پھر ایک نظر اُس کو دکھا لا

ہے اُس کے تو چہرے پہ عجب رنگ چمکتا ۔۔۔ پر رنگ وہ ایسا ہے کہ سمجھا نہیں جاتا
نہ سبز نہ سرخ اور نہ سفید اور نہ سنہرا ۔۔۔ دل جانے ہے اُس رنگ کو جو رنگ ہے اُسکا
یوں کچھ ہی کہو، وہ تو نہ گورا ہے نہ کالا

[1] رات دن کی جگہ رات و دن۔ قدما لکھتے تھے اب فصحا خلاف فصاحت سمجھتے ہیں ١٢ محمد اشرف علی مہتمم دار الارقام لکھنؤ

جگر نے مرے ہوش کو افلاک سے کے کھویا
نہ ابر نہ شبنم نے ٹک آنکھوں کو بھگویا
تلووں کے تئیں خار بیاباں نے پرویا
صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

کل ہم نے جو کی بادہ کشی صبح سے تا شام
اس ضد کا بھلا کیوں نہ اُسے دیجیے الزام
اوروں کے چلے ساتھ ستمگر کے کئی جام
اوروں کو تو گرنے کبھی نہ پائے جو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

کیا کیا نہ ستم تو نے سہے عشق میں جاں کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ
آنکھوں میں دم آیا ترا اتنی غم سے ہوا کاہ
ہم تجھ سے اسی روز کو روتے تھے نظیر آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

(٢٩٣)

خمسہ ہفت زبان

ہمیشہ چاہت کی دھن ہے جس کو دل اُس کا ہے پُر خوں کا ہالا
لگائے رکھتا ہے اُس کی چینک جو حسن اُس نے ہے دیکھا بھالا
دیا دل اپنا اسی کو ہنس کر جہاں پہ یہ و نے یوں کہا، لا
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اُجالا
ہوا نہایت ہیں جی میں خوش دل نظر پڑا وہ صنم جو مجھکو
صفت کی اُس کے جمال کی واں کھڑے کھڑے میں نے دل ہیں خوش ہو
جو دیکھی ہیں نے وہ اُس کی خوبی مری زباں سے بیاں وہ کب ہو

وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُر خم کہ اُن کے بل اور شکن کو، یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحاں، نہ پہونچے ناگن نہ پہونچے کالا
بہار دیکھی جو اُس صنم کی تو وصف اُس کا کہوں میں کیا کیا
پری بھی دیکھے تو شرمگیں ہو، وہ حسن و خوبی بھرے سراپا
وہ چال چنچل، وہ نظریں جادو، وہ پیاری صورت، وہ خوب نقشا
ادائیں بانکی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھویں وہ جیسی کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
عجب روش کا وہ شوخ گل رو، کہوں میں کیا کیا کچھ اُس کی خوبی
ہوا فدا میں دل اور جاں سے وہ طرز اُس کی جو میں نے دیکھی
کچھ ایسا مہوش، کچھ ایسا دلبر، کہوں کہاں تک صفت میں اُس کی
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اُس کی دل کو ہو کیا ہی گہرا نشہ دو بالا
وہ شوخ چنچل کچھ ایسے ڈھب کا کہ اُس کا مکھڑا جو کوئی دیکھے
پھرے دیوانہ سا ہر طرف وہ، اُسی کی چاہت میں ہوش کھووے
لگاوٹیں ہیں کئی طرح کی، فریب و فن بھی کئی نمط کے
لبوں پہ سرخی وہ پان کی کچھ کہ لعل بھی منفعل ہو جس سے
وہ آن ہنسنے کی بھی پھر ایسی کہ جس کا عالم ہی کچھ نرالا ہے
وہ طرفہ دلبر، وہ مہر منظر، وہ نسترن بر جو میں نے دیکھا
بجز اہا ہا کچھ اور ہرگز نہ حرف میری زباں سے نکلا
ہوا میں صورت کو دیکھتے ہی غلام اُس کی ہر اک ادا کا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اُس کی وہ قدّ زیبا

کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا
خوش اپنے دل میں ہوا بہت ہی میں اُس پری رو کے دیکھنے سے
نثار اُس پر ہوا میں کیا کیا جب اُس کے انداز و ناز دیکھے
جو شوخیاں میں نے اُس میں پائیں کہاں تک اُن کا بیاں ہو مجھ سے
نگہ لڑاتے ہی اُس نے جس دم جھپک لیا جھپ، تو دل کو میرے
ادا ادا نے ادھر دبوچا، پلک پلک نے ادھر اُچھالا
جب اُس پری رو کے ہاتھوں، آکر یہ شکل واں میرے دل کی ٹھہری
رہا میں بے بس کہوں میں کس سے جو میرے اُس وقت جی پہ گذری
ہوئی اذیت جو مجھ پہ اُس دم وہ میں ہی جانوں، خبر کسے جی
جو لے گیا جی کو میرے، یارو، تو اُس نے لی راہ اپنے گھر کی
پڑا تڑپتا میں رہ گیا واں، زباں پہ آہ اور لبوں پہ نالا
جب اُس صنم کی ادا نے اُس جا دکھایا اپنا وہ بجلو جادو
پھنسا میں زلفوں کے بل میں یارو رہی نہ عقل و خرد سر مو
ہوا میں بے کل بر نگِ بسمل، جو ہوش تھا سب ہوا وہ یک سو
بہت یہ میں نے تو چاہا پوچھوں میں نام اُس کا وے وہ گل رو
نہ مجھ سے بولا، نہ کی اشارت، نہ دی تسلی، نہ کچھ سنبھالا
غرض وہ عیار میرے دل کو جو لے گیا چھل کے واں سے اُس دم
صبا کے قاصد کو میں نے بھیجا کئی زبانیں سکھا کے باہم
جو پہونچے واں تو یہ کہیو پہلے تو اس زباں سے بدیدۂ نم
پری رخ من، شکر لب من، دمے تو بازآ بہ پیش چشم
بیاد سرو تو بے قرارم، نہال عشقت شدہ است بالا

گیا ہے جب سے تو منہ دکھا کر نہیں پڑا چین مجھکو اب تک
کھلی ہیں آنکھیں برنگ نرگس، رہا ہوں تیری ہی راہ میں تک
جھک دکھا جا ٹک اپنے رخ کی کسی طرح سے تو پھر یکایک
فداہ و جھک عشق شرقا، دموع نہرا دمن فراتک
کثیر حزنا مع الہموم تقبل بحرا و کالجبالا
ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب تو جس کے باعث جدا ہوا ہے
مرا تو جان و دل، اے پری رو تجھی صنم پر فدا ہوا ہے
کسی طرح سے تو جلد آجا، نکلتی منھ سے یہی صدا ہے
تساڈے ملنے توں دل ہے بیکل ایہی وہ کلاں نت اکھدا ہے
سدا اے مینوں دے اپنے گھر دچ نہیں تو اتے اساڈے نال آ
تجھی میں رہتا ہے دھیان میرا نہ سکھ ہے دن میں نہ نیند رینان
ترا ہی لیتا ہوں نام ہر دم جبیں ہیں سمرن کو جیسے جپمال
کہیں سے آمل تو مجھ سے پیارے جو میرے دل کو ٹک آوے چینان
تہاری آسا لگی ہے نسدن، تہارے درشن کو ترسیں نیناں
دلاری سندر، انوٹھے ابرن، ہٹیلے موہن، انوکھے لالا
تری جدائی میں، اے ستمگر، یہ سختی مجھ پر ہے اب گذرتی
نہ گھر میں دل کو قرار آوے، نہ میرا باہر کہیں لگے جی
نہیں جو آیا تو اس طرف کو، یہ بات کیا تیرے دل میں ٹھہری؟
ایا نے من کو جو چھینوں تقیں سی ایار کائیں لگائی انی
پھر ایجھیں آکر گھبر یو نہاں کی پلک کنارا جو نہاں نے کھا لا
وہ تیری صورت ہے جب سے دیکھی تو ہر دم آنکھیں رہتی ہیں حیران

جو کا کل آتی ہے یاد تیری تو دل ہے ہوتا بہت پریشاں
ارے سجیلے ارے چھبیلے ارے دھبیلے کبھی تو آیاں
اگن برت ہے ہیا میں مورے برہ میں تورے المن بھوانواں
تورے جو ینواں لے موہا ہنکو نہ چینوں تنکو بھوا دکھالا
گیا ہے جب سے تو دل کو لے کر نہیں ہے مجکو قرار یک جا
امید ملنے کی تیرے رکھ کر ادھر اُدھر ہوں میں جاتا آتا
ہوا ہے میرا یہ حال اب تو تری جدائی میں، اے دل آرا
جگت مبھا امت برہکھ اٹک کھسوا امن کرن کھا
دوانے کینی تمن سریجن نہ سدھ کی گرڈ برٹ نہ بدھ کی جھالا
جو دل پہ گزرے ہے میرے تجھ بن، بیاں نہیں ہے کچھ اُسکا آساں
یہی تمنا ہے جی میں رہتی کہ تو پھر آوے کوئی گھڑی یاں
جو تجھ کو دیکھے تو ہو تسلی جو تجھ سے بولے تو دل ہو خوش ہاں
کبھی تو ہنس کر شتاب آجا نظیر کی بھی طرف ٹک، اے جاں
بنا کے سج دھج بھرا کے دامن، لگا کے ٹھوکر، ہلا کے بالا

(۴۹۴)

مخمسہ

چہرہ ہے ترا نور کی تنویر کا نقشا
یاں تک ہے ترے حُسن جہانگیر کا نقشا
اور مصرع قد حشر کی تفسیر کا نقشا
مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا

ترچھی ہے تیر نظر نگہ نوک سناں ہے
آفت کی ہے تلوار قیامت کی کماں ہے
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہے
اُس ابروِ خمدار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت، دم شمشیر کا نقشا

پلکوں میں تری ہے جو درازی و سیاہی
عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
ہر نوک پڑی دیتی ہے نشتر کی گواہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی
تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشا

شانہ ہو جگر چاک یہ کہتا ہے سیانو
اُس قید سے ڈرتے رہو سنتے ہو دوانو
میں محرم اسرار ہوں کہنا مرا مانو
نہ زلفِ سیہ عارض قاتل پہ نہ جانو
تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشا

اُس قاتل بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ
اس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں اللہ
کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہر گز ہوا واللہ
کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ
ہر گز نہ کھلا کچھ مری تقدیر کا نقشا

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز
اس درد سے رونا مجھے آتا ہے شب و روز
اب دل میں لگاتا ہے مرے تیر جگر دوز
کیا گردش ایام ہے اے آہ جگر سوز
اُلٹا نظر آیا تری تاثیر کا نقشا

نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ
بس اتنی ہی تقصیر یہ کہتا ہے وہ خونخواہ
اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں اے واہ
یا گھر سے نکالوں تجھے، یا قتل کروں، آہ!
ٹھہرا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشا

کھیتی ہے محبت کی سو بووے ہے ہمیشہ
کھاوے وہیں، بووے وہیں سووے ہے ہمیشہ
اور اشک کے قطروں سے پر دے ہے ہمیشہ
دن رات ترے کوچے میں رو دے ہے ہمیشہ
عاشق کے یہ ہے منصب و جاگیر کا نقشا

ہے نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن
زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں، ارے نادان
مر کر بھی مرے دل سے نہ جا دے گا ترا دھیان
میں تو صفِ محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا نقشا

کیا قول کیا پورا کہ اس کوہ پہ جا کر
ناچار جب آ سر پہ ہوا وقت برابر
دن رات تراشا کیا دلبر کی دنا پر
فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر
شیریں کو دکھایا وہ جو سے شیر کا نقشا

لیلیٰ کے کھلے بال جو دیکھے تھے نمودار
کیا چاہ کا اس کی میں کہوں آہ، اب اسرار
بھر عمر رہا پھر اسی پھندے میں گرفتار
پر تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اگی، یار
لیلیٰ کی یہ ہے زلفِ گرہ گیر کا نقشا

دن رات مرے قتل کو پھرتا ہے وہ گمراہ
کیا فکر کروں کس سے کہوں یہ غمِ جاں کاہ؟
اب جی مرا کس طور بچے اے مرے اللہ
تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیرؔ آہ
اب دیکھیے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشا

(۲۹۵)

خمسہ بر غزل خود

خوشی سے دل کی منگا عطر و پان کوٹھے پر
ہمارے ملنے کا رکھ دل میں دھیان کوٹھے پر
بچھا کے فرش لگا سائبان کوٹھے پر
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان کوٹھے پر
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر

ادا کی تیغ بھوؤں کی کمان کوٹھے پر
بنا کے ناز و کرشمے کی شان کوٹھے پر
مژہ کا تیر نگہ کی سنان کوٹھے پر
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر

کروگے حسن کی کیا تم دکان کوٹھے پر

تمھاری یاد میں لکر لے کیا جگر میں نے
کھڑا ہو دور سے ٹھہرا کے ٹک نظر میں نے
تمھارے ہجر میں چھانا ہے دربدر میں نے
تمھیں جو شام کو دیکھا تھا بام پر میں نے
تمام رات رہا میرا دھیان کوٹھے پر

اگرچہ ہم کو ستاتے ہو تم بہت سا جی
تمھاری مجھ سے تو الفت نہ چھوٹے جیتے جی
جھڑک جھڑک کے اُٹھاتے ہو اور دیتے گالی
یقیں ہے بلکہ مری جان جب کہ نکلے گی
تو آرہے گی تمھارے ہی جان کوٹھے پر

تمھیں خبر نہیں پیارے ابھی ہو تم لڑکے
یہ وقت شام ہے اور دونوں وقت ہیں ملتے
گلاب و عطر ملا ہے جو تم نے کپڑوں سے
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے جان کوٹھے پر

ادھر سے زلف بھی آ کر ہوا سے لہرادے
اُدھر سے چاند سا مکھڑا جھلک جو جھمکا دے
ادھر سے بان بسی بھی جو رنگ دکھلاوے
بشر تو کیا ہے فرشتے کا جی نکل جاوے
تمھارے حسن کی دیکھ آن بان کوٹھے پر

جہاں دلوں کی محبت کا کارخانہ ہے
یہ بار بار کے آنے سے ہم نے جانا ہے
وہاں تو لاکھ طرح دیکھنا دکھانا ہے
جھمک دکھا کے ہمیں اور بھی پھنسانا ہے
کبھی تو چڑھتے ہو تم جان جان کوٹھے پر

یہاں یہ ہے سر بازار کچھ تو خوف کرو
نشے میں پیارے ہنس ہنس کے مجھ سے مت الجھو
گلابی پیتے ہو مے کی تو ٹک کنارے بیٹھو
تمھیں تو کیا ہے ولیکن مری خرابی ہو
کسی کا آن پڑے اب جو دھیان کوٹھے پر

پڑی ہیں اس پہ چھینٹیں کئی جو شنگرفی
ہزاروں دیکھی ہیں ہم نے منڈیریں چونے کی
نہیں تمھارے سرِ بام رنگ کی سرخی
کہ چونے کاری میں ہوتی ہے سرخی کب ایسی

کسی کے خون کا یہ ہے نشان کوٹھے پر

تمھارے ہجر نے اے جاں ہیں کیا ہے گرد — حواس باختہ غمناک چشم اور منھ زرد
بہا کے آنکھوں سے آنسو جگر سے بھر دم سرد — یہ آرزو ہے کسی دن تو اپنے دل کا درد
کریں ہم آن کے تم سے بیان کوٹھے پر

ہوے ہیں ہم تو تمھاری محبتوں میں تباہ — وے تمھاری وہی ہے دغا و مکر کی راہ
سنو جی خوب سمجھتے ہیں ہم تمھاری چاہ — لڑاؤ غیر سے آنکھیں کہو ہو ہم سے آہ!
کہ تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر

یہ دم کی بات جو کہنا ہو اب تو اُس سے کہو — نہ جانتا ہو تمھاری جو کوئی باتوں کو یہ
ہمیں تو دُھر سے[۱] ہے معلوم آپ کی خو بو — خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

یہ سن کے باتیں مری ہنس پڑا وہ مہر منیر — لگا یہ کہنے کہ تو بھی کوئی بڑا ہے شریر
پھر اپنے ناز و ادا میں سمجھ کے مجھ کو اسیر — کمند زلف کی لٹکا کے اُس صنم نے نظیر
چڑھا لیا مجھے اپنے نداں[۲] کو کوٹھے پر

(۴۹۶)

خمسہ

چہرے پہ سیہ ناگن چھوٹی ہے جو لہرا کر — کس پیچ سے آئی ہے رخسار پہ بل کھا کر
جس کاکل مشکیں میں پھنستے ہیں ملک آ کر — اُس زلف کے پھندوں نے رکھا ہے مجھے الجھا کر
دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جا کر

جس دن سے ہوا آ کر اُس زلف کا زندانی — لیک ہو گئی یہ میری خاطر کی پریشانی

[۱] دُھر سے یعنی شروع سے ۱۲
[۲] نداں —
آخر کار ۱۲ —
اشرف علی لکھنوی

پھر عمر نہ جاوے گی اب جی سے پشیمانی
افسوس کہوں کس سے میں اپنی یہ نادانی

دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

جس وقت لکھی ہووے قسمت میں گرفتاری
یہ قید مرے اوپر ایسی ہی پڑی بھاری
کچھ کام نہیں آتی پھر عقل کی ہشیاری
رونا مجھے آتا ہے اس بات پہ ہر باری

دل بند ہوا، یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس زلف کے ہر مو نے لاکھوں کے تئیں مارا
کچھ بن نہیں آتا ہے طاقت ہے نہ کچھ یارا
اللہ کی خواہش سے بندے کا نہیں چارا
اب کاہے کو ہوتا ہے اس قید سے چھٹکارا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس زلف تلک مجھ کو کاہے کو رسائی تھی
تقدیر مرے آگے جس دم اُسے لائی تھی
قسمت نے مری خاطر زنجیر بنائی تھی
شاید کہ اجل میری بن کر وہی آئی تھی

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

گر چاہِ زنخداں میں میں ڈوب کے دُکھ پاتا
اس زلف کے زنداں سے کچھ بس نہیں جاتا
یوسف کی طرح اک دن آخر میں نکل آتا
آخر یہی کہہ کہہ کر پھرتا ہوں میں گھبراتا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اُس کو تو مرے دل کے ڈسنے کی شتابی ہے
اس غم سے لہو رو کر پُر چشم گلابی ہے
اور جس کی وہ ناگن ہے وہ مست شرابی ہے
کیا طرفہ مصیبت ہے کیا سخت خرابی ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

ہر بند مرے تن کا اس قید میں گلتا ہے
جی سینے میں تڑپے ہے اشک آنکھ سے ڈھلتا ہے
سر پاؤں سے جکڑا ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہے
ہر وقت یہی مصرع اب منھ سے نکلتا ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اس قید کی سختی میں سنبھلا ہوں نہ سنبھلوں گا
اس کالی بلا سے میں جز رنج کے کیا لوں گا

اس موذی کے چنگل سے چھوٹا ہوں نہ چھوٹوں گا
آخر کو یہی کہہ کہہ اک روز میں جی دوں گا

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

یہ قید فرنگ ایسی دنیا میں بری شے ہے
چھوٹا نہ اسیر اس کا اس قید کی وہ رے جا
اب چشم کا ساغر ہے اور خونِ جگر مے ہے
کچھ بن نہیں آتا ہے کیا فکر کروں اے ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

کہنے کو مرے یارو مت دل سے بھلا دیجو
زنجیر کوئی لاکر پاؤں میں پنہا دیجو
مر جاؤں تو پھر میرا آثار[۱] بنا دیجو
مرقد پہ یہی مصرع تم میرے کھدا دیجو

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

اس زلف کے پھندے میں یوں کون اٹکتا ہے
جوں چور[۲] کسی جاگہ رستے میں لٹکتا ہے
کانٹے کی طرح دل میں غم آکے کھٹکتا ہے
یہ کہہ کے نظیر اپنا سر غم سے پٹکتا ہے

دل بند ہوا یارو، دیکھو تو کہاں جاکر

(۴۹۷)

مخمسہ

ہووے جو کوئی اس بت خودکام سے واقف
بھر عمر نہ ہو پھر کبھی اسلام سے واقف
دل اپنا تو ہے چشم گل اندام سے واقف
ساقی یہ پلا اس کو جو ہو جام سے واقف

ہم آج تلک مے کے نہیں نام سے واقف

نت[۳] مست رہے میکدۂ عشق میں رہ کے
سرشار نشوں میں ہوئے پھرتے رہے بہکے
دیکھے نہ کبھی جور زمانے کی گرہ کے
مستی کے سواد ور میں اس چشم سیہ کے

کافر ہو جو ہو گردش ایام سے واقف

[۱] آثار۔ مراد قبر ستان قبر ۱۲ [۲] رستے میں چور کا لٹکنا۔ چور کمند ڈال کر کسی بڑے اونچے مقام پر چڑھنے سے مراد ہے ۱۲ [۳] نت ہمیشہ ۱۲ اشرف علی

اُس شوخ ستمگار کی جس دن سے ہوئی چاہ
جا ملک عدم میں بھی تڑپتے رہے واللہ
دکھ بھرتے ہی بھرتے غرض آخر ہوئے ناگاہ
مرکر بھی تہ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ،
اے عشق نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف

پہلے تو پھنسایا ہمیں اُس نور نظر نے
اب، آہ، اسیری کے پڑے دکھ ہمیں بھرنے
آخر کو لگا پھر ستم و ظلم وہ کرنے
صیاد کی الفت سے پھنسے آن کے درنے[1]
بھتے کا ہے کو ہم اس قفس و دام سے واقف

منّت سے بھلا کب وہ بُلاتا ہے کسی کو
ہم نے تو بہت اُس کی سمجھ رکھی ہے خو بو
جھوٹا ہے، دغا باز ہے عیار ہے، بدخو
ملنے کا پیام اُس سے کہو جا کے عزیز و
جو اُس کے نہ ہو وصل کے پیغام سے واقف

چاہو کہ پھر اب بیچ میں لو تم ہمیں اُس آں
ناحق دل صد چاک کو کرتے ہو پریشاں
سو آہ یہ ہونا نہیں اے خسرو خوباں
اوروں سے قسم کھائیے اور ہم تو مری جاں
ہیں خوب تمھاری قسم اقسام سے واقف

اول تو نہ کیجے کبھی خوباں کی، میاں، چاہ
رونا مجھے رہ رہ کے یہی آتا ہے، واللہ
اور کیجے تو ہو لیجے سب چیز سے آگاہ
کوئی نہیں کرتا، جو کیا تو نے، نظیر آہ!
دل اُس کو دیا، جس کے نہیں نام سے واقف

(۴۹۸)

خمسہ

کھول ٹک چشم تماشا یار باشے[2] پھر کہاں
مال و دولت سونا روپا[4] تولا ماشے پھر کہاں
یہ شکار و صید، یہ شکرے و باشے[3] پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشے پھر کہاں

[1] درنہ اور درنے ایک ہی معنی میں آتا ہے ۱۲
[2] یار باش کی بجائے یار باشے کہا گیا ہے ۱۲
[3] باشہ ایک شکاری پرند کا نام ۱۲
[4] چاندی سونا روپیہ اشرفی ۱۲
محمد اشرف علی لکھنوی

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

دل لگا اُلفت میں اور کر لے پریزادوں کی چاہ ‏ ‏ چاند سے مکھڑوں سے مل سورج وشوں پر کر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ ‏ ‏ کھا لے پی لے سُکھ دے اور دے لے واہ واہ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

حسن والوں کے بھی کیا کیا حسن کے عالم ہیں یاں ‏ ‏ سانولے گورے، سنہری سُرخ باندھے پگڑیاں
کیا سجیں کیا کیا دھجیں کیا ناز کیا چھب تختیاں[۱] ‏ ‏ بھولی بھولی صورتیں اور پیاری پیاری انکھڑیاں

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

صبح ہو تو سیر کر باغوں کی جا کر با فراغ ‏ ‏ بلبلیں چہکیں ہیں، اور گل کھل رہے ہیں مثل باغ
شام ہو تو روشنی کو دیکھ، پی مے کے ایاغ[۲] ‏ ‏ جل رہے ہیں جھاڑ و مشعل، شمع قندیل و چراغ

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

کتنے میخانوں کے در پر لوٹتے ہیں پی کے مے ‏ ‏ کتنے مجلس کر کے سنتے ہیں دف و مردنگ و نے
دیروں میں اور مسجدوں میں کرتے ہیں غُل پی پیے ‏ ‏ ہر طرف دھومیں مچیں ہیں، دید ہے اور سیر ہے

دیکھ لے دنیا کو، غافل، یہ تماشے پھر کہاں

کتنے دل ہیں متفق کتنے دلوں میں پھوٹ ہے ‏ ‏ دوستی ہے دشمنی ہے ضد ہے، مارا کوٹ ہے
پیار ہے، ہنس بیٹھنا ہے، اور جگت اور جھوٹ ہے ‏ ‏ عدل ہے اور ظلم ہے غارت ہے لوٹا لوٹ ہے

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

واہ وا! کیا کیا نظیر اس خلق کے اطوار ہیں ‏ ‏ خوار ہیں سردار ہیں زردار ہیں، لاچار ہیں
گذریاں[۳] ہیں چوک ہیں، بستے کئی بازار ہیں ‏ ‏ دشت ہیں، صحرا ہیں اور دریا ہیں اور کہسار ہیں

دیکھ لے دنیا کو غافل، یہ تماشے پھر کہاں

---

۱ چب تختی سینے اور جسم وغیرہ کی موزونی اور خوبصورتی ۱۲
۲ ایاغ - پیالہ ۱۲
۳ گزری وہ بازار جہاں پرانا سامان فروخت ہوتا ہے ۱۲ اشرف علی

(۴۹۹)

خمسہ دیگر

چمن میں دن کو جو اک دو قدم وہ چلتے ہیں
خوشی سے غنچے بھی ہر شاخ پر اچھلتے ہیں
تو پھول آنکھوں سے تلوے انھوں کے ملتے ہیں
وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

سحر کے نور تجلی کے انتخاب کو دیکھ
ہزار رشک سے عشرت کے پیچ تاب کو دیکھ
اور اپنے پھیکے سے چہرے کی آب تاب کو دیکھ
چراغ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

جہاں تلک ہیں یہ بیدرد خوبرو، دلبر
غرض یہ ظلم تو دیکھا کیے ہیں ہم اکثر
سب اپنے چاہنے والوں کا کاٹتے ہیں سر
فدا جو دل سے ہیں ان شوخ سبز رنگوں پر
یہ کافر ان کی ہی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

گلی میں یار کی میں، آہ، کس طرح جاؤں
نہ تن میں خون ہے باقی، نہ اب رگوں میں خوں
نہیں ہے اتنی بھی طاقت جو اک قدم کو رکھوں
ہوا ہوں خشک یہاں تک کہ حضرتِ مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور اپنے ہاتھ ملتے ہیں

ہمارے تم تو ہو ہم رنگ ظاہر و باطن
یہ التجا ہے ہماری کہ خوش ہو آج کے دن
اُٹھائے تم نے بھی غم روز عشق کے گن گن
کوئی تو پگڑی بدلتا ہے یار سے، لیکن
میاں نظیر، ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

(۵۰۰)

دلبری

ہے دام بچھا اُس کی زلفوں کے ہر اک بل میں
سر پاؤں سے شوخی ہے اُس چلبلی چنچل میں
جادو ہے نگاہوں میں اور سحر ہے کاجل میں
چتون کی لگاوٹ نے اک آن کی چھل بل میں

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کرنے سے خبرداری ہر گز نہ ہوا لا[1] ہا
اُس شوخ ستمگر نے غمزے سے جو نہیں چاہا
اور اک کے سینے کو عیّارے نے رابا
کی، یارو، یہ کچھ پھرتی، کیا کہیئے، اہا ہا!

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

کیا بیٹھ چلے اُس سے یوں ناز بھرا جو ہو
یہ گھات، یہ چنچل پن کب یا دیری کو ہو
کس طور سرک جاتے، ہونا ہے جو کچھ سو ہو
اس ڈھب سے کے تئیں، یارو، دیکھو تو اہو ہو ہو!

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ہنس ہنس کے لگا جس دم وہ ناز و ادا کرنے
ہر آن لگی اُس کے سو مکر سے دم بھرنے
جی اُس کی لگاوٹ سے ہر لحظہ لگا ڈرنے
کیا کام کیا، یارو، اُس شوخ ستم گر نے

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

ڈرتے تھے بہت ہم تو اُس شوخ لڑا کے سے
آیا جو ادھر پھرتا عیّار لیا[3] کے سے
اور خوف میں تھے اُس کے ڈھب آن و ادا[2] کے سے
نظروں کے ملاتے ہی چنچل نے چھپا کے سے

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

رکھتے تھے بہت ہم تو ہر آن کی ہشیاری
آج اُس بت پرفن نے آ کر بطرح داری
خوباں سے نہ ملتے تھے، تو ہو نہ گرفتاری
جُل دے کے ہیں لپ جھپ کی کچھ یہ فسوں کاری

---

[1] ہا ہا۔ فائدہ
[2] ادا کا بجائے ادا کے لیا کرکے
[3] جلدی سے
[4] آشکار

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

سمجھے تھے اُسے ہم تو محبوب یہ بھولا ہے — جو مکر ہے اور فن ہے ہرگز نہیں آتا ہے
یہ بات نہ سمجھے تھے جو سحر کا نقشا ہے — کیا کہئے نظیرؔ آگے یہ زور تماشا ہے

پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں

(۵۰۱)

مخمسہ دیگر

کہتا ہے تجھے کون کہ عاشق کو ستا سو — اور شمع نمط اس کے کلیجہ کو جلا سو
مدت سے رہا ہے تو بہت مجھے غم سے رلا سو — جاتی ہے بہار عمر کی آنسوں ہی میں آ سو

آسوارے آسوارے سوارے آسو

گر نوچ مرے دل کو جو تو نے کہیں پھینکا — وہ خستہ جگر لوٹتا پھرتا ہے اہا ہا
گر تجھ سے کہوں پیارے میں احوال اب اُسکا — بسمل سا تڑپتا ہے نہ مرتا ہے نہ جیتا

شاید کہ گئی میرے نصیبوں سے قضا سو

مجھ کو تو نہیں چین ذرا یار و اب اُس بن — کاٹوں ہوں سدا رات بھی گھڑیوں کو میں گن گن
عیار کی گھاتوں سے کبھی رات کبھی دن — یوں چوری سے اُس پاس میں سوتا ہوں ولیکن

کافر نے کبھی آپ سے ہرگز نہ کہا سو

ہے اب تو ترے حسن کی آنکھوں میں لگی چاہ — اور آن پڑا در پہ ترے عشق کے ہمراہ
اے درد تو کاہے کو نہیں پوچھے گا واللہ — یا رو وینگے یا سو وینگے یا جاگیں گے کر آہ

کیا تجھ کو پڑی ہے تو مری جان پڑا سو

غیروں کا اُسے خوف تھا اور کچھ اسے وسواس — تو بھی وہ صنم میرے لیے جاگا کیا پاس

اب یار و بھلا آہ مری ٹوٹے نہ کیوں آس — میں چھپ کے رقیبوں سے گیا جس گھڑی اُن پاس
یہ دیکھیے قسمت کہ اُسی وقت گیا سو

گلشن میں کھلے پھول سحر ہونے کو آئی — تارے بھی چھپے چاند نے صورت بھی چھپائی
خورشید کی کرنیں بھی لگیں دینے دکھائی — ابتک بھی مرے پاس وہ بو اُسکی نہ لائی
شاید کہ کہیں آج گئی بادِ صبا سو

وعدہ تو سرِ شام سے آنے کا کیا تھا — اور رات ڈھلی آدھی تو اب بھی نہیں آیا
شاید کسی دشمن نے دیا کچھ اُسے بہکا — دشمن کی بھی تقصیر نہیں سچ ہوں میں کہتا
یارو مری تقدیر و نصیبا ہی گیا سو

یک عمر میں نکلا ہے مرے دل کا یہ ارماں — جو آج ہوا ہے تو مرا آن کے مہماں
باتوں ہی میں مت رات گذارے تو مری جاں — ٹک پیار سے سینہ سے لپٹ کر مری اس آں
ایک پہر نہ سووے تو گھڑی بھر تو بھلا سو

جس تس سے وہ اقرار یوہیں کرتا ہے دلخواہ — اور آتا نہیں پاس کسی ایک کے گمراہ
اس جھوٹے دغا باز کی گیا دیکھیے اب راہ — زنہار وہ عیار نہ آوے گا نظیر آہ
اب اس کے تو غم میں تو پڑا جاگیو یا سو

(٥٠٢)

دیگر

لگایا تھا دل ہم نے تم سے جو آہ — یہ جانا تھا تم کچھ کروگے نباہ
سو تم نے نہ دیکھا کبھی بھر نگاہ — زمانے میں کیا یوں ہی ہوتی ہے چاہ
میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

کہا تھا کہ ہم رات آویں گے آہ
ٹپک سر کو ہم رہ گئے دیکھ راہ
رہے ساتھ غیروں کے تا صبح گاہ
بڑے تم بھی ہو جھوٹوں کے بادشاہ

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

لیا پہلے الفت میں دل کو لگا
اگر تھی تمہارے یہ دل میں دغا
بلا کر پھر آخر کو غوطہ دیا
تو کیوں ہم کو ناحق میں رسوا کیا

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

مزے غیر کو آہ اور ہم یہیں
تمہیں دیکھ کر ساتھ تک تک رہیں
خوشی ہو دیں اغیار ہم غم سہیں
غرض تم سے بس اور تو کیا کہیں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

رقیبوں کو ساتھ اپنے لے آئیے
یہی جی میں آتا ہے مر جائیے
ہنسا کر انھیں ہم کو رلوائیے
تمہیں آفریں ہے یونہیں چاہیے

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

ادھر کی طرف دیکھیے میری جاں
وہ قول اور اقرار اب ہیں کہاں
خدا کو دیا کس نے تھا درمیاں
بھری ہیں غرض تم میں سب خوبیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

تمہاری دغا کی یہ ہے داستاں
لکھے تو قلم کے ہیں آنسو رواں
کہوں تو نہیں چلتی منہ میں زباں
کروں کس طرح میں نظیر اب بیاں

میاں واہ وا واہ وا واہ واہ

(۵۰۳)

مخمسہ

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان ادھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن ادھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں ترے جان ادھر دیکھ
ہولی ہے صنم ہنس کے تو اک آن ادھر دیکھ
اے رنگ بھرے نوگل خنداں ادھر دیکھ

ہم دیکھتے تیرا یہ جمال اس گھڑی اے جاں
آئے ہیں یہی کر کے خیال اس گھڑی اے جاں
تو دل میں نہ رکھ ہم سے ملال اس گھڑی اے جاں
مکھڑے پہ ترے دیکھ گلال اس گھڑی اے جاں
ہولی بھی یہی کہتی ہے اے جان ادھر دیکھ

اب زرد یہ چیرا جو ترے سر پہ سجا ہے
اور اس پہ یہ طرہ جو زری کا بھی دھرا ہے
نیمہ بھی ترا رنگ سے کیسر[۱] کے بھرا ہے
پوشاک پہ تیری گل صد برگ فدا ہے
نرگس تری آنکھوں پہ ہے قرباں ادھر دیکھ

ہولی کی طرب سے ہے جو ہر اک جا پہ نمودار
سنتے ہیں کہیں راگ کہیں مے سے ہیں سرشار
ہے دل میں ہمیں تو تری نظروں سے سروکار
پچکاری ہمارے تو لگا یا نہ لگا یار
ہم کو تو فقط ہے یہی ارمان ادھر دیکھ

ہے دھوم سے ہولی کے کہیں شور کہیں غل
ہوتا نہیں کچھ رنگ چھڑکنے میں تامل
دف بجتے ہیں سب ہنستے ہیں اور دھوم ہے بالکل
ہولی کی خوشی میں تو نہ کر ہم سے تغافل
اے جان ہمارا بھی کہا مان ادھر دیکھ

ہے دید کی ہر آن طلب دل کو ہمارے
جیتے ہیں فقط تیری نگاہوں کے سہارے
ہیں یاں جو کھڑے آن کے اس شوق کے مارے
ہم ایک نگہ کے ترے مشتاق ہیں پیارے

۱؎ کیسر۔ زعفران

ٹک پیار کی نظروں سے مری جاں ادھر دیکھ

ہر چار طرف ہولی کی دھومیں ہیں اہا ہا | دیکھو جدھر آتا ہے نظر رو زتماشا
ہر آن جھمکتا ہے عجب عیش کا چرچا | ہولی کو نظیر اب تو کھڑا دیکھے ہے یاں کیا

محبوب یہ آیا ارے نادان ادھر دیکھ

(۵۰۴)

خمسہ

یوں دل سے اپنے نکلے ہے اب بار بار آہ | کرتا ہے جس طرح کہ دل بے قرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ | کیوں ہم سے آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ

ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

ہو جی میں اپنے عید کی فرحت سے شادکام | دل کھول کھول سب ملے آپس میں خاص و عام
خوباں سے اپنے اپنے لیے سب نے دل کے کام | آغوش خلق گلبدنوں سے بھرے تمام

خالی رہا پر ایک ہمارا کنار آہ

کتنا ہی جستجو میں پھرے ہم ادھر اُدھر | لیکن ملا نہ ہم سے وہ عیار فتنہ گر
کیا پوچھتے ہو شوخ سے ملنے کی اب خبر | ملنا تو اک طرف ہے عزیزو کہ بھر نظر

پوشاک کی بھی ہم نے نہ دیکھی بہار آہ

رکھتے تھے ہم امید یہ دل میں کہ عید کو | کیا شاد ہو ملیں گے گلے سے زماہرو
سو تو وہ آج بھی نہ ملا شوخ حیلہ جو | تھی آس عید کی سو گئی وہ بھی دوستو

اب دیکھیں کیا کرے دل امیدوار آہ

اُس سنگدل کی ہم نے غرض جب سے چاہ کی | دیکھا نہ اپنے دل کو کبھی ایک دم خوشی

پر اب بھی اس کی جور تعدی نہیں نئی
ہر عید میں ہمیں تو سدا یاس ہی رہی
کافر کبھی نہ ہم سے ہوا ہمکنار آہ

اقرار ہم سے تھا کئی دن آگے عید سے
یعنے کہ عید گاہ کو جاویں گے تم کو لے
آخر کو ہم کو چھوڑ گئے ساتھ اور کے
ہم ہاتھ ملتے رہ گئے اور راہ دیکھتے
کیا کیا غرض سہا ستم انتظار آہ

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر
دن عید کے ہی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر
اس درد کو وہ سمجھے جو ہو عشق کا اسیر
جس عید میں کہ یار سے ملنا نہ ہو نظیرؔ
اُس کے اوپر تو حیف ہے اور صد ہزار آہ

(۵۰۵)

خمسہ

دشنام دے تو آنہ بھر اگر دعار کے
کی قدر کم تو پاس نہ بھٹکا وقار کے
سویا کیا سلایا جو بستر پہ خار کے
کس کس طرح کے ناز اُٹھائے ہیں یار کے
ہے حق بجانب اس دل حکم اختیار کے

رکھتے ہیں اپنے دل میں جو ہم ترکِ نازِ عشق
اک عمر سے اُٹھاتے ہیں خوش ہو کے نازِ عشق
رہتا ہے بسکہ خانۂ خاطر میں رازِ عشق
تھے دل سے ہم بہ نسبت سوز و گدازِ عشق
مشتاق ایک بلبل زار و نزار کے

کتنے دنوں سے شکل جو اس کی نہ دیکھی تھی
رہتی تھی اس سبب سے بہت دل کو بے کلی
اک روز اُس کے ملنے کو گلشن کی راہ لی
پوچھی جو باغباں سے خبر اُس کے حال کی
اُس نے کہے یہ حادثے اُس دل فگار کے

تم جس کی پوچھتے ہو خبر سو وہ عندلیب
دوری سے گل کی پہونچی ہے سو ریچ بے قریب
کس منھ سے اُس کا حال بیاں کیجیے حبیب
کیا جانے گریہ ہے کہ ہوئے کب وہ بے نصیب
جب رہ گئے تھے آنے میں دو دن بہار کے

جب گئے تھے ملنے کو ہم اُس کے شادماں
غمگیں زیادہ اُس سے ہوئے سُن کے یہ بیاں
جب کہہ چکا تمام وہ احوال باغباں
ناچار سر جھکا کے ہوئے واں سے ہم رواں
ہمراہ نالۂ و مژۂ اشکبار کے

تیغ الم سے اُس کے ہوا تھا جو دلفگار
جاتا رہا تھا جی سے سب آرام اور قرار
افسوس کرتے جاتے تھے خاطر میں بار بار
ناگاہ اک خرابے میں اپنا ہوا گذار
دو زخمی اُس جگہ تھے کسی روزگار کے

پر ہول سخت بیم فزا کہنہ و خراب
بے سائگی و شدت گرمی آفتاب
گرد اُس کے خار بن وہ کہ جس کا نہ تھا حساب
ہوش و حواس دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب
یکبار اُڑ گئے دل غفلت شعار کے

(۵۱۶)

خمسہ

چمن میں آج نسیم بہار آپہونچی
نوید نکہت گل بے شمار آپہونچی
صدائے قمری و صورت ہزار آپہونچی
جنوں کی فوج کی دل پر پکار آپہونچی
ہزار شکر کہ فصل بہار آپہونچی

گئی نسیم کے ہاتھوں نکل کے باد سموم
گھٹائیں ابر بہاری کی چل رہی ہیں جھوم
تمام صحن چمن میں عجب مچی ہے دھوم
اُدھر گلوں کے اودھر بلبلیں کریں ہیں ہجوم

ادھر سے مست صفت گلعذار آپہونچی

چمن کی سیر کو آئے ہیں مل کے مے نوشاں
نکالتے ہیں نشے مے کے دل کا سب ارماں
ہوا ہے بادہ کشی کا بھی خوب ساساماں
ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی شاں
شراب و شیشہ و ساغر کی بار آپہونچی

کھلے ہیں چاروں طرف زور تختۂ گلزار
خبر سنی ہے کہ آتا ہے وہ گل مے خوار
چلے ہے سرد صبا اور نسیم عنبر بار
گئی مصیبت روز فراق سب یکبار
کہ اب قریب شب وصل یار آپہونچی

کوئی ہے وصف کرے گل کی تاجداری کا
کسی کو ذکر ہے بلبل کی بے قراری کا
نہیں یہ وقت مری جان انتظاری کا
نہیں یہ وقت مری جاں آہ وزاری کا
خوشی ہو اب کہ حد انتظار آپہونچی

(۵۰۷)

مخمسہ دیگر بطرز واسوخت

یار اب تجھ میں جو یہ حسن ہے زیبائی ہے
کیا ہوا تو نے اگر آن و ادا پائی ہے
میں تو ملنے کی میاں تیری قسم کھائی ہے
یہ بڑا عیب ہے تجھ میں کہ تو ہرجائی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

تو نے کیا کیا نہ کیا غم سے میرا حال تباہ
دل لیا ہوش لیا صبر لیا سب اے واہ
لے چکا دل تو نہ کی میری طرف تو نے نگاہ
اب یہ رکھ یاد کہ پھر کبھی تجھ سے واللہ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

کون سنتا ہے تری بات تو کہتا ہی کسے
اب جو تو چاہے مرے دل کے تئیں پیچ میں لے

اب تری شکل سے یاں تک میاں نفرت ہے مجھے
غیر کے پاؤں پڑوں جا کے ولیکن تجھ سے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تری ضد سے میاں دل کسی بد شکل کو دوں
وہ جو بٹھلا دے تو بیٹھوں اور اُٹھاوے تو اُٹھوں
اُس کی کفشوں کے تئیں جھاڑ کے آنکھوں پہ رکھوں
تو جو منت سے بلاوے تو یہی تجھ سے کہوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور سن یار کہ جس بزم میں پاؤں تجھ کو
شمع کی طرح سے محفل میں جلاؤں تجھ کو
اُس نئے شوخ کو دکھلا کے جلاؤں تجھ کو
دیکھ کر اس کے تئیں اور سُناؤں تجھ کو
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اور تو جس طرف کو جا بیٹھے وہیں آ بیٹھوں
تجھ سے منہ پھیر لوں اور اس سے ہنسوں اور بولوں
تو سہی رشک سے دل کو ترے پامال کروں
جب اُٹھوں واں سے تو ظالم یہی کہتا میں اُٹھوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

میری نظروں سے تو اے یار یہاں تک ہے گرا
کہ تجھے دیکھتے ہی دل ہے مرا رک جاتا
خواب میں تو جو مرے پاس کبھی ہے آتا
تو مری روح وہاں تجھ کو یہی دے ہے سُنا
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

مجھ کو باور نہیں گر لاکھ تو قسمیں کھاوے
اور خفا ہو کے بگڑنے کا تو خط دکھلاوے
اور جو لوگوں کے تئیں میرے لیے بھجواوے
حد تو یا تنگ ہے اگر آپ تو لینے آوے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

اب تجھے یار کبھی منہ نہ دکھا دے گا نظیرؔ
ہر جگہ ہر کہیں ہر طور ستا دے گا نظیرؔ
کوئی دن تیرے تئیں خوب جلاوے گا نظیرؔ
جو ملے گا تو یہی بات سناوے گا نظیرؔ
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

خمسہ دیگر

یوں تو اکثر ادھر آجاتے ہیں انسان کئی
چاک ہو جاتے ہیں ان سے گریبان کئی
پر کہوں کیا کہ بنا حسن کے سامان کئی
دیر سے آج جو نکلے بت ذیشان کئی
لے گئے صبر کئی دل کئی ایمان کئی

اپنے ہم چشم تو یاں خون گئے ہیں رو رو
میں بھی لایا ہوں پر اس کام کو اب اس حد کو
ایک شمہ تو یہ رونے کا مرے ہی سن لو
اتار دیا ہوں کہ اب لخت جگر کے یارو
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سر دامان کئی

آہ جو جو گئے تھے حسرت دیدار میں مر
سب تڑپتے تھے وہ بیتاب زمیں کے اندر
آخرش ہو کے پریشاں ہمہ تن چشم و نظر
اب تو ٹک منہ کو دکھا یار کہ نرگس بنکر
نکلے ہیں خاک چمن سے ترے حیران کئی

آدے گر باد صبا اُس کی گلی سے تو ملوں
سو تمنا ہے میں نقش قدم آغوش میں لوں
بہ چشم حیرت زدہ لے کفش کے نعلوں سے ملوں
اُس کے دامن سے لگوں پاؤں پڑوں ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

مان کہنا مرا اے شوخ ہٹیلے چنچل
گو کہ اب قمری و بلبل میں پڑی ہے ہلچل
منہ دکھانے میں غریبوں کے بس اتنا نہ مچل
آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان کئی

پان کھانا ہے ترا قتل کے عالم کا نشان
اور خوباں کی طرح اپنے تو ہنسنے کو نہ جان
دیکھ کہتا ہوں ستمگر مری اس عرض کو مان
پان کھا کھا کے نہ ہنس اسقدر اے دشمن جان

ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دندان کئی

جب سے اُس شوخ کی ابرو نے کیا تیغ کو مات
بکتا ہوں کے سرا دیر ہے نہایت آفات
اب کہوں کیا میں بھلا اس ستم و ظلم کی بات
نظر آتے ہیں یہ مجھے اُس کی گلی میں دن رات

ٹکڑے ٹکڑے کئی بسمل کئی بیجان کئی

یہ وہ جاگہ ہے کہ اس جا میں تو بن ٹھن کے نہ آ
اور جو آوے تو رقیبوں کے تئیں ساتھ نہ لا
آ جاگیں گے تو پھر حشر کریں گے برپا
آن کر گور غریباں میں قیامت نہ مچا

ابھی سوئے ہیں ترے بے سر و سامان کئی

جب سے اُس خسرو خوباں نے کیا مجھ کو اسیر
جی بھی ہے شاد مرا دل بھی ہے سو عیش پذیر
کیونکر اس خاک نشینی کو نہ سمجھوں میں سریر
بادشاہ کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر

اُس شہ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

(۵۰۹)

موتی

رہیں ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پر موتی اور بیسر[1] میں موتی مانگ پر موتی
ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی

گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اُس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اُچھلتا ہے
کوئی بُندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ملتا ہے
لپٹ کر دُھگدگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہیں کوئی بالی میں ہلتا ہے

یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنسکر جو کچھ باتیں بنائی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے

[1] بیسر یہ چھوٹی نتھنی جو بعض عورتیں بلاق کی جگہ پہنتی ہیں ۱۲ اشرف علی

ادا و ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُس کے ہوتے ہیں پڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لب رنگیں کو برگِ گل سے کیا نسبت
کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اُداہٹ کچھ مسی کی، اور کچھ اُس پر پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور اُدھر نیلم، ادھر مرجاں اُدھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن بھی موتی، سرتا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اُسکے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں
چمن کے گل سب اُسکے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطرات شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ، اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اُس پر موتیا کے ہار، بازو بند، اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اُس کا
جو کہتا ہوں اے ظالم، ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی[۱]

کڑے، پازیب، توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں
تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اُس کی کفش پر موتی

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وہ
تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
و یا ابر گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے

[۱] موتی کسکا نام ـ کسی وقت خاص کی طرف اشارہ ہے ـ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موتی نظیر کی معشوقہ تھی ۱۲ اشرف علی

بیاں ہو کس طرح سے، آہ، اُس عالم کو کیا کہیے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور رجاتے ہیں بکھر موتی

ہیں کیونکر پریزادوں سے بوسوں کے نہ ہوں لینے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پہ وارنے گہنے
سخن کی کچھ جو اُس کے دل میں ہے اُلفت لگی رہنے
نظیر اس ریختہ کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

(۵۱۰)

پری کا سراپا

خونریز کرشمہ، ناز و ستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
قتال نگہ اور ڈھٹ[1] غضب آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی لگاوٹ ویسی ہی
ن گھلاوٹ
عیارہ نظر، مکار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی

بیدرد ستمگر بے پروا بے کل چنچل چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
آنوں کی بان ہٹیلی سی کاجل کی آنکھ کٹیلی سی
وہ انکھیاں مست نشیلی سی کچھ کالی سی کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہی

[1] ڈھٹ۔ ظالم۔ بد۔ بُرا
اشرف علی

تھی خوب دوپٹہ کی سرِ پنجات تمامی کی اُلٹی
بلدار لٹیں، تصویرِ جبیں، جکڑی مینڈھی، سجی کنگھی

دل لوٹ نہ جاوے اب کیونکر، اور دیکھ نہ نکلے کیونکر جی
وہ رات اندھیری بالوں سے، وہ مانگ چمکتی بجلی سی

زلفوں کی کُھلت، پٹی کی جمت، چوٹی کی گندھاوٹ ویسی ہی

اُس کافر بینی اور نتھ کے انداز قیامت شان بھرے
اور گہرے چاہِ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھرے

وہ نرمے صاف ستارا سے اور موتی سے دامان بھرے
وہ کان جواہر کان بھرے، کن پھولوں، بالے جان بھرے

بُندے کی لٹک، جھمکے کی جھمک، بالے کی ہلاوٹ ویسی ہی

چہرے پر حسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوشرنگ پسینے کی بوندیں، سو بار جھمکتے موتی سے

ہنسنے کی ادائیں پھول جھڑے، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹھ غضب، اور دانت چمکتے موتی سے

پانوں کی رنگاوٹ قہر ستم، دھڑیوں[1] کی جماوٹ ویسی ہی

اُس سینے کا وہ چاک ستم اُس کرتی کا تزیب[2] غضب
اُس قد کی زینت قہر بلا اُس کافر چھب کا زیب غضب

اُن ڈبیوں کا آزار بُرا، اُن گیندوں کا آسیب غضب
وہ چھوٹی چھوٹی سخت کُچیں، وہ کچے کچے سیب غضب

انگیا کی بھڑک، گوٹوں کی جھمک، بندوں کی کساوٹ ویسی ہی

تھی پہنے دونوں ہاتھوں میں کافر جو کڑے گنگا جمنی

۱؎ دھڑی مسّی کی تہ جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں ۱۲ ۲؎ تزیب زنانہ ناز کر لیتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں، کچھ جھمکے چوڑی باہوں کی

یہ دیکھ کے عالم عاشق کا سینے میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پتلی پتلی انگشتیں، پوریں وہ نازک نازک سی

مہندی کی رنگت، فندق کی نبت، چھلوں کی پھلاوٹ ویسی ہی

تقریر بیاں سے باہر ہے، وہ کافر حسن اہا ہا ہا
کچھ آب نئی، کچھ حسن نیا کچھ جوش جوانی اٹھنے کا

سکیں جھپکیں ان باہوں کی یار دیں آہ کہوں کیا کیا
وہ بانکے بازو ہوش رُبا، عاشق سے کھیلے بانک پٹا

پہونچی کی پہنچ پہونچے یہ غضب، بانکوں کی بندھاوٹ ویسی ہی

وہ کافر دھج، جی دیکھ جسے سو بار قیامت کا لرزے
پازیب، کڑے[1]، پائل، گھنگرو، کڑیاں، چھڑیاں گجرے توڑے

ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے نیچے

کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

اک شور قیامت ساتھ چلے، نکلے کافر جس دم بن ٹھن
بل دار کمر، رفتار غضب، دل کی قاتل جی کی دشمن

مذکور کروں کیا اب یارو اس شوخ کے کیا کیا چنچل پن
کچھ ہاتھ ہلیں، کچھ پاؤں ہلیں، پھڑکے بازو تھرکے سب تن

گالی وہ بلا، تالی وہ ستم، انگلی کی نچاوٹ ویسی ہی

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہوں وہ سب سمجھے
روٹھے مچلے سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے

[1] کڑے، پائل، کڑیاں وغیرہ یہ سب پاؤں کے زیوروں کے نام ہیں ۱۲ ؎ تھرکنا ادا کے ساتھ جسم میں جنبش ہونا ۱۲ اشرف علی

یہ شوخی پھرتی بیتابی ایک آن کبھی نچلی نہ رہے
چنچل اچپل مٹکے چٹکے سر کھولے ڈھانکے ہنس ہنس کے
قہقہہ کی ہنساوٹ اور غضب ٹھٹھوں کی اڑاوٹ ویسی ہی

کنی مارے چٹکی لے کے چھیڑے جھڑکے دیوے گالی بھی
ہر آن چہ خوش، ہر دم اچھا، ہر بات خوشی کی چہل بھری
نظروں میں صاف اُڑا لے دل، اس ڈھب کی کافر عیاری
اور ہٹ جاوے سو کوس پرے گر بات کہوں کچھ مطلب کی
رمزوں کے ضلعے غمزوں کی جگت ٹھٹھوں کی اُڑاوٹ ویسی ہی   ضلع

قاتل ہر آن نئے عالم کافر ہر آن نئی جھمکیں
بانکی نظریں ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں
دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر وقت پھبن، ہر آن سجن، دم دم میں بدلے لاکھ سجیں
باہوں کی جھپک، گھونگٹ کی ادا، جوبن کی دکھاوٹ ویسی ہی

جو اُس پر حسن کا عالم ہے، وہ عالم حُور کہاں پاوے
گر پردہ منھ سے دور کرے، خورشید کو چکر آجاوے
جب ایسا حُسن بھبھوکا ہو، دل تاب بھلا کیونکر لاوے
وہ کھڑا چاند کا ٹکڑا سا جو، دیکھ پری کو غش آوے
گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی کھلاوٹ ویسی ہی

تصویر کا عالم نکھ سکھ[1] سے چھب تختی صاف پری کی سی
کچھ چین جبیں پر اینٹھ رہی اور ہونٹھوں میں کچھ گالی سی
بیدردی سختی بہتیری اور مہر و محبت تھوڑی سی

[1] نک سک و نکھ سکھ ۔ ناک نقشہ بقول مؤلف نور اللغات دہلی میں بکسر اول وضم ثالث اور لکھنؤ میں بکسر اول و سوم بولا جاتا ہے ۱۲ اشرف علی عفی عنہ

جھوٹی عیاری ناک چڑھی، بھولی بھالی بچی پیسی

باتوں کی لگاوٹ قہر ستم، نظروں کی ملاوٹ ویسی ہی

کچھ ناز و ادا کچھ مغروری، کچھ شرم و حیا کچھ بانک پنا
کچھ آمد حسن کے موسم کی کچھ کافر حسن رہا گدرا

کچھ شور جوانی اُٹھنی کا چڑھتا ہے اُمنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ اُبھرا جوش بھرا، وہ عالم جبن کا جھوم رہا

شانوں کی اکڑ، جوبن کی تکڑ، سج دھج کی سجاوٹ ویسی ہی

یہ کافر گدریا عالم، گھبرا اے پری بھی دیکھ جسے
وہ گورا صاف گلا ایسا، بہ جاوے موتی دیکھ جسے

دل لوٹے تڑپے ہاتھ ملے اور غش کھاوے جی دیکھ جسے
وہ گردن اونچی حسن بھری، کٹ جاوے صراحی دیکھ جسے

دائیں کی مڑت، بائیں کی پھرت مونڈھوں کی کھچاوٹ ویسی ہی

جب ایسے حسن کا دریا ہو، کس طور نہ لہروں میں بہیے
گر مہر و محبت ہو بہتر، اور جور و جفا ہو تو سہیے

دل لوٹ گیا ہے غش کھا کر، بس اور تو آگے کیا کہیے
مل جاوے نظیرؔ ایسی جو پری چھاتی سے لپٹ کر سو رہیے

بوسوں کی جھپک بغلوں کی لپک سینوں کی ملاوٹ ویسی ہی

---

(۵١١)

خواب کا طلسم

یارو، ذرا سُنو یہ عجب سیر ہے بڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم کڑی کڑی
صحن چمن میں ابر کی آکر لگی جھڑی
کل بے خبر ہو رات کو سو یا میں جس گھڑی
اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھکو وہ نادر محل سرا
جب اُس مکاں کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا
دل میں پری کے باغ کا مجھکو یقیں ہوا
دیکھوں تو اُس کا ہے درِ دولت سرا کھُلا
آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یونہیں میں اُس چمن زر فشاں میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائباں میں
جھمکے مکاں جو اُس کے مرے آن آن میں
کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر اک مکاں میں
سونے کی کھان ہے کہ یہی بھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن، کہیں شیشہ صراحی جام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام
طاق در واق اُس کے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے ہائے وہ کافر سی مہ لقا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا
اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
اور حُسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پڑی

خونریز ابرو، جان کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لیے تل رہی سیاہ

مہندی سے انگلیوں نے کیے خونِ بے گناہ
آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشکناب سی، چہرہ وہ چاند سا
جگنوں رہا گلے میں ستارہ سا جگ مگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا
جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھلک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

رکھے تھی اُس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبیں
شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
حسرت سے آن کر مری آنکھوں نے دان ہیں
دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا
تصویر بن رہی تھی لگا سر سے تا بپا
اُس دم بندھی تھی اُس کے غضب آن کر ہوا
اک فر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ، اک ہاتھ میں چھڑی

دیکھی جو واں پری نے طلسمات کی ہوا
عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اُس کی چمک جھمک کی بہاریں کہوں میں کیا
چمکا جو وہ مکان مری آنکھوں میں نور سا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکان تو میں نے نہ دیکھا تھا نہ سُنا
دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا
چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اُٹھا
اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اُٹھ گیا
بجلی سے کچھ چمک گئی آنکھوں میں اُس گھڑی

آ کر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ
لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ
کچھ چُلبلی نگاہ تھی، کچھ انکھڑیاں وہ شوخ
کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ
اتنے میں پھرتی اُس کی نظر مجھ پہ آ پڑی

اُس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیاں
بجلی تھی یا کہ تیر تھی، گولی تھی یا سناں

ل ہڑبڑی - ہلچل ۱۲ - اشرف علی

میری طرف کو دوڑ کے آئی تھی، ناگہاں میری نظر بھی دوڑ کے اُس کی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑی، خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب اُلفت کی آکے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشکِ ماہتاب اک بار کھلکھلا کے ہنسی اور اُٹھ شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آکر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بُلایا ہے کیوں مجھے دے خواب کو دُعا کہ نہ پاتا تو دوں مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں مجھے ہنس کر لپیٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اُس گلبدن سے جب کہ ملی آکے مجھ کو داد مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیونکر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد میری تو اُس پری سے یہی عین تھی مُراد
سنتے ہی دل کی کُھل گئی ہر ایک پھلجھڑی (نہ گل جھڑی)

پیالا پڑا جو مجھ کو اُس آبِ حیات سے جان آگئی بدن میں مرے اُس کی بات سے
آخر کو لے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے دو چار جام مجھ کو پلا اپنے ہات سے
سو ناز سے پلنگ پہ مرے پاس آپڑی

آنے سے اُس کے دل کا مرے کھل گیا چمن عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی بھرن[1]
نازک کمر وہ صاف شکم، اور وہ نرم تن اک گل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میرے چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کر بغل میں اُس کو لگایا جو ہیں گلے سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے درے[2]
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے سینے سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
(نہ لٹے) اُٹھنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

اِدھر تو جوش عشق، اُدھر حسن اور جنوں ناز و ادا کی آکے لگی ہونے ڈھب دھوں[3]

[1] بھرن۔ موسلادھار بارش
[2] درے۔ دروازے ۱۲
[3] دھپ دھوں لپاڈگی ارپیٹ ۱۲ اشرف علی لکھنوی

ان عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں ، چاہا میں اس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آکے یک بیک ، آنکھوں سے میرے اُس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی قرار گیا جل گئی پلک ، جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کالی گھڑی گھڑی

---

(۵۱۲)

دیگر

چلا جب گھر سے اک دلبر دیوں کو حسن سے چھلنے ، عرق کو رُخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے
لکھے تصویر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے ، لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

وہ گھڑے کی چھا اک آئینہ جس کو دیکھ ہو حیراں ، وہ کاکل کی کھلت جس پر فدا ہو سنبل و ریحاں
مسی اور پان سے بھی منفعل ہوں لالۂ[1] نافرماں ، مرا دل دیکھتے ہی اُس صنم کو ہو گیا شاداں
نگاہیں دمبدم سو عیش و عشرت سے لگیں ملنے

گئی بار اُس کی جانب میں نے جب بھر کر نظر دیکھا ، وہ عالم حسن کا اُس کے بہت مجھ کو پسند آیا
وہ پیاری پیاری آنیں اور وہ بھولا بھولا رخ اُسکا ، کبھی خوش ہو کے ہو ہو کی کبھی بولا اہا ہا ہا
عجب لوٹے مزے اُس وقت نظارے کی اٹکل نے

ہوئی دل کو مرے اُس آن حاصل کیا ہی خوشوقتی ، اُسے بھولا سمجھ کر میں نے دیکھی ہر ادا اُس کی

[1] لالہ نافرمان ایک قسم کا لالہ صرف نافرمان بھی کہتے ہیں ۱۲ اشرف علی

کبھی رُخ پر کبھی زلفوں کی جانب ٹکٹکی باندھی — نہ بولا منھ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری
مگر کچھ کچھ تبسم کے شکر لب سے لگا ملنے

وہ جس دم مسکرایا، پھر تو میں خوش ہو کے کھل کھیلا[۱] — ہوا دل کو یقیں میرے کہ یہ محبوب ہے بھولا
نہ یاں کچھ خوف تیوری کا، نہ یاں خطرہ ہی جھڑکی کا — مجھے کر جل سے غافل بھولی صورت کا بنا نقشا
کیا اک بار منھ غصّے سے سرخ عیار اچپل[۲] نے

مرے ہوش اُڑ گئے یارو جب اُسکی شکل یہ دیکھی — وہیں گھبرا گیا اور سٹ پٹایا، عقل سب بھولی
کہا دل میں کروں اب کیا سمجھ تو ہو گئی اُلٹی — اب اُس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیونکر اپنا جی
اُٹھا کر جھجک قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے

جب اُس عیار نے دیکھا کہ یہ اب یاں سے چل نکلا — کہا ہنس کر ارے پُرفن کہاں تو جانے پاوے گا
یہ سُن کر اور بھی گھبرا گیا میں خوف سے اُس جا — چلا ڈرتا جو آگے کو، تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا
اُڑا کر مفت نظارے بچا تم اب لگے ٹلنے

کہا جب اُس نے، یہ پھر تو حواس اپنے مجھے بھولے — ٹھٹھک کر رہ گیا اُس جا نہ ہرگز چل سکا آگے
دکھائی عاجزی منت بھی کی اور ہاتھ بھی جوڑے — ادب سے یوں کہا، اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے
لگے قطرے پسینے کے مرے منھ سے وہیں ڈھلنے

نہ آیا رحم کچھ اُس کو بہت میں نے سماجت کی — نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی
کمندِ زلفِ پُرخم نے بھی گردن دل کی پھر جکڑی — لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
اُدھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن و ادا لپٹی، کرشموں نے اُدھر گھیرا — اُدھر پلکوں کی نوکوں نے چبھو یا دل میں نشتر سا
ادھر انداز نے دھج کی کیا دیوانہ و شیدا — اُدھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باؤلا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

کرے کیا واں کوئی جس جا یہ صورت آن کر ٹھہرے — بچاوے دل کو پھر کیونکر کرے کیا، اور کسے روکے

۱ کھل کھیلنا ۔ جو جی میں آئے کہہ گزرنا یا کر گزرنا
۲ اچپل ۔ چلبلا ۔ شوخ ۔ اشرف علی

کہوں کیا اُس گھڑی کچھ بن نہ آیا دوستو مجھ سے | دکھا کر مجھ کو اپنے واں زبردستی کے یہ نقشے

وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیرؔ اُس شوخ چنچل نے

(۵۱۳)

خوابِ عشرت

کل دیکھا خواب عجب ہم نے اک چنچل شوخ پری جھٹ سے
اک بار گلے سے آلپٹی اور لیٹ پلنگ پر جھٹ پٹ سے
سینے سے سینہ لگتے ہی دل جوش میں آیا جھٹ پٹ سے
کچھ اور ارادہ تھا دل میں، کمبخت کسی کی آہٹ سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

تھا اور مکاں اک خلوت کا، اور عیش کی چیزیں تھیں دو سے
ہو مست نشوں میں آلپٹی دل کھول خوشی سے پی کر مے
ہٹ پھیری ہوئی جب مستی میں اقرار ہوئی جب وہ بھی تے
کیا عیش ملا تھا قسمت سے اک بار وہیں اس میں اسے ہے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اُس شوخ پری کے جوبن کا اک باغ کھلا تھا، کیا کہیئے
اور سُرخ بدن میں جوڑا تھا اور عطر لگا تھا، کیا کہیئے
دیکھ اُس کا سینہ حسن بھرا کیا جوش اُٹھا تھا کیا کہیئے

سب دل کی دل کے بیچ رہی، کیا عیش مزا تھا کیا کہیے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اک سُرخ پلنگ تھا نازک سا، اور اُس پر سو تی تھا ری
جب نیچے اوپر ہو لیٹے، کیا عیش ہوے بھاری بھاری
جس وقت وہ نوبت آ پہونچی چھوٹ جاے...... کی پچکاری
اتنے میں چھٹتے چھٹتے ہی یہ آن پڑی سر پر خواری
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جو عیش مزے کی خواہش تھی موجود ہوئی تھی آکر سب
باہوں سے باہیں، منھ سے منھ، چھاتی سے چھاتی لب سے لب
جس بات کی ساری لذت ہے، اُس بات کی آکر ٹھہری جب
اور عیش طرب کے ہوتے ہی کیا قہر ہوا یہ، ہاے غضب
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جس وقت پلنگ پر پہلو میں وہ چنچل اچپل جان پڑی
اُس جان صنم کے آتے ہی اس سُست بدن میں جان پڑی
گھٹنوں سے گھٹنے جا لپٹے، اور ران کے اوپر ران پڑی
.. بھی ہونے نہیں پایا، جو ہاے یہ آفت آن پڑی
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

یہ تار بندھا تھا عشرت کا، جو عیش پڑا لہراتا ہے
اور وقت . . . کے چھٹنے کا آیا تو نہیں، پر آتا ہے
اتنے میں سر پر کشتیبان نرسنگا آن بجاتا ہے
کیا قہر ہوا ہے کیا کہیے، اس بات پہ رونا آتا ہے

جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا عیش و طرب کی ٹھہری ہے، اور نیچے اوپر آنے سے
سب چور اُچکّے سے بچ کر جا پہونچا مال ٹھکانے سے
جی ڈوب رہا تھا لذت میں اس عشرت عیش اُڑانے سے
اک بلّی اس میں چیخ پڑی، اُس خندی کے چلّانے سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

اس وقت نشے کی لذت میں آلپٹ ہوئی تھی اس گوں سے
کچھ تیر نگہ کے چلتے تھے، کچھ تیغ اُگلتی تھی بھوں سے
لگتے تھے ڈنکے عشرت کے، اور عیش کے بجتے تھے دھونسے
اک کُتّا اس میں بھونک اُٹھا، اس وقت اُسی کی بھوں بھوں سے
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

کیا دھوم مچی تھی عشرت کی، اور عیش اُبلتے تھے بَہ بَہ
وہ ہم سے دوڑ لپٹتی تھی، ہم اُس سے لپٹتے تھے رہ رہ
کیا سخت مصیبت آن پڑی، اس عیش کے عالم میں وہ وہ
کمبخت گدھا اک رینک اُٹھا یکبارگی ڈھیچو ڈھیچو، کہہ
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

جب ہوگی صبح تو، اے یارو، میں کیا کیا ہاتھ اُتاروں گا
اس کُتّے بلّی کے پتھر، اور لٹھ گدھے کے ماروں گا
نرسنگے والے کو بھی اب خوب سا میں للکاروں گا
یہ بات نظیرؔ، اس عشرت کی میں کیونکر ہائے بساروں[1] گا
جب عین مزے کا وقت ہوا جب کھل گئی آنکھ مری پٹ سے

[1] بساروں گا = بیان کروں گا — اشرف علی

۵۱۴

دیگر

ہے دید فقط منظور جنھیں، وہ ہوکر جب بیکل نکلے
کیا کام انھیں جو ہنس بولے یا شوخی میں چنچل نکلے
آپہونچے اُسکے کوچے میں جو لیکر دل چنچل نکلے
ہے مقصد جنکے دیکھنے سے وہ گھر سے جب اک پل نکلے

ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ پوچھا اُن سے کون ہو تم، نہ اپنے جی کی بات کہی
جب چھوڑی خواہش بوسے کی پھر کاہے کو دشنام سہی
نہ کرنا کچھ انکار پڑا، نہ کہنا ٹھہر ایوں ہی سہی،
جب نکھ ہو گئے چنچل سے سب چھوڑ ہوس یہ بات رہی

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے، اور چل نکلے

بےچین ہوا دل سینے میں گر دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی
بازار گلی اور کوچے میں ہر ساعت ہیر اپھیر ہوئی
گھبرا کے نکلے بےبس ہو، اور شوق کی گھیر اگھیر ہوئی
تھی چاہ نظر بھر دیکھنے کی، جس جاگہ پر مٹ بھیڑ[1] ہوئی

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ خواہش پاس بٹھانے کی، نہ منت زلف کھلانے کی
ہے جی میں چاہ بھری ایسی جو شمع سے ہو پروانے کی
نہ غرض مِسی کے ملنے کی، نہ محبت پان چبانے کی
جس جاگہ پر مٹ بھیڑ ہوئی ہے طرز یہی جل جانے کی

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اک آن نہیں کل پڑتی ہے ہر آن کی جھٹک لانے میں
نہ ایما نہ تصریح رہی کچھ دل کا حال جتانے میں
نہ دخل جھڑکی کھانے میں نہ شامل ناز اُٹھانے میں
بس ایک غرض ہم رکھتے ہیں، یہ اُس تک آنے جانے میں

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ہے حسن بھی اُسکا نازبھرا، اور آن و ادا بھی بانکی ہے
سر پاؤں سے لے اُس چنچل میں سو زینت اور زیبائی ہے

[1] مٹ بھیڑ۔ مٹھ بھیڑ۔ مڈ بھیڑ۔ منڈ بھیڑ۔ سب کے آخر میں ڑ ثقیل ہے۔ مگر یہاں چونکہ یہ قافیہ واقع ہوا ہے اسلئے ہی سے پڑھنا پڑے گا ۱۲۔ اشرف علی

جب گھر سے وہ دلبر نکلے، دل دیکھنے کا شیدائی ہے — ہم کو تو نظیر اس الفت میں اب طرز یہی بن آئی ہے
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

۵۱۵

دیگر

دکھلا کے جھمک جس کو ٹک چاہ لگا دیجے — پھر اس کو بہت اے جان بالا نہ بتا دیجے
سو ناز اگر کیجے الفت بھی جتا دیجے — منظر کے ذرا در کو آگے سے ہٹا دیجے
پھر ایک نظر اپنے کھڑے کو دکھا دیجے

دیکھی ہے تمہارے جو چہرے کی جھمک اے جاں — دل سینے میں تڑپے ہے جو دیکھ لے پھر اک آن
ہے ہم کو بہت مشکل، اور تم کو بہت آساں — ہے عرض یہی اب تو اے بادشہ خوباں
پھر ایک نظر اپنے کھڑے کو دکھا دیجے

چھپتے ہو عیاں ہو کر ہو تم اگر اس ڈھب کے — عاشق بھی تو شیدا ہیں چاہت ہی کے مطلب کے
دیدار کی خواہش میں ہم یاں ہیں کھڑے کب کے — جس ڈھب سے دکھایا تھا ویسی ہی طرح اب کے
پھر ایک نظر اپنے کھڑے کو دکھا دیجے

آنکھیں بھی ترستی ہیں اور دل بھی بہت حیراں — کل پڑتی نہیں اک دم بن دیکھے ہوئے اے جاں
گر حسن دکھا ہم کو بے تاب کیا ہے یاں — تو مہر سے ٹک ہنس کر اے رشک مہ تاباں
پھر ایک نظر اپنے کھڑے کو دکھا دیجے

آئی ہے نظر ہم کو جب سے وہ طرحداری — ٹھہری ہے اسی دن سے خاطر میں طلبگاری
ٹک لیتے تمہیں ہم تو جو ہوتی نہ ناچاری — گر ہم کو جلانا ہے تو کر کے نموداری

پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

چھپنے کی اگر تم نے یاں آن سنواری ہے
بن دیکھے ہوئے ہم کو ہر سانس کٹاری ہے
تو بس نہیں کچھ اپنا مرضی یہ تمھاری ہے
کچھ اور نہیں خواہش یہ عرض ہماری ہے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

دل بحر محبّت میں ہر آن جو بہتا ہے
جی ہد سے بہت بے بس دکھ دوری کے سہتا ہے
اک آن تمھیں دیکھیں ارمان یہ رہتا ہے
بیکل ہے نظر اب تو اے جان یہی کہتا ہے
پھر ایک نظر اپنے مکھڑے کو دکھا دیجے

(۵١٦١)

دیگر

جس دن سے ادا جھ کو اُس بت کی لگی پیاری
دل پھنس گیا زلفوں میں اُس شوخ کی اک باری
اور کھپ گئی آنکھوں میں چنچل کی طرح داری
دیوانگی آپہونچی، جاتی رہی ہُشیاری
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

ملتا ہوں جو ٹک جا کر تو مجھ سے وہ لڑتا ہے
گردن کو پکڑ میری سر کو بھی رگڑتا ہے
کچھ بات جو کہتا ہوں جھنجلا کے جھگڑتا ہے
جو جو وہ دکھاتا ہے سب دیکھنا پڑتا ہے
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

اک چاہ کے دریا میں دن رات میں بہتا ہوں
ہر دم کے ستم اُس کے میں کھینچتا رہتا ہوں
غوطہ بھی جو کھاتا ہوں تو کچھ نہیں کہتا ہوں
جو ظلم وہ کرتا ہے، ناچار میں سہتا ہوں
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

صورت جو کبھی اُس کی ٹک دیکھنے جاتا ہوں — تیوری وہ چڑھاتا ہے، میں خوف میں آتا ہوں
جھڑکے ہے خفا ہو کر جب چال دکھاتا ہوں — وہ گالیاں دیتا ہے، میں سر کو جھکاتا ہوں
کیا کیجے ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

دل دے کے مجھے یار دکھ درد ہوا لاہا — پلکوں نے ستمگر کی اب دل کو مرے راہا
روتا ہوں تو کہتا ہے، کیوں تو نے مجھے چاہا — جتنا وہ ستاتا ہے، کہتا ہوں اہا ہا ہا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

کہتا ہے تجھے میں تو ہر آں کڑھاؤں گا — کچلوں گا ترے دل کو، اور جی کو جلاؤں گا
کوچے سے نکالوں گا، ہر وقت ستاؤں گا — میں اُس سے یہ کہتا ہوں جی سب یہ اُٹھاؤں گا
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تقصیر نہ ہووے گی کچھ خدمت سامی میں — ہو گا وہی آوے گا جو رائے گرامی میں
آنے کی نہیں خاطر ہرگز مری خامی میں — حاضر ہے نظیرؔ اے جان اس وقت غلامی میں
کیا کیجے، ہوئی اب تو یاں دل کی گرفتاری

تمام شد مخمسات

مسدسات عاشقانہ نظر

(۵۱۷)

جدائی

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جُدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی ستم جدائی کا

دلے نہ دیکھا تھا درد و الم جدائی کا
بڑا ہے مرگ سے ایک ایک دم جدائی کا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

گھڑی گھڑی میں تڑپ کر اُٹھے ہے دل سے آہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ

جگر کے ٹکڑے نکلتے ہیں اشک کے ہمراہ
یہی کہے ہے وہ سینے سے سرد بھر کر آہ

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلاوے غم جدائی کا

مجھے نہ کیونکہ مرے دل میں داد اور بیداد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہی شاد

کہ تھے جو عیش و طرب سب وہ ہوگئے برباد
بھلا میں کس سے اب اس ظلم کی کروں فریاد

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں
گلی میں اُس کی کبھی جا کے سر ٹپکتا ہوں
کبھی دوانہ ہو جنگل میں جا بھٹکتا ہوں
نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ تن سے جان نکلتی ہے اب جو صبر آوے
نہ دل میں زور رہے جو تاب صبر کی لاوے
نہ موت آوے، نہ یار آ کے منہ کو دکھلاوے
یہ حال ہو تو کوئی، آہ پھر کدھر جاوے

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

پھروں ہوں وحشت بیاباں میں رات دن غمناک
جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال، جگر خستہ، اور گریباں چاک
یہ جس پہ آن پڑے غم وہ کیا جیے پھر خاک

غضب ہے، قہر ہے، یار و، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہیں
تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
جو آشنا ہیں مرے مجھکو دیکھ رہتے ہیں
سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہیں

غضب ہے، قہر ہے، یار و، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو میکدے کی طرف کو کبھی کروں ہوں گذار
تو دیکھ مجھ کو پریشاں، خراب و خستہ و خوار
پیالہ چشم کا آنسو سے بھر ہر اک میخوار
جگر سے کھینچے ہے آہ! اور یہی کہے ہر بار

غضب ہے، قہر ہے، یار و، ستم جدائی کا

خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا — تو واں بھی، ہائے، ذرا دل نہیں ہی ٹھہراتا
جدھر کو جاؤں اُدھر غم جگر کو ہے کھاتا — عجب خرابی ہے، کچھ ہائے بن نہیں آتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشق محروم — میں ہنس کے کہتا تھا دل میں عبث یہ ہے مغموم
مچی جو مجھ پہ بھی آکر فراق کی یہ دھوم — وہ اُس کا درد مجھے، ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو کوئی پوچھے ہے کیا تجھ پہ دکھ پڑا ایسا — کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اسقدر شیدا
میں اُس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سُنا — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ بھوک لگتی ہے، نہ نیند منھ دکھاتی ہے — جو دن پیے ہے لہو، رات مجھکو کھاتی ہے
نہ دل لگی، نہ کوئی چیز مجھ کو بھاتی ہے — کلیجا ٹوٹے ہے، اور چھاتی اُمڈی جاتی ہے

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

نہ سُدھ ہے سیر کی مجھ کو، نہ انجمن کی خبر — نہ یاد باغ کی ہے، اور نہ شہر و بن کی خبر
نہ دھیان جسم کا، اور کچھ نہ پیرہن کی خبر — نہ ہوش دل کا ہے، نہ مجھکو تن بدن کی خبر

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

جو مجھ پہ آن پڑا دن سیاہ، مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب نباہ، مت پوچھو

ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ، مت پوچھو
جو ظلم مجھ پہ گذرتا ہے آہ! مت پوچھو

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جُدائی کا

جدائی ہائے محبّت کی کیا بُری ہے شے
نظیر ہجر کے اب غم کو رو دیئے تا کے

کہ دل نہ بزم میں بہلے، نہ خوش لگے ہے مَے
بہت بُرا ہے یہ عاشق کے حق میں دکھ ہی ہے!

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلا دے غم جدائی کا

۵۱۸

مجبوری محبّت

اس شوخ کے ستم کا گلہ، آہ، کیا کروں؟
بہتے ہیں اشک شام و سحر گاہ، کیا کروں؟

تن سُوکھ کر ہوا ہے مرا کاہ، کیا کروں؟
ملتا نہیں ہے تو بھی وہ گُمراہ، کیا کروں؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

جس دن سے اس سے آن کے پھوٹا مرا نصیب[1]
ہوں جاں کنی میں، تو بھی نہیں جاگتا نصیب

دل بھر کے ایک دن نہ ہوا دیکھنا نصیب
کن سختیوں میں آن پڑا اب میں یا نصیب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے اے مرے اللہ کیا کروں؟

[1] اس سے نصیب پھوٹا یعنی اس سے پالا پڑا ۱۲

ایدھر تو مجھ کو قتل کرے ہے وہ نیک نام
اب یار کو مناؤں، کہ رکھوں اجل کو تھام

اُودھر کو آرہے ہیں اجل کے مجھے پیام
اس کشمکش میں اب کہو کیا کیا کروں میں کام؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں؟
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں؟

گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا
عرصہ تھا زندگی کا سو گھڑیوں پہ آ لگا

اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ بُرا
اس دو گھڑی میں آہ، میں کیا کیا کروں بھلا؟

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ کیا کروں

گر اپنی زندگانی کا کرتا ہوں اب حساب
کیونکر بہے نہ غم سے مرے آنسوؤں کا آب

پل مارنے کی دیر ہے، پانی کا جوں حباب
اتنی سی زندگی میں بھی کیا کیا سہوں عذاب

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

جو جی چھپا کے اب نہ سہوں یار کی جفا
اور جی کو دیکھتا ہوں تو اک دم کی ہے ہوا

تو عاشقوں کے بیچ کہاتا ہوں بے وفا
ان مشکلوں کے بیچ کروں آہ، اب میں کیا

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

گر ہاتھ دھو کے بیٹھ رہوں اب میں صبر کر
اور یار سے ملوں تو وہ کرتا نہیں نظر

یہ لوگ طعنہ دیتے ہیں ہنس ہنس کے گھر بہ گھر
اس بیکسی میں آہ کہاں ٹیکوں اپنا سر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

نہ آہ کا مکاں ہے نہ رونے کی اب ہے جائے
نہ دل کو میرے صبر، نہ دلدار منہ لگائے

گر ایک غم پڑے تو مرا جی اُسے اُٹھائے | اس آسماں پھٹے کو کہوں کس سے اب میں ہائے

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

گر یار کی گلی میں رہوں جا کے بے قرار | تو سختیوں سے مجھ کو اُٹھاتا ہے بار بار
ہر آن توڑتا ہے مری آس بار بار | اس دردِ غم کو آہ میں کس سے کہوں پکار

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

روؤں تو مجھ کو اور رُلاتا ہے وہ حبیب | بولوں تو یوں کہے ہے کہ چل مت نکال حبیب
گر غم دیکھتا ہوں تو آ پہونچی عنقریب | اور یار سے سلوک یہ ٹھہرے ہیں، یا نصیب!

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں؟

چاہوں کہ مجھ کو عشق میں اپنے کرے اسیر | تو دور بھاگتا ہے مجھے جان کر حقیر
نہ مجھ کو قتل کرتا ہے ظالم، نہ دستگیر | کیا بیطرح کے غم میں پھنسا ہوں میں اے نظیر

فرصت تو سانس کی بھی نہیں، آہ کیا کروں
کیا بے بسی ہے، اے مرے اللہ، کیا کروں

(۵۱۹)

فراق

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلک اظلم کہیں | جی ترستا ہے کہیں، اور چشم ہے پُرنم کہیں
ہم یہ جو گذرا ہے وہ گذرا کسی پر کم کہیں | نہ تسلی ہے، نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاوین غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

نذیر

تم وہاں بیٹھے ہو ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب
بیقراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب

نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہی خواب
کیا کہیں، تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھون سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خونبار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دل بیمار سے

رات دن سر کو ٹپکنا ہر در و دیوار سے
ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

یاد آتی ہے تمھاری اُلفتوں کی جب کہ چاہ
پاؤں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ

دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
کیا غضب ہے، کیا کریں کچھ بن نہیں آتی ہے آہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

نہ کسی سے مہر و اُلفت، نہ کسی سے پیار ہے
دل اُدھر سینے میں تڑپے، جی ادھر بیمار ہے

نہ کوئی اپنا رفیق، اور نہ کوئی غمخوار ہے
کیا کہیں اب تو بہت مٹّی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

گھر میں جی بہلے، نہ باہر انجمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحراؤں میں، نہ بن میں دل لگے

نہ خوش آوے سیر، نہ سرو و سمن میں دل لگے
اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

پر نہیں اُڑ کر تمہارے پاس جو آجائیے
جی ہی جی میں کب تلک خونِ جگر کو کھائیے
چشم تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے
دل سمجھتا ہی نہیں، کیونکر اسے سمجھائیے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

دم بدم بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس بیدل کی طرح
نالہ و فریاد ہیں ہر آن گھائل کی طرح
سر پٹکنا اور تڑپنا رات دن دل کی طرح
خاک خوں میں لوٹتے ہیں اب تو بسمل کی طرح

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

اب جو اپنے حال پر ہم خوب کرتے ہیں نگاہ
ہر گھڑی مثل نظیر اس غم سے ہے حالت تباہ
ہے جو ظلم و ستم ہم پر کہیں کیا تم سے، آہ!
بن موئے اب تو نظر آتا نہیں ہر گز نباہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی جو تم کہیں اور ہم کہیں

(۵۲۰)

التماس اخلاص

اپنے غمخواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے
دردمندوں کا نکال ارمان ہنس لے بول لے
پھر کہاں یہ دلبری یہ آن ہنس لے بول لے
دم غنیمت ہے ارے نادان ہنس لے بول لے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار
کوندنا بجلی کا اور جوبن کا مت کر اعتبار
چاہنے والے سے کرلے کچھ سلوک و مہر و پیار
کاٹھ کی ہانڈی نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار[۱]

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو منھ گل ہے پیارے پھر دھتورا آکھ[۲] ہے
جو اٹھا شعلہ بھبھو کا آخرش کو راکھ ہے
آج یہ گلشن کھلا ہے کل کو سوکھا ساکھ[۳] ہے
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ[۴] ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اس قدر مت کر مری جان اپنے جوبن پہ گمان
جب گریں دانت اور پڑیں چہرے کے اوپر جھریاں
یہ نہیں رہتا سدا کافر کسی کے پاس ہاں
پھر یہ ہنسنا بولنا اور پھر یہ اچھلیاں[۵] کہاں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

ایسا کوئی حسن والا آہ تو ہم کو بتا
جس کی خوبی کا ہمیشہ ایک سا عالم رہا
کیوں خفا ہوتا ہے ہم سے یاد رکھ اے دلربا
ہاتھ آتا ہے نہیں کافر یہ جوبن جب گیا

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیا ہمارا حال دل خوبی تجھے کہتی نہیں
آہ کھیتی حسن کافر کی ہری رہتی نہیں
یا ہماری چاہ تیرے ناز کو سہتی نہیں
ناؤ کاغذ کی ہے پیارے یہ سدا بہتی نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیسے کیسے خوبرویاں ہو گئے ہیں میری جان
اپنے غمخواروں سے کیا کیا کر گئے ہیں خوبیاں

[۱] کاٹھ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی ضرب المثل ہے ۱۲
[۲] آکھ۔ مدار کے درخت کا نام ۱۲
[۳] سوکھا ساکھ یعنی خشک ۱۲
[۴] یہ پورا محاورہ ہے۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیرا پاکھ ۱۲
[۵] اچھلیاں یعنی شوخیاں ۱۲
اشرف علی عفی عنہ

تو جو روٹھا روٹھا ہم سے رہتا ہے نامہرباں — دیکھ پچھتا وے گا غافل حُسن پہ مت کر گماں

ماں نے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

حسن کا عالم ستمگر ہر گھڑی ملتا نہیں — گل بھی کھل کر ایک باری جان پھر کھلتا نہیں
مجھ سے تیرا روٹھنا ہر دم کا اب بھلتا نہیں — دودھ اور رول جب پھٹا پیارے، یہ پھر ملتا نہیں

ماں نے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تو عاشق کا سر ہے جان، تیرا پاؤں ہے — منتیں ہوتی ہیں اور تیری نہیں کچھ بھاؤں[1] ہے
اب یہ معشوقی کا سکہ آج تیرے ناؤں[2] ہے — بھول مت اس پر میاں، یہ ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے

ماں نے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب گھبرائینگے — لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہی کلپائینگے
بات کو ہنس نے کو، دے دے جھڑکیاں ترسائینگے — پانڈے جی پچھتائینگے، وہی چنے کی کھائینگے

ماں نے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پری رو بن رہے — چاند سے مکھڑے رہے، اور گل سے اُنکے تن رہے
نہ کسی کا دھن رہے، اور نہ سدا جوبن رہے — نہ سدا بھولے[3] ترنگی، اور نہ سدا ساون رہے

ماں نے کہنا مرا اے جان، ہنس لے، بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان، ہنس لے، بول لے

اب تو چہرے پر ہے تیرے حسن و خوبی کی جھلک — خواہ تو ہنس بول ہم سے خواہ غصہ ہو جھڑک
لیک جب جاتی رہے گی یہ جھمک اور یہ چمک — پھر جو بولے گا تو ہر ایک یوں کہے گا، چل نہ بک

[1] یعنے تیرے بھاؤ دیں نہیں ۱۲
[2] متقدمین نام کے بجائے ناؤں بھی لکھتے تھے ۱۲
[3] یعنی ہمیشہ ایک سے دن نہیں رہتے ۱۲
اشرف علی لکھنوی

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس رے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس رے بول لے

اب نظر آگے ترے رہتا ہے حاضر صبح و شام
پھر کہاں یہ دلبری، یہ عیش کی باتیں، کلام
پیار سے ہنس بول پیارے پی لے الفت کا جام
کچھ نہ رہوے گا، رہے گا آخرش اللہ کا نام

ہاں رے کہنا مرا اے جان ہنس رے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس رے بول لے

(۱۸۵)

اشتیاق دیدار

کیا تاب ہے جو گل رُخ نظریں چھپائے ہم سے
ہم وہ میاں ہیں، اللہ پالا نہ ڈالے ہم سے
کچھ ہو، یہ دو نگاہیں ہنس کر ملائے ہم سے
رہتے ہیں ہاتھ باندھے اب حسن والے ہم سے

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اس حسن کا پڑا ہے کانوں میں جب سے جھنکا[1]
دیدار کی طلب کو پیالا بنا نین[2] کا
ہو کر فقیر ہم نے جامہ رنگا ہے تن کا
سیلی پہن کے تا کا، منکا پھرا کے من کا

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو، آنکھیں لڑائے ہم سے

اپنی تو عشق میں ہی گذری جوانی پیری
اے دل جلوں کے دلبر، ہے وقت دستگیری
یا کاکلوں کے پھندے، یا زلف کی اسیری
تیرے ہی دیکھنے کو اب ٹھان کر فقیری

اک دم کو آ گئے ہیں، منھ مت چھپائے ہم سے

[1] جھنکا در شاید بمعنے جھنکار لیا گیا ہے ۱۲ [2] نین آنکھیں ۱۲ اشرف علی لکھنوی

ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری — زنار باندھی، قشقہ کھینچا ہے ہو بچاری
جوگی بھی بن چکے ہیں، مندیل[۵] بھی سنواری — آزاد بن کے اس دم ہیں دید کے بھکاری

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

بانکے بھی ہو کے ہم نے اس دید کو اڑایا — شمشیر اور سپر کو اک عمر کھڑکھڑایا
بانک دیا، دبلم گدکا دلٹھ پھرایا — جھمکا تمہارا اس دم ہم کو جو یاد آیا

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچا[۳] ہے کا پالا — اس حال میں بھی کتنے خوباں کو دیکھ ڈالا
پنجرا، گلہری، طوطا، شکرا، اشکارہ والا — اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے لالا

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اتارا — کتنے پری رخوں کو جا پیر سے میں مارا
تصویریں بیچنا بھی کتنے دنوں بچارا — اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر، یارا

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا — سو گل بدن کے تن کو من مانتا مروڑا
جو ڈھب تھا اس ہنر کا کوئی نہ ہم نے چھوڑا — اب خوبرو کا پیارے دنیا میں دیکھ توڑا

اک دم کو آگئے ہیں، منھ مت چھپا لے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑا لے ہم سے

---

۵ مندیل پٹکا زریں عمامہ ۱۲
۳ بچارا یہاں اختیار کیا کے معنی میں ہے دوسرے مصرع میں یارا میں الف زائد ہے جو کہ زمانہ اردو میں فصیح نہیں سمجھا جاتا ۱۲ اشرف علی

جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اُڑائے
گھٹ والے بن ہزاروں چھلیے تلک لگائے
کنکوّے[۱]، چنگ، گڈی تکلیں، پتنگ بنائے
ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں مزے سمائے

اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

پھر لال بھی لڑائے، اور گلدم بھی پالیں
ڈبیوں میں ڈال لکھی بل کمریاں بنالیں
جنگل میں کل لگائی، اور بدڑیاں سنبھالیں
کیا کیا نہ ہم نے پیارے، پھر پدکیاں[۲] نچالیں

اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

اس شہر میں ہزاروں گو خوبرو بتاں ہیں
کس میں یہ اچپلاہٹ، کس میں یہ شوخیاں ہیں
لیکن بتاؤ کس کی یہ پیاری انکھڑیاں ہیں
انداز گرے دل میں تجھ میں جو خوبیاں ہیں

اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

خیر آدمی ہو کے ہم نے لٹو چکئی[۳] بنائے
پھر ہو کے سرمہ والے، سرمہ بہت لگائے
اُس میں بھی کتنے لڑکے خراد پر چڑھائے
ریچھوں تلک لڑائے، بندر تلک نچائے

اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

اب تو نظیر تیرا ہے مہمان، پیارے
بوسے کئی دلادے ہونٹوں سے، جان پیارے
آ کر گلے لپٹ جا، اے مہربان پیارے
تیرے ہی دیکھنے کا رکھ دل میں دھیان پیارے

اک دم کو آگئے ہیں، منہ مت چھپالے ہم سے
ٹک ہنس کے، او پری رو، آنکھیں لڑالے ہم سے

[۱] یہ سب کنکوے کی قسموں کے نام ہیں ۱۲
[۲] پدی کی ایک چھوٹے پرند کا نام ۱۲
[۳] چکئی ایک گول تراشی ہوئی لکڑی جو بیچ سے خالی ہوتی ہے اور جس میں تاگا باندھ کر نیچے دور پھینکتے ہیں اور ہاتھ کے اشارہ سے وہ پھر تاگے کو درمیان میں لپیٹتی چلی آتی ہے ۱۲ اشرف علی لکھنوی

(۵۲۲)

وصل و فراق

گاہے بخندہ لب شکر آمیز می کنی
ہر ناز دل فریب و دل آویز می کنی
گاہے بہ عشوہ غمزۂ خونریز می کنی
القصہ ہر ادا ستم انگیز می کنی
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتش ما تیز می کنی

پہلے لگائی دل کو مرے تو نے اپنی چاہ
سمجھے ترا فریب ہم، اے شوخ کج کلاہ
جب لگ چلے ہم "آہ"، لی تو نے اپنی راہ
اچھی یہ رسم تو نے نکالی ہے، واہ واہ
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

اوّل دکھا کے دور سے وہ حسن مہر سوز
ہم دیکھتے ہی رہ گئے آشفتہ تیرہ روز
پھر چھپ گیا تو دل میں لگا تیر سینہ دوز
سوچا جو ہم نے خوب تو اے شمع دل فروز
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

روویں نہ تیرے ہاتھ سے ہم کیونکہ زار زار
اب ہم تو بے قرار ہیں اور تو خوشی ہے یار
دلدار بن کے تو نے کیا ہم کو دل فگار
کیونکر نہ ہو خوشی کہ ترا ہے یہی شعار
دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

غرفے سے پہلے جھانک کے چہرہ دکھا دیا
اپنا بڑھایا حسن، کیا ہم کو مبتلا
جب ہم نے کی نگہ، تو لیا پردے میں چھپا
صد آفریں ہے، اے مرے عیار مہ لقا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

زلفوں کا اپنی ہم کو دکھا تو نے پیچ و تاب
جب پھنس گئے ہم، آہ، تو جھٹکا دیا شتاب
ڈالا ہمارے دل میں تعشق کا اضطراب
اب فطرتوں کا تیری، غرض، ہے یہی جواب

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

مکر و فریب تو جو کرے ہے نیا نیا
تیری جو شوخیوں سے وہ آگاہ لیک تھا
وہ سب نظیرؔ جانے ہے، اے شوخ دلربا
سعدیؔ بھی جبھی یہ بیت گلستاں میں لکھ گیا

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتشِ ما تیز می کنی

(۵۲۳)

رضا جوئی

گر تجھ میں، اے پری رو، یا مہر یا جفا ہے
کر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہے
یا راستی کا ملنا یا سر بسر دغا ہے
ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و بد کیا ہے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

کچھ دل میں ہے، تو دل کی آبادیاں بھی کر لے
بیدرد ہے تو، ظالم بیدادیاں[1] بھی کر لے
جور و ستم کی اپنے اُستادیاں بھی کر لے
جلاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کر لے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

[1] بیداد کی بجائے بیدادی گو شروع دور میں اُردو میں صحیح ہو۔ مگر متروک الاستعمال ہے ۱۲ اشرف علی

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اُٹھا دے
ہم سب طرح سے خوش ہیں، رکھ یا ہوا بتا دے
عاشق ہیں نرقلندر[۱]، چاہے جہاں بٹھا دے
یا عرش پر چڑھا دے، یا خاک میں ملا دے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

گر دہر سے بلا دے تو خوب جانتے ہیں
اور جور سے ڈبا دے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھ کو مرغوب جانتے ہیں
اور اُس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

اک دن وہ تھا کہ ہم پر تھے عیش کے دھڑاکے
یاں مطلبوں کے ہم پر، اور غیر پر کڑاکے
اب غیر پر کرم ہے، اور ہم پہ ہیں جھڑاکے
ہم سب طرح خوشی ہیں، سُنتا ہے او لڑاکے!

راضی ہیں ہم اسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو، پیارے
یا تیغ کھینچ ظالم، ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو، یا تن سے سر اُتارے
اب تو نظیر عاشق کہتے ہیں یہ پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں، جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے

(۵۲۴)

دید بازی

پھبتا ہے اُس کو، یارو، دم عاشقی کا بھرنا
ہو یاد جس کو سو سو گل پھول کا کترنا[۲]
جس گھاٹ حسن اُترے اُس گھاٹ ہی اُترنا
جس ڈھب کا حسن دیکھا اُس ڈھب ہی کر گذرنا

۱۔ نرقلندر۔ بڑے قلندر ۱۲
۲۔ گل کترنا عجیب کام کرنا۔ اب یہی محاورہ ہے۔ ممکن ہے کہ زمانۂ قدیم میں گل پھول کترنا محاورہ ہو ۱۲ اشرف علی

سو کر د فن بنانا، سو رنگ روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن بھاری شہ زور یا جبّاڑا[1]
ڈنڈ پیل، بھان مگدر، لیزم سے خم کو جھاڑا
تو پہلوان بن کر کھودا وہیں اکھاڑا
اس پیچ سے ہی گل رو میٹھے کو دھر پچھاڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن تھا چمکتا قاتل کا مثل گتکا
بانک اور پٹا ہلایا، محنت سے ہو کے لتا
تو لکڑی باز بن کر پھینکا پھری بھی گتکا
راوت ہی بن کے مارا اُس پر بھی اپنا ہتا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے، خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن بانکا، تو بن کے ٹیڑھے بانکے
کرخانہ جنگی اُس سے کھائے بدن پہ ٹانکے
تیغ و سپر، تمنچے باندھے ہیں سب جہاں کے
ٹانکے تو کھائے لیکن پھنکے بھی خوب پھانکے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

تصویر سی کسی کی صورت جو دی دکھائی
گلیوں میں سیر دیکھی، میلوں میں جا لگائی
تو بن کے پھر مصور تصویر ہی بنائی
اس شکل سے ہی اکثر کی حسن کی کمائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لقّے[2] کی طرح دل کو جب حسن نے مروڑا
دکھلا لکھی کا پٹھا، یا شسترو کا جوڑا
تو پال کر کبوتر اُس سے ہی دل کو جوڑا
کیسا ہی پر گھرگرا[3] تھا پر موٹھ سے نچھوڑا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا

[1] جبّاڑا۔ شاید جبر کرنے والے کے معنے میں لیا ہے جبار سے بگڑا ہوا
[2] لقا۔ لکھی وغیرہ کبوتروں کی قسموں کے نام ہیں ۱۲۔ اشرف علی
[3] گھرگرا۔ دو ڈھائی برس کے کبوتر کو کہتے ہیں۔ یہ بھی لڑا ہوا ہوتا ہے مگر صرف دو ایک لڑائی کا ۱۲ شہبانہ

عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حُسن، یارو، جوں لعل یا انگارا — تو لعل چٹّی کا ہی پھر پالنا بچارا
کل یا کہ جال روکا اور لعل کو اُتارا — اُس لعل کے ہی ڈھب میں اس پر بھی جال مارا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

بازاری حُسن دیکھا تو کر کے دل فگاری — پنجرے بنائے خاصے، رنگیں، ہلکے، بھاری
ڈالے ہنڈولے اس میں رنگین زرنگاری — اُن پنجروں میں کرنی اپنی دُکانداری

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

اچھّا لگا جو دل کو سیمیں بدن پیارا — تو کیمیا گری کا پھر ٹھکھنڈ کا سنوارا
دکھلا کے چاندی سونا، جیسے چمکتا تارا — پارا ابھی تھا تو اُس کو اس ڈھب میں لا اُتارا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جمنا پہ جبکہ دیکھے اس حسن کے تناپے — تو بن کے باہمن اُس جا چھاپے تلک بھی چھاپے
چندن دکھا کے ہر دم درپن دکھا کے بھاپے — اُس گھاٹ پر بھی آخر اپنے ہی چھاپے چھاپے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جادو جو حسن دیکھا تو سیکھے جادو ٹونے — بیروں کے تئیں جگا کے بیٹھا یا کونے کونے
پڑھ کھوپری کے کاجل چانول سندور مونے — جادو میں دیکھ ڈالے کافر کئی سلونے

سو مکر و فن بناتا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن قابل تو ریختہ بنائے
سکھیوں کی بحث ڈالی اور کھنڈ بھی جمائے
کچھ کمریاں بنائیں اور کچھ کبت بنائے
جب جھولنے نہ پائے پھر تو مزے اڑائے

سو کر دفن بنانا سو رنگ ورروپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن شیر دیکھا تو ریچھ کو نکالا
کشتی سے کھڑکھڑایا اور آپ کو اچھالا
اور بن کے ریچھ والے سونٹا کڑا سنبھالا
اس ریچھ سے بھی کتنے گل رد کو دیکھ ڈالا

سو کر دفن بنانا سو رنگ ورروپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

کھڑکی کا حسن دیکھا تو پھر نچا کے بندر
جب ڈگڈگی بجائی کوچہ گلی کے اندر
بکرا بھی لا اٹھایا اس کام کا سمندر
لڑکے ہزاروں بولے آؤ میاں قلندر

سو کر وفن بنانا سو رنگ ورروپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

پایا جو رنگ بھولا تو بن کے رنگ بھرئیے
بولا کوئی جو اس میں کچھ تو خدا سے ڈریے
چھلے انگوٹھی ڈھالے سانچے کے کر کے بھریے
تو اس سے ہنس کے کہنا کچھ بات یاں نہ کریے

سو کر وفن بنانا، سو رنگ ورروپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن کوئی بلدار لہر کھایا
تو بی بجا کے ہردم سانپوں کا پھن ہلایا
تو بن گئے سپیرے اور سانپ کو چلایا
اس سانپ کے ہی فن سے اپنا بھی من منایا

سو کر وفن بنانا، سو رنگ ورروپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سرکش سیانے ہی ہو پکارے
ڈھونی فلیتے لکھے اور بھوت جن اتارے

۱؎ کمری۔ ایک قسم کی پہیلی ہوا ۲؎ کبت۔ ایک قسم کی ہندی کی نظم۔ ۳؎ سکھی سکھیاں ایک قسم کی پہیلی۔ کھنڈ۔ ایک قسم کی گنوار دنظم ۱۲ ۴؎ رنگ بھریا۔ رانگے کے کھلونے اور زیور بنانیوالا ۱۲ اشرف علی

بھونکی چڑیل خنذی[1]، دبودں پہ ہاتھ مارے
اک چھوئے منترا میں کیسے کیے نظارے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

جو حسن بالا دیکھا تو مکڑیاں بنائیں
کچھ چینٹیاں منگائیں کچھ تتلیاں نچائیں
ڈبیوں میں ڈال مکھی اور مکڑیاں لڑائیں
ان تیلیوں کی خاطر کیا تیلیاں لڑائیں

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہر اک پلنگ اُتارا شیشے میں جڑ کے ماشا
مولی کا ہنس بگلا، گاجر کا مور باشا[2]
لکڑی کے پھول کترے اور سنگترہ تراشا
دیکھا ہر اک بہانے اُس حسن کا تماشا

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے
گھاٹوں میں جا چبینے نقد و اُدھار بیچے
سیروں میں دال موٹھیں پاپڑ اچار بیچے
چکلوں میں بن کے مالی پھولوں کے ہار بیچے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

گر آپڑی کسی دن کچھ سیتلا بُرائی
پھر بن گئے پجاری کر حسن کی اُگائی
تو بیچ کر بجایا کی دل کی سر برائی
اس سیتلا کی مت میں اپنی ہی مت گنوائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

ہولی کی پھر بہاریں پہونچیں جو دائیں بائیں
آزاد بینوا ہو پھر کیں ندا اسدائیں
تو بن کے جوگی چیلے باندھیں عجب ہوائیں
اُس حال قال ہی سے دیں حسن کو دعائیں

[1] خنذی ایک قسم کی گالی — [2] ٹھٹھول باز عورت ۱۲ اشرف علی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

خوبی کا لہر کھاتا دیکھا جو حسن لہری
کی بات وہ ہی جو کچھ اُس کے پسند ٹھہری
پالے بٹیر طوطے بگلے بئے گلہری
اُس لہر کی بھی دیکھی کیا کیا بہار گہری

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھا جو حسن سیانا تو بن گئے دوانے
لڑکوں کے سنگ کھانے اور شور غل مچانے
لاگے ہر اک کو اپنے دیوانہ بن جتانے
دیکھے ہزار بھکلے آخر اسی بہانے

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

دیکھی جو نرم و نازک اس حسن کی کلائی
بیچے بہت کھلونے اور جو جوبن پہ آئی
منہیار بن کے چوڑی ہاتھوں میں کھن کھنائی
آخر بھکاری بن کر کی حسن کی گدائی

سو مکر و فن بنانا، سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

لازم ہے اُس کو، یارو، عاشق وہی کہاوے
بہروپیا بھی اپنا بہروپ بھول جاوے
جو اس طرح کی گھاتیں کر حسن کو بڑھاوے
آگے نظیرؔ کیا کیا عاشق کی دھن بتاوے

سو مکر و فن بنانا سو رنگ و روپ بھرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

(۵۲۵)

رہ نوردئ فراق

جب ہم نے دن سے، اے زیبِ محفل — باندھا سفر کے ناقے پہ محمل
فرقت میں تیری آشفتہ بیدل — غربت کے ہمراہ، حسرت کے شامل

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

منزل پہ اُترے تو اشک ریزاں — صحرا میں گذرے تو خاک بیزاں
جوں صیدِ زخمی ہر سو گریزاں — القصہ آخر اُفتاں و خیزاں

رفتیم و بُردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بمنزل

نکلے جو واں سے ہم پا پیادہ — صد بار ہجراں بر جاں نہادہ
صد جاں شکستہ، صد جا فتادہ — تجھ سے کہیں کیا، اے گُل، زیادہ

رفتیم و بردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا منزل بمنزل

منزل بھی طے کی، اور صد بیاباں — طعنے بھی کھینچے مثلِ عقاباں
بیتاب و بے صبر ہر سو شتاباں — فی الجملہ ناچار، اے ماہِ تاباں

رفتیم و بردیم داغِ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

چلنے کی طاقت ہم میں کہاں تھی — قالب تو یاں تھا اور روح واں تھی
نے دم میں دم تھا، نے جاں میں جاں تھی — لیکن یہی بیت وردِ زباں تھی

رفتیم و بردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

منزل پہ روئے ہم آ کے ہر شب
صد اشک در چشم، صد آہ بر لب
اور دن کو روئے صحرا میں جب تک
آگے نظر اب کیا بولے مطلب

رفتیم و بُردیم داغ تو بر دل
صحرا بہ صحرا، منزل بہ منزل

(۵۲۶)

رازداری محبوب

سن رے اے شوخ، گلبدن، نادان
اس طرح بھر کے منھ، چبا کر پان
تجھے کہہ کے ہم ہوئے حیران
غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن

اس میں ہو گا ہمارے جی کا زیان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

گل بدن تالیاں بجا دیں گے
کتنے آنکھوں میں مُسکرا دیں گے
غنچہ لب منھ بنا چڑا دیں گے
کتنے آئینہ لا دکھا دیں گے

کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی، ہر آن
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تو جو خوباں میں خوار ہووے گا
بات سب مفت اپنی کھووے گا
اپنی سب دلبری ڈبووے گا
ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے رووے گا

کچھ نہ پھر بن سکے گا، اے نادان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ٹل تو واں ایک گورا سا لڑکا — اپنے یاروں میں کچھ وہ کہتا تھا
ہم تو جانیں وہ صاف تھا جھوٹھا — یا خدا جانے، تھا وہی سچا

تو تو اس طور کا نہیں انسان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پوچھا کہ کیا لیا بوسا؟ — وہ تو کچھ اور اور ہی چُہرگا
میں کہا ہاتھ سینے پر پھیرا؟ — اُس نے سودا ہی پار لا ڈالا

جانے اب اُس کا دین اور ایمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے اُس سے کہا تو جھوٹا ہے — کیا وہ ایسا خراب و رسوا ہے؟
بولا صاحب، تمھیں تو سودا ہے — واں تو جھگڑا ہی سارا پر[1] چھا ہے

کیا تمھارے ہیں بند اب تک کان
اب بھی ظالم، ہماری بات کو مان

ہم نے پھر بات کھود کر پوچھی — کیا کسی نے لگالیا چھاتی؟
بولا وہ تم تو سنتے ہو کم جی — اجی تُرکی ہی واں تمام ہوئی

جب تو کچھ ہم بھی ہو گئے حیران
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اور بھی اس کے چرچے ہوتے تھے — کتنے موتی کھڑے پروتے تھے
کئی سن سن کے ہوش کھوتے تھے — ہم اسی دن کو یار روتے تھے

آخر اُٹھے یہ تو[2] طیے، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کہ بھلا وہ جو کچھ کہتے تھا جب — کچھ بھی سچ، یا کہ جھوٹ ہے یہ سب

[1] جھگڑا پر چھا ہونا یعنی کسی جھگڑے کا فیصل ہونا — پر چھا ہونا صرف نبیڑ چھیننا ۱۲
[2] توطیا۔ اتہام طوفان بہتان۔ اشرف علی

آہ، اب ہم کو اس سے کیا مطلب
نیچ بھی ہوگا، تو تو کہے گا کب

شرم کا ہے کو کھلنے دے گی زبان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو جو رالوں کو اُن میں جاتا ہے
قہقہے مار، کھِل کھِلاتا ہے
جی میں پھولا نہیں سماتا ہے
ہم کو اب پھر یہ ہول آتا ہے

کہیں ویسے ہی پھر نہ ہوں بہتان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج جانا کہیں جو ہے ٹھانا
آفت اس حسن پر تو مت لانا
دیکھیو، اُن کے ساتھ مت جانا
اُن کے زنہار دم میں مت آنا

اُن سے ڈرتا ہے ہر گھڑی شیطان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

تو بھلا گو کہ ہوشیار رہا
تجھ کو غافل نشے میں جب پایا
پر دیا جب نشہ دغا سے پلا
پھر اچھوتا کسی نے کب چھوڑا

رحم کر اپنے حال پر، اے جان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

یاد ہے تجھ کو بات پرسوں کی
بات کچھ اور ہی اور ٹھہری تھی
جب نشے میں تجھے خبر نہ رہی
وہیں ہم آ گئے جو خیر ہوئی

ورنہ واں ہو چکا تھا سب سامان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

گر اُنھوں میں تو ہو گیا بدنام
کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دشنام
کئی خوباں کریں گے خط ارقام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام

پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میدان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

خوب رو بھی پھر اُکے چھیڑیں گے
سب یہ باتیں گڑی اُکھیڑیں گے
کاغذوں کی طرح پھتھیڑیں گے
خوب سا شہد میں لتھیڑیں گے

دم میں کر دیں گے کرکری سب شان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کچھ یہ اب پھینکتے ہیں جو پھندے
واں نئی ہو چکے ہیں شرمندے
اے ستم گر، بڑے ہیں وہ خندے
دیکھ اُلفت میں ان کی مت تن دے

بن کے انسان، پھر نہ ہو حیوان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو تھوڑا سا گل یہ پھولا ہے
اب تو جس کے بھروسے بھولا ہے
کل کو پھر باؤ اور ببولا ہے
وہ ترے عیب سب قبولا ہے

لوگ باندھیں گے تو طلے، طوفان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

پھول ڈالی پہ جب تلک ہے کھلا
جب کہ اُس کو کسی نے توڑ لیا
اُس کا واں ہے کچھ اور ہی رُتبا
پھر وہیں سونگھ سانگ پھینک دیا

اس سخن کے تو مغز کو پہچان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آج یہ گال ہیں جو گل سے لال
آہ! نکلیں گے اُن پہ جس دم بال
لوگ گرتے ہیں بلبلوں کی مثال
پھر نہ یہ دھوم، اور نہ یہ دھمال

ان کے ملنے پہ پھول مت، اے جان

اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

اب تو رکھتے ہیں بوالہوس کھٹکا
لیک جب حسن کھا گیا جھٹکا
کوئی چھیڑا رنگا، کوئی پٹکا
آٹا بنٹرا آدبوچا پھر سٹکا[۱]
ہیں یہ دو دن کے چاؤ اور ارمان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

آگے وہ بات یاد ہے، پیارے
پر وہ طوفان تو طے اُن کے
اگرچہ سچ کچھ نہ تھی، خدا نہ کرے
ہم تو اب تنگ ہیں اُن سے شرمندے
بلکہ تجھ کو بھی خوب ہوں گے دھیان
اب بھی، ظالم، ہماری بات کو مان

کیوں ستمگر یہ کیسی بات ہوئی؟
نوبت اب یاں تلک تو آ پہونچی
اُس نے جو کچھ کہی سو تو نے سنی
اب نقارے ہی بجتے ہیں باقی
دیکھ، عاشق نظیر کو پہچان
اب بھی، ظالم ہماری بات کو مان

[۱] آٹا نبڑا ابوچا سٹکا۔ کہاوت ہے۔ یعنی مطلب نکلا اور مطلبی لوگ غائب ہوئے ۱۲ اشرف علی

ختم شد مسدسات

ترکیب بند و ترجیع بند وغیرہ

(۵۲۸)

ترکیب بند

ادھر کو جس گھڑی اے ہمنشیں وہ یار آیا
ہمارے دل سے گئی بے کلی قرار آیا
اُسے جو مہر سے ہے ذرّہ پروری منظور
تو پھر ادھر کو جھمکتا وہ مہر وار آیا
مزاج اُس کا جو عاشق نواز ہے ہم دم
تو راہِ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا مبارک ہو
تمھارے پاس ہے وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر
بھلا ہوا کہ تمھارا ابھی گل عذار آیا

خوشی یہ بولی تمھارے میں گرد خاطر ہوں
ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں

گیا ملال ہوئے شاد ہم زمانے سے
ہوا ملاپ چھٹے ہجر کے ستانے سے
نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے
سرور دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے
ہوئی نمود وہ ساعت بھی انبساط بھری
کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے
ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوشوقتی
نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے

سماتے پھولے نہیں پیرہن میں، اب ہرگز ہم ایسے شاد ہیں اُس گلبدن کے آنے سے

جہاں میں جس کو ملاقات یار کہتے ہیں
عجب بہار ہے اس کو بہار کہتے ہیں

ہمارے دل میں جو فرقت کی بیقراری تھی
تو اُس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی
کبھی خیال رُخ و زلف کا سحر تا شام
کبھی تصور مژگاں سے دل فگاری تھی
نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت
نہ جاں کو جُز الم ہجر غمگساری تھی
یہ اضطراب تھا ہر دم، یہ اپنی بیتابی
ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی
خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے
وہ دن بھی آیا کہ جس کی اُمید داری تھی

جو دیکھی بھر کے نظر گلعذار کی صورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صورت

عیاں جو سامنے آ کر وہ گلعذار ہوا
تو عالم عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا
نگہ کو حُسن نے اُس گل کے تازگی بخشی
خوشی قریب ہوئی، دور انتظار ہوا
جدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا
ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دوچار ہوا
تسلّی دل کو ہوئی اُس صنم کے ملنے سے
رخ اُس کا دیکھتے ہی رفع اضطرار ہوا
طلب تھی دل کے تئیں جس کی ایک مدت سے
ہزار شکر وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کو خاطر سے ہمقرینی ہے
نیاز ناز ہے اور لطف ہمنشینی ہے

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیاں کریں کیا کیا
کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہے عیش کا نقشا
کبھی ہیں دیکھتے رخسار یار کو ہنس ہنس
کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اُسکی زلف دوتا
کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے
خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغر صہبا
کبھی ہیں اُس کے تکلم سے دل کو خوش کرتے
کبھی ہیں اُس کے تبسم پہ جی سے ہوتے فدا

جو دیکھتا ہے ہمیں اس طرح کی عشرت میں
تو یہ سخن وہ رہِ منصفی سے ہے کہتا:۔

"نظیرؔ" تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی
یہی بہار ہے بُستانِ زندگانی کی

(۵۲۹)

ترجیع بند

اے گل اندام دل آرام پری زاد صنم
نہ تکلم نہ تبسم نہ تلطف نہ کرم
تو تو معشوق ہے البتہ نہیں تجھ کو غم

کتنے دن سے جو تری وضع کو ہیں دیکھتے ہم
کیا خطا ہم سے ہوئی جس سے ہوا تو برہم
لیکن اس بات سے ہے ہم کو بہت رنج و الم

چاہے شمشیر لگا لے تو برابر و نہ مروڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہمیں کر ڈال تو پر دل کو نہ توڑ

خوبرویوں کے تئیں چاہیے خوش کرداری
غمزدوں اپنے کی ہر آن نئی غم خواری
پیار میں سہتے ہیں عشاق بھی ہلکی بھاری

یعنی خوش خوئی و خوش خلقی و خاطر داری
پھر محبوبوں سے لگتی ہے نہایت پیاری
خوبی رکھتی نہیں آزردگی و بیزاری

چھوڑ نرمی کو قدم سختی کی منزل میں نہ رکھ
سو گرہ زلف میں رکھ پر تو گرہ دل میں نہ رکھ

دیکھ کر تو جو ہمیں لیتا ہے ہر دم منہ موڑ
بے گنہ ہم سے تو اب رشتۂ الفت کو نہ توڑ
عرض کرتے ہیں ترے سامنے ہم ہاتھ کو جوڑ

ہم سمجھ جاتے ہیں پیارے تری خاطر کی مروڑ
تیری خفگی سے ہمیں ہوتے ہیں اندوہ کروڑ
یہ چلن خوب نہیں ہے اے اے جان تو چھوڑ

ہو کے محبوب دل آرام دل آزار نہ ہو
گل کیا ہے تجھے اللہ نے تو خار نہ ہو

ہم تو اے جان دل و جاں سے ہیں اب تجھ پہ نثار
چاہنے والوں سے لازم نہیں خاطر میں غبار
گرچہ عالم میں بڑے حسن کے ہیں گے گلزار
تیرے بن دیکھے نہیں رکھتے ہیں ایک آن قرار
تا بمقدور نہ کیجے دل عاشق بیزار
لیکن اس باغ کی ہے چاہنے والوں سے بہار

گل کی رونق جو ہے بلبل ہی کے منڈلانے سے
شمع کی گرمی بازار ہے پروانے سے

تو جو تیوری کو چڑھاتا ہے ہمیں دیکھ میاں
دیکھ ناخوش تجھے ہم ہوتے ہیں دل میں حیراں
منہ بنا بیٹھنا ہر چند کہ ہے حسن کی شاں
اور عیاں کرتا ہے چہرے پہ یہ خفگی کے نشاں
بھید اس بات کا ہوتا نہیں کچھ ہم پہ عیاں
پر وہ موقع سے اگر ہو تو بجا ہے اے جاں

بے سبب ہو کے خفا رنگ نہ بدلا کیجے
چشمۂ صاف محبت کو نہ گدلا کیجے

اے مرے مہر جبیں چھوڑ یہ خفگی کی چال
ہم سے وہ کون سی تقصیر ہوئی ہے فی الحال
روٹھنے سے ترے ہے ہم کو بہت رنج و ملال
بدر دل دیکھ ترے غصہ کو ہوتا ہے ہلال
جس کے باعث ترا اب آیا ہے خفگی پہ خیال
ہم ترے ذرۂ بیقدر ہیں۔ اے مہر مثال

ڈال مت ہم کو عبث غم کی پریشانی میں
بے خطا چین نہ لا اپنی تو پیشانی میں

ہم سے آزردہ جو ہونا تھا تجھے بے تقصیر
جس سے یک چند ملے رہتے ہیں اے ماہ منیر
اب تو دل کھول کے ملنے میں نہ کر کچھ تاخیر
کیوں کیا تھا ہمیں پھر دام میں زلفوں کے اسیر
عمر بھر کرتے نہیں اس کے تئیں پھر دلگیر
ہے یہی خوب ترے حق میں جو کہتا ہے نظیر

دل کو عشاق کے غنچے کی طرح تنگ نہ کر
صلح کر چاہنے والوں سے میاں جنگ نہ کر

ترجیع بند

(۵۲۳)

ہم پر اے بے مہر مت اتنی روا بیداد رکھ — لطف سے ویرانۂ دل کو مدام آباد رکھ
ہم نے کیا کیا دے کے دل تیرے رکھا ہے دل کو شاد — منھ دکھا کر تو بھی اب دل کو ہمارے شاد رکھ
جیسے دل دے کر کیا ہم نے کھلے بندوں بے تجھے — تو بھی قید غم سے ویسا ہی ہمیں آزاد رکھ
قصر دل کا انہدام اچھا نہیں ہوتا میاں — گر بھلا چاہے تو بیدردی کی مت بنیاد رکھ
راستی پیشوں سے کرنی کجروی بہتر نہیں — اور جو کرتا ہے تو پھر یہ بات دل میں یاد رکھ

بے دماغی سے نہ چمکے گی طرح داری تیری
سرد مہری سے نہ ہوگی گرم بازاری تیری

اے گل خنداں لگا مت تو ہمارے دل میں خار — صاف دل ہیں ہم نہ رکھ تو اپنی خاطر میں غبار
ہو کے آزردہ ہمیں مایوس مت کر لطف سے — ہم فقط ہیں اک نگاہ مہر کے امید وار
جس سبب سے تلخ ہے تو ہم سے اے شیریں سخن — مت نہاں رکھ اس کو دل میں شوق سے کر آشکار
جھوٹ ہووے گا تو آپی دیں گے ہم اسکا جواب — اور جو سچ ہوگا تو ہم آپی سے ہوں گے شرمسار
ہے تو بحر حسن و خوبی تجھ کو یہ لازم نہیں — موج بیتابی سے کرنا ہم کو ہر دم پر کنار

گر تکدر کا سبب غماز بے انصاف ہے
اُس سخن چیں کی خطا ہے یاں تو سینہ صاف ہے

یاد ہے آگے جو غمازوں نے تھا بہتاں کیا — جب بچشم غور دیکھا سچ وہ نکلا تو بتا
ہیں سخن کہنے میں گو اہل ہوس سیماب طبع — لیکن ان کی بات کا ہے سوچنا بھی کیمیا
جس نے پی تیرے گلابی چشم کے پیالے میں مے — اس پپیہے نے بھلا پھر اور ساغر کب پیا
لاکھ صورت سے لگاوے کوئی بے معنی سخن — ہم نے دل اے شمع رو تجھ بن کسی کو کب دیا

ہم سے چھٹنے کا نہیں جگر ترے کوچے کا جاں ... جب تلک پھرتی ہے سر پر آسماں کی آسیا

وہ تو از روئے گماں غماز کا بہتان ہے
تو اسے جانے یقیں یہ تو بڑا طوفان ہے

قامت موزوں ہے تیرے باغ خوبی کا نہال ... کیا قیامت ہے کہ تو ہم کو نہیں کرتا نہال
کبک ہوتی ہے تری رفتار کے آگے خجل ... ہم سے تو بیرحمیوں کی کس لیے چلتا ہے چال
کیوں نکالے ہے ہمیں محفل سے اپنی سوچ تو ... کون سا گل باغ سے دیتا ہے بلبل کو نکال
ہم تو سر پاؤں پہ رکھتے ہیں ترے ہو کر خوشی ... تو ہمیں کس واسطے کرتا ہے غم سے پائمال
نقص کیا دیکھا ہمارے چاہ میں اے تند خو ... جس کے باعث سے تری ہم پر یہ خفگی ہے کمال

ہم کھڑے ہیں منتظر اور تو نہیں کرتا نگاہ
اور تو اب کیا کہیں بس واہ واجی واہ واہ

تو جو رشتے کی طرح کھاتا ہے ہم سے پیچ و تاب ... سوزن غم دل میں لگتی ہے ہمارے بے حساب
ہم کو چشم لطف ہے تجھ سے سو تو اس کی عوض ... بے مروت، بے گنہ، بے جرم کرتا ہے عتاب
ذرہ گو ناچیز ہے پر مہر اپنے مہر سے ... دیکھ کتنی دور سے کرتا ہے اس کو نوریاب
بس اسی صورت سے تو بھی مہربانی کر میاں ... ہم ترے ذرے ہیں اور تو ہے ہمارا آفتاب
لشکر آزردگی سے تیرے اے سرکش صنم ... کشور خاطر ہمارا مدتوں سے ہے خراب

چیں بہ ابرو تیرا ہونا حق میں اپنے سیف ہے
ایک نگہ کی تو کرے ہم سے بخیلی حیف ہے

کیوں بدلتا ہے ہمیں تو دیکھ کر ہر آن رنگ ... ہم ہیں تجھ سے صلح میں تو کس لیے کرتا ہے جنگ
دلکشائی جس کی کیجے مہر سے پھر جور سے ... غنچہ ساں اے گل نہ کیجے اس کی پھر خاطر کو تنگ
حسن کو مت دیرپا اپنے سمجھ غافل نہ ہو ... یہ وہ طائر ہے جسے اڑتے نہیں لگتی درنگ
اب جو کرتا ہے وہ کرلے دور خوبی میں میاں ... پھر نہیں پھرتا کماں سے جس گھڑی نکلا خدنگ

شیشۂ دل کو ہمارے بے سبب ہو کر خفا
توڑ مت اے بے وفا سنگیں دلی کا لے کے سنگ

اس قدر بے رحم اور بے درد مت یک لخت ہو
زم وضعوں سے میاں اپنے نہ اتنا سخت ہو

جو مزا ہے مہربانی میں نہیں
ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا بس اب جلدی سے تو
ہے یقیں تجھ کو بھی یہ دل سے کہ تیری چاہ میں
حسن کا رہنا ہمیشہ عقل میں آتا ہے کب
یہ جو ہم شکوہ ہیں کرتے تجھ سے ہو کر دردمند

لطف سے خوبی دوبالا ہوتی ہے لے نازنیں
دور کر غصے کو اور ہو مہربانی سے قریں
ہم نے اک مدت سے کیا کیا کچھ جفائیں سہی ہیں
گرچہ دولت ہے بڑی لیکن نہیں رہتی کہیں
سب یہ الفت کا سبب ہے ٹھیک جان اسکے تئیں

تیری خفگی سے نظیر اب شاکی ہے دن رات کا
آملا جب تو گلے سے پھر گلا کس بات کا

(۵۲۱)

ترکیب بند

تیرے لب لعل سے گل اندام
گلبرگ ہے غرق شبنم رشک
عارض سے خجل ہے عارض صبح
یہ حسن یہ کام دل تو پا کر
خوبی نے کیا ہے تجھ کو زیبا
اتنی بھی نہ کیجیے جفائیں
دکھ پا کے تری تعدیوں سے

ہے حسرت لعل حسرت انجام
دیکھے سے ترا یہ لطف اندام
کاکل سے خجل ہے کاکل شام
رکھتا ہے عبث ہمیں تو ناکام
زیبندہ نہیں ہے تجھ سے یہ کام
جو خوبی میں آوے جس سے الزام
ہم سخت بجاں ہیں اے دل آرام

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو

دے طول نہ رشتۂ جفا کو

رہتے ہیں تری جفا سے گلرو — آنکھوں میں ہمارے سرخ آنسو
کاہے کو یہ شکل ہو ہماری — گر لطف کی اک نگہ کرے تو
غم دیدہ ہے مو بمو ہمارا — فرق اس میں نہ جان اک سر مو
دل تجھ سے چھڑا نہیں بھی سکتے — کچھ تو نے کیا ہے ایسا جادو
گر دیکھے تو ہنس کے اس طرف کو — سب رنج والم ابھی ہوں یکسو
ہم چاہتے ہیں اشارۂ لطف — تو کھینچے ہے ہم پہ تیغ ابرو
تنگ آئے ہیں اب تو ہم نہایت — اے برق نگاہ آتشیں خو

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

تجھ میں تو نہ تھی جفا کی عادت — نفرت سے تجھے تھی سخت نفرت
کیا ہم سے خطا ہوئی کہ جس سے — کم ہو گئی تیرے دل کی الفت
باندھی ہے کمر ستم پہ تو نے — سب چھوڑ کے مہر اور محبت
رکھ ہم سے وہی نگاہ پہلی — ایسا بھی نہ ہو تو بے مروت
دل ہم سے لیا تھا منتوں سے — اب جاتی رہی کہاں وہ منت
آرام و قرار و طاقت و صبر — سب ہوتے ہیں آج ہم سے رخصت
ہر آن کی رنجشوں سے تیری — پہونچی ہے ہمیں بہت اذیت

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

سمجھے تھے تجھے ہم اپنا دلدار — سو تو نے کیا ہمیں دل افگار
خیر اس کا گلہ تو ہے بہت سا — اب کیجے کہاں تک اس کو اظہار

جیسا کہ تو ہے جفا سے مجبور ۔ ہیں ویسے ہی ہم وفا سے لاچار
دل تجھ سے ابھی چھڑا لیں ہم تو ۔ پر اہل وفا کا یہ نہیں کار
اقرار کیا ہو ساتھ جس کے ۔ پھر اس سے کبھی نہ کیجیے انکار
جتنا کہ تو ہم پہ مہربان تھا ۔ اتنا ہی ہوا ہے اب تو بیزار
شدت سے ہم آ گئے ہیں عاجز ۔ اے دلبر و دل شکن ۔ دل آزار

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

دل تیرے لگا کے خال و خد سے ۔ ہم تجھ پہ فدا ہیں دیکھ کد سے
آتے ہیں تری گلی میں بیباک ۔ ہر روز ہم عشق کی سند سے
الفت میں ترے لگا کے دل کو ۔ فارغ ہیں جہاں کے نیک و بد سے
چاہت سے تری ، ہمیں کسی کے ۔ مطلب نہ قبول سے نہ رد سے
دیوانہ کو تیرے اے پری رو ۔ کیا کام ہے دانش و خرد سے
ہم تیری ادا کے مبتلا ہیں ۔ کاوش تو نہ کر جفا کی کد سے
آزردگیوں سے تیری ہم پر ۔ گزرا ہے الم زیادہ حد سے

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

ہے حسن میں تجھ کو تاجداری ۔ اور کشور دل میں حکم جاری
ہوتا ہے برنگ بلبل زار ۔ گل دیکھ کے تیری گلعذاری
ٹک دیکھ ۔ جفا سے تیری بے مہر ۔ کیا شکل ہوئی ہے اب ہماری
دل تڑپے ہے مثل مرغ بسمل ۔ اور چشم کرے ہے اشکباری
تھا جرم وہ کون سا کہ ہم کو ۔ دی جس کے عوض یہ دل فگاری

گر ہووے گناہ ہم پہ ثابت
تو ہم سے تو ہے گناہ گاری
کچھ ہم میں نہیں ہے تاب و طاقت
اتنی بھی نہ کر ستم شعاری

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

وہ گُل ہے تو آج حسن ایجاد
ہے گلشن حسن تجھ سے آباد
قامت کا ترے بیان خوبی
کرتے ہیں چمن میں سرو و شمشاد
ہیں تیری ہوا کے ہم ہوا دار
تو ہم کو نہ کر الم سے برباد
ہم دیکھ تجھے ہیں شاد ہوتے
تو ہم کو کرے ہے غم سے ناشاد
یوں زلف میں تیری ہم پھنسے ہیں
ہو دام میں جیسے صید صیاد
ہو دل سے فدا جو اپنے اوپر
اتنی نہیں کرتے اُس پہ بیداد
تیرا ہے نظیر جان و دل سے
سن عرض یہ اُس کی اے پریزاد

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتۂ جفا کو

(۵۳۲)

بہار

گرہ بند

شب کو چمن میں، واہ وا کیا ہی بہار تھی مچی!
پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچہ کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی
بادِ صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
حوض بڑے چھلکتے تھے، نہر لہر لیتی تھی
شوخ بغل میں غنچہ لب، مے کے نشوں کی تازگی

عیش و طرب کی لہر میں رات جب آدھی ڈھل گئی
اس میں کہیں سے، ہے غضب، نکلی جو کڑ چاندنی

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آ کے انجمن
نرگس و نار و یاسمن، سوسن و طرّۂ نسترن
یار بغل میں گلبدن، سُرخ گلے میں پیرہن
اس میں رقیبِ دل شکن، آیا گجر کا کر کے فن
تارے کھلے تھے مہ رتن، پھول کھلے چمن چمن
کبک و تدرو خندہ زن، بُلبل و قمری نعرہ زن
سینہ بسینہ، تن بہ تن عیش و طرب کے سب برن
تھالی کہیں سے لاشتاب نے ہے بجا ٹھُنن ٹھُنن

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

باغ میں شب کو واہ واہ کیا ہی مزوں کے گھور[1] تھے
شوخ پر اپنے زور تھے، اُس کے بدن بھی بور[2] تھے
یار ہمارا چاند تھا، چاند کے ہم چکور تھے
مے کے نشوں کے شور تھے، کیڑے بھی شور بور تھے
طوطے و بگلے مور تھے، فاختوں کے بھی شور تھے
توڑتے کرٹے و بوٹ تھے، چھلے بھی پور پور تھے
دونوں چکئی و ڈور تھے، دونوں تُنک و ڈور تھے
بولا رقیب دن دیے، دوڑیو یارو، چور تھے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی مزے تھے رات کو، یارو میں تم سے کیا کہوں
شوخ بغل میں ذوفنوں، عیش و طرب فزوں فزوں
یار کے ناز او رفسوں، اپنے بھی عشق اور جنوں
اس میں رقیب بدشگوں، کچھ نہ بنا تو وہ زبوں
صحن چمن ارم نموں، ڈالیاں جھومیں سرنگوں
مے کے پیے تھے آ کے خون، چہرے نشوں میں لالہ گوں
جام پکارے منہ لگوں، عیش پکارے دم نہ لوں
پچھلے پہر سے بن کے مرغ بولا ہے آ کے کگڑوں کوں

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

[1] گھور۔ فراوانی، افراط ۱۲ [2] بور۔ چاندی یا سونے کے پھول - ایک قسم کا زیور۔ پاؤں کے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو ۱۲ شہباز

ہوئے ہیں کیا ہی ہم نے واہ رات مزے بہار کے
کاکل مشکبار کے، طرۂ تابدار کے
باہیں گلے میں یار کے، بوس وکنار پیار کے
بھاگا رقیب ہار کے، ہاتھوں پہ ہاتھ مار کے
انگھڑیوں سرمہ دار کے، لعل مسی نگار کے
مے کے نشوں کے تار کے پھولوں کے شاخسار کے
ہاتھوں میں گجرے تار کے گچھے گلوں میں ہار کے
کچھ نہ بنا تو دی اذاں کوٹھے پہ جا کے یار کے

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

رات ہوئے تھے واہ واہ کیا ہی نشے رسا رسا
شوخ بغل میں چاند سا، دیتا تھا بوسے ہنس ہنسا
جامہ بدن میں چست سا، پھول ہوا تھا بس بسا
اس میں رقیب کرکسا[1] کر کے سحر کا دسوسا
پیتے تھے مے لبا لبا، پھولوں میں ہم بسا بسا
زلفوں میں اس کی دل پھنسا، آن ادا میں جی بسا
نیندوں میں یار رسمسا، لے تھا جمائی کسمسا
لا کے نقارہ یا دہل دھوں دھوں بجا یا کس کسا

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

کیا ہی، نظیر، رات کو عیش کے تھے مقابلے!
جی پہ خوشی کے در کھلے، رنج و تعب کے فاصلے
ناز و ادا کے جو چلے، عیش و طرب کے غلغلے
اس میں رقیب نام نے بولا ہی کر کے اشغلے[2]
مے کے نشے ابل چلے، دل کے فراخ حوصلے
شوخ کے ناز چلبلے، بوسوں کے تھے معاملے
یار لپٹ رہا گلے، دل میں خوشی کے ولولے
"باندھو کمر مسافرو، کوچ کریں ہیں قافلے"

صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آ گئے، مفت بہار لٹ گئی

[1] کرکسا - زبان درازی، سخت کلامی۔ بعض نسخوں میں گرگسا بھی ہے ۱۲ شہباز
[2] اشغلے کرنے - مکر کرنے - فریب کرنے ۱۲ شہباز

(۵۳۴۳)

چاندنی

گرہ بند

صحن چمن میں، واہ واہ، زور بھی تھی چاندنی! — چاند ہلوریں[1] لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گلبدن پہن کے بادلۂ زری — چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک زری زری
بوس و کنار، و جام و مے، عیش و طرب، ہنسی خوشی — اس میں کہیں سے یک بیک مرغ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کامیابیاں — چھوٹیں تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چنی تھیں صف بصف مے کی کئی گلابیاں[2] — ہم کو نشوں کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں — اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی

چاندنی، واہ چاندنی! کرتی تھی کیا جھلک جھلک — چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی، نکلے تھی مے چھلک چھلک — یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک جھپک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک — ایسے مزے میں، عیش میں آہ! کہیں سے بے تک نہ دہک[3]

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگمگا — ایک طرف وہ رشک مہ میری بغل میں تھا پڑا

---

[1] ہلوریں لینا۔ موجیں مارنا ۱۲
[2] گلابیاں ہے شراب کی پیالیاں
[3] یک نہ دہک بے شان و گمان ۱۲ شہباز

دونوں دلوں میں لذتیں، دونوجیوں میں عیش تھا
ہونٹھوں سے ہونٹھ لگ رہے، سینے سے سینہ مل رہا
مے کی گلابی ہاتھ میں، آنکھوں میں چھا رہا نشا
اتنے میں آہ ایک بیک کیا ہی غضب یہ ہوگیا

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

واہ! ہوئی تھیں رات کیا چاندنی کی اُجالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے، ساقی کی پی کے پیالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل وگل کی ڈالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ، دیتا تھا میٹھی گالیاں
جل کے فلک نے اس میں، ہائے! آفتیں لا یہ ڈالیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ! ابر سے تھی نور کی جھڑی
غنچہ دہن تھا بےخبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی
چشم سے چشم لب سے لب چھاتی سے چھاتی جب لڑی
تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی
دیتا تھا بوسے پیار کے، سینے سے مل گھڑی گھڑی
کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اس میں یہ آ بلا پڑی

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ، یا کہ بہشت یا ارم؟
چاندنی تھی وہ چاندنی، چاندی کا رنگ جس سے کم
دونوں نشوں میں مست ہو سوئے پلنگ پہ جبکہ ہم
یار تھا یا کہ حور تھا، یا کہ پری وہ یا صنم؟
پیتے تھے مے گھڑی گھڑی، لیتے تھے بوسے دمبدم
عین مزا تھا وصل تھا اس میں نظیر ہائے ستم!

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی کی جی میں رہ گئی

(۵۲۴)

شب عیش

گرہ بند

رات لگی تھی واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی
شمع و چراغ و گلبدن، بارہ دری تھی باغ کی
مینھ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی
موسم خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھک رہی
اس میں کہیں سے ہے ستم! ایسی اک آ پَوَن چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

شب کو ہوئیں، اہا اہا! زور مزوں کی مستیاں
سبز دلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں
دھوم جیوں میں بستیاں، چہلیں پڑیں اُکستیاں
بجلی کی شکلیں ہنستیاں، بوندیں پڑیں برستیاں[۱]
دونوں میں عیش مستیاں، دونوں میں مے پرستیاں
اس میں فلک نے یک بیک، لوٹیں دلوں کی بستیاں

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم، رات گھٹائیں کالیاں
بجلیوں کی اُجالیاں، بارہ دری کی جالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں، منھ پہ نشوں کی لالیاں
کوئلیں بولیں کالیاں، بہ چلے نالے نالیاں
عیش کی جھومیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں کھا لیاں[۲]

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

ابر و ہوا کے، واہ واہ! شب کو عجب ہی زور تھے
بھیگ رہا تھا سب چمن، مینھ کے جھڑا کے زور تھے

[۱] برستیاں۔ سستیاں۔ کستیاں۔ اُٹھیاں وغیرہ نظیر کے زمانہ میں شاید بولا جاتا ہو، فی زمانہ غیر فصیح و لغو ہے ۱۲
[۲] کھا لینا۔ برباد کرنا ۱۲ شہباز

غوک، پپیہے، مور تھے، جھینگروں کے بھی شور تھے ۔ بادہ کشی کے دور تھے، عیش و طرب کے چھور تھے
باغ سے تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے ۔ آپڑے اس میں ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

چار طرف سے ابر کی، واہ! اُٹھی تھی کیا گھٹا! ۔ بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑگڑا
برسے تھا مینھ بھی جھوم جھوم پھاجوں، امنڈ امنڈ پڑا ۔ جھوکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا
ہم بھی ہوا کی لہر میں، پیتے تھے مے بڑھا بڑھا ۔ دیکھ ہمیں اس عیش میں سینہ فلک کا پھٹ گیا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

زور مزوں سے رات کو برسے تھا مینھ جھمک جھمک ۔ بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے چھپک چھپک
جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک ۔ یار بغل میں با نمک، عیش و طرب تھے بے دھڑک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک ۔ کیا ہی سماں تھا عیش تھا! اتنے میں آہ! ایک بیک

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

کیا ہی مزا تھا، واہ واہ! ابر و ہوا کا، یار و گل! ۔ برسے تھا مینھ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
عیش و نشاط بر محل، بارہ دری کا تھا محل ۔ شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار جی میں کل
پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل ۔ اس میں نظیر یک بیک آکے یہ پڑ گئے خلل

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اُٹھ گیا، سب وہ بہار بہ گئی

سوز فراق

تضمین[1] مُعَشَّر

مجھے اے دوست، تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے
یہ بیتابی، یہ بیخوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہے
اگر کچھ منہ سے بولوں تو مزہ الفت کا جاتا ہے
مرا در دلیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد

کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے
نہ دل لگتا ہے گھر میں، اور نہ صحرا مجکو بھاتا ہے
وگر چپکا ہوں رہتا تو کلیجہ منھ کو آتا ہے
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
ایسو کٹھن سنیہ[2] کا کس بدھ کروں اُپاؤ[3]

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپہی کو دُکھ پانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستمے روز ازل داغ جدائی را

جگر کی بیکلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا، لوٹنا، بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کفِ افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
نمیکردم بدل روشن چراغ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی! پیت نہ کیجو کوئے

سحر سے شام تک صحرا میں پھرنا دن کو من مارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ جوں آتش کے انگارے
جب اُس کی ہی یہ مرضی ہے تو چپ بیٹھے ہیں بیچارے
زحال من کہ چونم بے رخت، داری خبر یا نہ؟

لگا کر شام سے تا صبح گننا رات کے تارے
جسے دل چاہتا ہے اُس کو کچھ پروا نہیں بارے
مگر اُس کے تصور میں یہی کہتے ہیں "اے پیارے
دل من سوخت، آیا درد لت باشد اثر یا نہ؟

[1] کوئی اس نظم کو دسوخت کہتا ہے کوئی ترکیب بند مجھے دونوں میں عذر ہے چونکہ یہ فراق نظم گائی بھی جاتی ہے اور نہایت گہرا اثر سوز وگداز کا رکھتی ہے لہٰذا اس کو سوز فراق سے ملقب کیا گیا
[2] سینہ۔ دوستی محبت۔ عشق ۱۲
[3] اُپاؤ دوا علاج۔ تدبیر، چارہ ایک نعمت جو پانے بھی ہے ۱۲ شہباز

آہ دیئی کیسی بھئی ان چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں، جل جل مرے پتنگ

کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں
بدن میں دیکھ کر شعلہ بھڑکتے، ہاتھ ملتا ہوں
زتابِ آتشِ دوری کہ میسوزد دل و جاں را

کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
دھواں اُٹھتا ہے آہوں کا، برنگِ موم گلتا ہوں
بھبھوکے تن سے اُٹھتے ہیں، ستی کی طرح جلتا ہوں
نمودہ نبض من پُر آبلہ دستِ طبیباں را

برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوأت بید کے پڑے پھپھولے بات

پھپھولا

غضب ہے ایک تو سمجھے نہ دل ورجی بھی گھبراوے
نہ ہو دل کیونکہ ٹکڑے اور نہ جاں کس طور اُکتاوے؟
لگے جو آگ دل میں، پھر وہ بجھنے کس طرح پاوے؟
چو در دل آتشِ دوری فتد او را کہ بنشاند

تس اوپر ہر گھڑی اُس دلربا کی شکل یاد آوے
در و دیوار سے کیونکر نہ کوئی سر کو ٹکراوے؟
مگر جس نے لگائی ہو، وہی آ کر بجھا جاوے
مگر آنکس کہ آتش زدہ ہوں آبے برافشاند

ہردے اندر دَوْن لگی، دھواں نہ پرگھٹ ہوئے
جا تن لاگے سو لکھے، یا جن لائی ہوئے

کہاں تک کھائیے غم؟ اب تو غم کھایا نہیں جاتا
قدم رکھتا ہوں جس جا، واں سے سرکایا نہیں جاتا
پڑا ہوں دشت میں رستہ کہیں پایا نہیں جاتا
مکانِ یار دور، از من نہ پر دارم نہ پا، اے دل

دلِ بیتاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا
یہ پتھر ہاتھ سے تل بھر بھی اُکسایا نہیں جاتا
جو چاہوں بھاگ جاؤں، بھاگ بھی جایا نہیں جاتا
عجب در مشکل اُفتادم، چساں طے سازم ایں منزل

نا میرے پنکھ نہ پاؤں بل، میں اپنکھ، پیا دور
اُڑ نہ سکوں، گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

اُدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ "تو چل یار کے ڈیرے"
ادھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ "تو مت مجھ کو دکھ دے رے"

له ہردا دل دَوْن آگ، پرگھٹ ظاہر، لکھنا دریافت کرنا، شہباز

(۱) جا تن لاگی سو لکھے دوجا کوئے
(۲) جا تن لاگی سو لکھے یا جن لائی ہوئے

نہ رہتا ہے وہ

جو کہنا دل کا کرتا ہوں تو وہ رہتا ہے گھر میرے — وگر تن کی سنوں تو اور دکھ پڑتے ہیں بہتیرے
نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے — کروں کیا میں نظیر، ایسی جو مشکل آن کر گھیرے؟
دلم دلدار می جوید، تنم آرام می خواہد — عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت می کاید

دل چاہے دلدار کو، اور تن چاہے آرام
دبدا میں دونوں ہو گئے نہ مایا ملی نہ رام

دبدا — نہ دو ردونوں

(۵۳۶)

طلسم وصال
تضمین معشر

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل — کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا بے کل
ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھلبل — فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پر لگا کاجل
کبھی نظریں لڑا دے اور کبھی مکھڑے پہ لے انچل — پڑا در کان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
نگارے، گلعذارے، نو بہارے، نازنین لاٹے — دلآرامے، پری شکلے، بتے، شوخے، دل آرامے

دیہ سمن تیں او جڑی، مکھ میں چند لجائے
بھویں دھنکیں تان کیں، پلکیں بان چلائے

مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا — دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپایا
گرا میں ہو کے بیخود یوں، پری کا جیسے ہو سایا — پھر اس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا
بہت سا اس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا — نہ مانا دل نے ہرگز، ڈھونڈھنا ہی اس کا ٹھہرایا
کشیدم نالہ از شوق، پیراہن قبا کردم — برائے جستن او صبر و تسکیں را رہا کردم

بھینٹ بھئی جاتیں کہی نینن انسواں لائے

ہے کوئی ایسا مہنت جو پیتم مندر بتائے

کہوں کیا اُس گھڑی یارو، عجب حوال تھا میرا — ہر اک سے پوچھتا تھا ہر گھڑی اُس شوخ کا ڈیرا
طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا — ادھر آہوں کی سوزش اور اُدھر اشکوں نے آگھیرا
کبھی تھی اس طرف جھانکی کبھی تھا اُس طرف پھیرا — جو کوئی پوچھتا تھا "کیوں میاں کیا حال ہے تیرا؟"
از و می گفتم "احوالم مپرس اے یار غم خوارم — خرابم دلفگارم، بے قرارم، نو گرفتارم

الکن[1] پھندے اُر پری اور من پنچھی دینو روئے"
درگن[2] جادو ڈار کے سُدھ بُدھ دینی کھوئے

ابھی یاں اک پری رو کر گیا ہے مجھ کو دیوانہ — مرا دل ہو گیا اُس شمع رو کو دیکھ پروانہ
پلایا اُس کی آنکھوں نے مجھے اُس مے کا پیمانہ — نگہ نے کر دیا اُس کی مجھے اک پل میں مستانہ
ملوں اک دم تو میں اپنا سناؤں اُس کو افسانہ — مکاں اُس کا تجھے معلوم ہے اے یار، کچھ یا نہ
اگر دانی، چناں کن لطف تا بینم مکانش را — نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را

نینہ[3] گرے کا ہار ہے، ہوں تورے بلہار
مارے ہے موہے برہ دُکھ سے چل وا کے دُوار

یہ سن کر تھا وہ کہتا "میں تجھے اُس کا پتا دیتا — نہیں میں ساتھ جا کر تجکو اُس کا گھر بتا دیتا
ابھی لے جا کے تجھکو اُس کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیتا — جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں وہ سب جتا دیتا
ادب سے جا کے اُس کے حلقۂ در کو ہلا دیتا — نکلتا جب تو خوبی سے تجھے اس سے ملا دیتا
ولیکن آں بتِ سرکش نو عاشق عار میدارد — رسیدن تا درش آساں نباشد کار میدارد"

پلک کٹاری مار کے، ہر دے رکت بہائے
کہ کی آہ سامرت[4] جو واکے دوارے جائے"

یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا — جو اُلفت میں جتاتے ہیں وہی تھا مجھ کو بتلاتا
مگر مجھ کو بغیر از دیکھنے کے کچھ نہ تھا بھاتا — کبھی تھا آہ کرتا اور کبھی تھا اشک بھر لاتا

---

[1] الکن زلف گیسو۔ [2] درگ آنکھ نگاہ ۱۲ [3] ... [4] سامرت دیا سامرتھ قابلیت طاقت ۱۲

کبھی دیوانہ بن کر سوئے صحرا اٹھ نکل جاتا
دلِ شیدا کو اپنے تھا کبھی اس طرح سمجھاتا
بہ بنیم آخرش او راز من تا کے نہاں باشد
اسیرانِ محبت را کجا پروائے جاں باشد

نیہ نگر کی ریت ہے تن من دیہو کھوئے
بیت ڈگر جب پگ رکھا ہونی ہو سو ہوئے

وہ تھا یہ بات سنتا جب مرا منھ دیکھ رہتا تھا
جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
مرا دل آتشِ فرقت میں اُس دلبر کی دہتا تھا
نہ تھا کچھ بن جو آتا اُس سے، درد و رنج سہتا تھا
گریباں تک پڑا اشک اُس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا
وہ کہتا تھا "ارے پھر جا" تو میں یوں اُس سے کہتا تھا
کشم آہ و فغانم گریۂ دشام و سحر گردم
نہ بینم تا رخش، از جستجو ہرگز نہ بر گردم

بیتم نے من موہ کے کینوں مان گمان
بن دیکھے وا روپ کے میری کڑہت پران"

چلا واں سے میں اُس غمخوار کی باتوں سے گھبرا کر
یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلائے اُس کا گھر
پریشاں حال پھرتا تھا، کبھی ادھر کبھی ادھر
بتایا جب مکاں اُس کا تو بیٹھا ایک رستے پر
یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آ پہونچا نہیں دل بر
اُٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اُسکے قدموں پر
مرا مجروح کردی در نگہ ہم رُخ بپوشیدی
چہ تقصیرم کہ دل بُردی و حالِ من نہ پُرسیدی

من مورا بس کر لیو، کاہے کینی اوٹ
ایسی موتیں، من ہرن، کہا بن آئی کھوٹ"

کہی یہ بات جب اُس شوخ سے میں نے بہ چشمِ نم
تو پہلے ناز میں وہ ناز میں مجھ سے ہوا برہم
لگا مجھ کو جھڑکنے اُس گھڑی تیوری چڑھا کے ہم
پھر اُس میں رحم جو آیا تو ہنس کر یوں کہا اُس دم
تجھے زخمی جگر آئے تھے اب تیغ نگہ سے ہم
لگا دیں گے ترے ہر زخم پر اب لطف کا مرہم
نظیر ایں حرف چوں گفت آں نگارِ دلستانِ من
غم از دل رفت و آمد شاد مانہا بجانِ من

سن
من میرو یا بات رس ہیٹھ بھیو پرسند

نکسو دُکھ، من بیچ تے آن بھری آنند

(۵۳۷)

بحر طویل

پہلا مصرع

ایک دن باغ میں جاکر، چشم حیرت زدہ واکر، جامۂ صبر قبا کر، طائر ہوش اُڑا کر،
شوق کو راہ نما کر، مرغ نظارہ اُڑا کر، دیکھی زنگت جو چمن کی، خوبی نسرین و سمن کی،
شکل غنچوں کے دہن کی، تازگی لالہ کے تن کی، تازگی گل کے بدن کی، کشت سبزے کی
ہری تھی، نہر بھی لہر بھری تھی، ہر خیاباں میں تری تھی، ڈالی ہر گل کی ہری تھی، خوش نسیم
سحری تھی، سرو و شمشاد و صنوبر، سنبل و سوسن و عرعر، نخل میوے سے رہے بھر، نفس باد
معنبر، در و دیوار معطر، کہیں قمری تھی مطوق، کہیں انگور معلق، نالے بلبل کے دقیق،
کہیں عوغائی کی بق بق، اس قدر شاد ہوا دل، مثل غنچے کے گیا کھل، غم ہوا کشتہ و بسمل،
شادی خاطر سے گئی مل، خرمی ہو گئی حاصل، روح بالیدہ ہو آئی، شان قدرت دی دکھائی،
جان سی جان میں آئی، باغ کیا تھا گو یا اللہ نے اُس باغ میں جنت کو اُتارا،

دیری

دوسرا مصرع

ناگہاں صحن چمن میں، مجمع سرو و سمن میں، جیسے ہو روح بدن میں، جیسے ہو شمع لگن میں،
جیسے خورشید کرن میں، ماہ پردیں ویرن میں، دیکھا اک دل بر رعنا، وطرح دار جفا کار، دل آزار
نمودار، نگہ ہمسر شمشیر، مژہ ترکش پہ تیر، سر زلف گرہ گیر، دل خلق کی زنجیر، جبیں نور کی
تصویر، وہ رخ شمس کی تنویر، زبان شہد بیاں شیر، نظر روح کی اکسیر، دہن غنچۂ خاموش،

سمن برگ برودوش، سخن بحر گہر جوش، بدن سروِ قباپوش، پھڑی گل کی ہم آغوش، وفا رحم
فراموش، ہر اک آن ستم کوش، عجب حسن دل آرا، نہ کبھی مہر نے دیکھا، نہ کبھی ماہ نے دیکھا، نہ کسی فہم
میں آیا، نہ تصور میں سمایا، وہ نظر مجھ کو جو آیا، مجھے حسن اپنا دکھایا، دل نے اک جوش اٹھایا،
جی نے سب ہوش اُڑایا، سر کو پاؤں پہ جھکایا، اشک آنکھوں سے بہایا، اُس نے جب یوں
مجھے پایا، یہ سخن ہنس کے سنایا، کہ "تو ہے عاشق شیدا، لیکن عاشق نہیں پیدا، ہوئے تجھ پر
یہ ہویدا، کہ اگر ہم کو تو چاہے یا محبت کو نباہے، نہ کبھی غم سے کراہے، نہ کسی غیر کو چاہے،
نہ کبھی گل کی طرف دیکھ، نہ سنبل کی طرف دیکھ، نہ بلبل کی طرف دیکھ، نہ بستاں پہ نظر کر،
نہ گلستاں میں گزر کر، چھوڑ دے سب کی مودّت، ہم سے رکھ دل کی محبت،
اس میں ہم بھی تجھے چاہیں، تجھ سے الفت کو نباہیں، ہیں یہی چاہ کی راہیں، گر یہ
مقدور تجھے ہو، اور یہ منظور تجھے ہو، تو نظیرؔ آج سے تو چاہنے والا ہے ہمارا"

(۵۲۸)

پہلا مصرع

راحت افزائے محباں، مصدر لطفِ نمایاں، مظہر خوبی شایاں، مجمع مہر نمایاں، رونق
محفلِ الفت، زینت بزم مودّت، باعثِ راحت و بہجت، سبب فرحت و عشرت،
شادباشی وسلامت، شوقِ دیدار نہ چنداں، کہ بہ کلک آید بیاں، لاجرم بہتر وانسب،
کہ پذیرہ مطلب، نامۂ عیش فزایت، بہ تفقد وعنایت، لطف اصدار نمودہ،
فرحت تازہ فزودہ، حسن الفاظ نگارد کہ مضامین و معانی، بعبارت نظر آرد کہ بانداز
عیانی، ایں تلطف کہ نمودی، بایں ہمہ زودی، منتے بر دلم آمد، خامہ گر تیز خرامد، نتواند کہ
نگارد، وصف آں مہر نگارا۔

دوسرا مصرع

آں کہ از فرطِ عطوفت، بصد افزونی شفقت، طلب بے رو الفت، شدہ با کثرتِ سُرعت
از پے فرخندہ بشارت، خہے زیبندہ اشارت طرب و فرحت آں را، کہ بدل ساختہ ما را،
اگر اظہار نماید، بزبان عجز فزاید، دگر از خامہ نگارد، بنوشتن نگراید، عزم ایں مخلص دیرین، ہمیں
اے دل بہ رنگیں، کہ بتاخیر نسازد، وتوقف نظر ازد، پے تحصیل تمنا، برسد زود در آنجا،
از عنایات الٰہی، ہست امید کہ جلدی، بینہ از فرحت و خوبی، رُخِ خورشید ضیا را +

(۵۳۹)

پہلا مصرع

صبح دم با دل خرم، توسن عزم جہانم، سر کوے بر سانم، دیدم القصہ ہماں دم، دلبرے
طرفہ ترے، حُسن ورے، فتنہ گرے، لب شکرے، پرفن عیارے، دل آرام دل آزار، جفا
کیش طرحدار، پری شکل فسوں کار، بہ تن جامۂ رخشاں، ہمچو خورشید درخشاں، تازہ تر چوں
گل خنداں، سرمہ در چشم نمایاں، زینتِ لب مسی دیاں، بہ تبسم شکر افشاں، بنگہ سحر دل و جاں
ہمہ مکر و ہمہ دستاں، زلف بر چہرہ کشادہ، بہر جاں دام نہادہ، مثلِ صیاد ستادہ، بردہ دل بانداز
نداده، بنمایش ہمہ سادہ، وے پرکار زیادہ، صنمے، مہر وشے، غنچہ لبے، گل بدنے، سرو قدے،
ناز کنے، عشوہ دہے، شوخ دل آرا +

دوسرا مصرع

دلم از عقل برآمد، حیرتے در نظر آمد، عشق خود جلوہ گر آمد، آمد و خوب تر آمد، شدہ حالے عجبے،
گہ طربے، گہ تپشے، گہ خلشے، گہ نظرے، گہ حذرے، ہیچ نہ در یاد، بدل شوق در ازدیاد، بجاں

شورشِ بیداد، چہ گویم کہ چہ افتاد، شدم محوِ تماشاہ دید چوں آں بتِ زیبا کہ شد ایں والہ و شیدا،
زود آور دلبہا، خندۂ قند و نمک زا، کرد صد ناز ہویدا، گفت "اے ہوش نہ برجا، تو چرا آمدی
ایں جا، سرِ خود گیر بزودی، باش آں طور کہ بودی" گفتمش "دل تو ربودی، عاشقِ خویش
نمودی، بر منِ شیفتہ، والہ دیوانہ، دل دادہ، دل بستہ، افتادہ، خود لطف ضرورست
نگارا، +



قصائد، قطعات و رباعیات نظیرؔ

قطعات

(۵۴۰)

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ — ذرا تو چل کے گلستاں کو شب چراغ کو دیکھ
جونہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرم — گلوں کے حسن کو اور ناز اور دماغ کو دیکھ
کہ اس میں آیا نظر مجھ کو اک گل لالہ — ہیں شاد اس کے ہوا عیش با فراغ کو دیکھ
یکایک اس نے کہا تو نگہ نہ کر مجھ پر — نہ میرے بادۂ شبنم سے پر ایاغ کو دیکھ

نہ میری دیکھ تو سبزی نہ رنگ سرخ نظیرؔ
ہے دردمند اگر تو تو میرے داغ کو دیکھ

(۵۴۱)

ایک دن رو کر لگا کہنے دل شیدا مجھے — تو نے عیش زندگانی کچھ نہ دکھلایا مجھے
میں کہا، بازار دنیا میں ہے سب کچھ دیکھ لے — جو تجھے درکار ہے اس کی تو کر ایما مجھے
گر یہ دولت چاہیے تجھ کو تو ہے یہ بے وفا — بے وفا سے پھر توقع کیا تجھے اور کیا مجھے
وصف اس بازار دنیا کا کہوں میں تجھ سے کیا — ایک نکتہ اس گھڑی ہے خوب یاد آیا مجھے

ایک مزارستان میں اے دل اک مزار کہنہ تھی
واں ہدایت نے شگاف ایک اس میں کھلایا مجھے

مختصر تھی اک چمن بندی اور اس میں ایک شخص
مسند زریں پہ بیٹھا واں نظر آیا مجھے

ناگہاں باصد تاسف ہائے دنیا کہہ اُٹھا
اس کے کہنے سے تعجب ہو گیا اس جا مجھے

میں کہا ان خوبیوں میں چاہیے افسوس کیا
سن کے بولا اس کا اب افسوس ہی آتا مجھے

میں نے واں کی تھی عبادت اور ریاضت چند روز
لطف حق نے اس کے بدلے یاں یہ کچھ بخشا مجھے

اور جو میں بھر عمر رہتا واں عبادت میں تو پھر
کیا کہوں اس کی عوض ملتا یہاں کیا کیا مجھے

سن کے اس نکتے کو مجھ سے یوں کہا دل نے نظیرؔ
سچ کہا تو نے نہایت یہ پسند آیا مجھے

(۵۴۲)

ایک دن دل خود بخود اک بار قہ قہ کر ہنسا
میں نے اس کا دیکھ کر وہ خندۂ دنداں نما

یوں کہا تجھ کو ملا کیا گنج دولت کا کوئی
یا پڑا پایا کوئی تو نے جواہر بے بہا

یا کہیں سے منصب و جاگیر کی پہونچی نوید
یا تجھے خط اماں کلک اجل نے لکھ دیا

تو ہے غرق معصیت تجھ کو تو ہو کر منفعل
چاہیے عذر گنہ کرنا بصد درد و بکا

ایک دن تیری طرح سے میں بھی با عیش و نشاط
مثل گل خنداں و خرم اک گلستاں میں گیا

دیکھ کر ہنستا مجھے اک گل یہ بولا او میاں
اس قدر اس باغ میں ہنستا نہیں تجھ کو روا

میں نے اس کو یوں کہا آخر اسی گلزار میں
تو بھلا کس واسطے ہنستا ہے ایسا کھلکھلا

سن کے اس نے قطرۂ شبنم کے آنسو چشم سے
کر کے جاری اور بصد افسوس یوں مجھ سے کہا

میرے اور ہنسنے میں تیرے ہے نہایت اختلاف
تو ہنسا غفلت سے اور میں عمر پہ اپنی ہنسا

کل جو تھے یاں گل کھلے آج انکی ایک اک پنکھڑی
سامنے میرے اُڑا کر لے گئی باد صبا

اب کوئی دم میں یہی ہو گی مری صورت نظیرؔ
پس ترا ہنسنا بجا ہے یا مرا ہنسنا بجا

(۵۴۳)

کہا دل نے مجھے اک دن کہ یاں دولت غنیمت ہے
نشاط و کامرانی فرحت و عشرت غنیمت ہے

یہ سن کر میں نے اس سے یوں کہا کہتا ہے کیا اے دل
یہ دنیا کی ہوس ہے تو اسے کہہ مت غنیمت ہے

حباب آسا تری ہے زندگی اس بحر دنیا میں
اگر تو غور سے دیکھے تو یہ مہلت غنیمت ہے

پس اس مہلت میں تجھ سے جو عبادت اور ریاضت ہو
تو وہ نعمت تجھے اے دل بہر صورت غنیمت ہے

نظیرؔ اب تجھ سے کہتا ہے یہ اے دل اتنی فرصت میں
جو کچھ حسن عمل کر لے تو یہ فرصت غنیمت ہے

(۵۴۴)

کہا یہ دل نے مجھے دیکھ کر شب مہتاب
کہ میں ہوں اس شب مہتاب میں بہت بیتاب

جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب

بلا کے مطرب و رقاص چند بادلہ پوش
بچھا کے فرش مکلف سفید آئینہ تاب

جو چیزیں بزم طرب کی ہیں سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گل شاداب

ادھر سرور دکھاتے بہار رقص و سرود
ادھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ و رباب

برستے عیش و نشاط اس طرح سے کر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہے جھڑ باندھ باندھ جوش سحاب

سحر تلک غرض اس بزم عشرت آگیں سے
ہزار فرحت و عشرت میں کرتا استیعاب

یہ سن کے میں نے کہا دل کو ایسی محفل تو
پچاس ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہے شتاب

کچھ ایسی بات نہیں یہ تو ہے ابھی موجود
پر ایک بات میں پوچھوں جو اس کا دے تو جواب

ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب ان کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہے حساب

انھوں نے کھو کے کروڑوں روپے یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی نہ وہ اسباب

صراحی رہ گئی حسرت سے خون دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کر کے چشم پر آب

تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرت دنیا خیال ہے یا خواب

تو جس کو زیست سمجھتا ہے وہ ہے شعلۂ خس — تو جس کو عیش ہے گنتا سو وہ ہے نقش بر آب
تو آب جس کو سمجھتا ہے عطش غفلت سے — وہ موج آب نہیں ہے فقط ہے موج سراب
نہیں وہ چاندنی ہو جس کے بعد تاریکی — نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب
وہ مے کہ پہلے ہو جس میں سرور پیچھے شرور — سوائے آب سراصلا نہ کہیئے اس کو شراب
تو جس کے واسطے کرتا ہے اس قدر افسوس — مرے قیاس میں ہے وہ خلاف رائے صواب
اگر خطا نہیں تیری میں خوب سمجھا ہوں — فریب دیو ہے تجھ کو یہ نفس خانہ خراب
تجھے تو نفس کے برعکس چاہیئے کرنا — کہ جس میں تو ورنہ پاوے یہ مفتری کذاب
ضیاء نور عبادت سے اپنا خانۂ دل — کر ایسا جیسا کہ ہے آفتاب عالمتاب
فروغ طاعت و تقویٰ کر اس قدر پیدا — کہ جس سے تیری شب کور ہو تجلی یاب
بھروسا عمر کا مت کر نہیں وفا اس میں — جو کچھ نکوئی ہے کرنی تو وقت را دریاب

نظیر کی تو یہی بات یاد رکھ اے دل
کہ یہ جہاں تو ہے دریا اور اس میں تو ہے حباب

رباعیات نظیر

(۵۴۵)

مکھڑے کو جو اُس کے ہم نے جا کر دیکھا
مکھ تو نہیں پہ چھپ چھپا کر دیکھا
وہ حسن نظر پڑا کہ جس کا ہم نے
جب رات ہوئی تو مہ کو جا کر دیکھا

(۵۴۶)

دیگر

محبوب نے پیرہن میں جب عطر ملائے
اور پان چبا کے اپنے گھر سے وہ چلا
ہم نے یہ کہا نہ جاؤ باہر اے جاں
ہے شام قریب ہنس دیا کہہ کے بھلا

(۵۴۷)

دیگر

اس شوخ کو ہم نے جس گھڑی جا دیکھا
مکھڑے میں عجب حسن کا نقشا دیکھا
ایک آن دکھائی ہمیں ہنس کر ایسی
جس آن میں کیا کہیں کہ کیا کیا دیکھا

(۵۴۸)

دیگر

دل دیکھ اُسے جس گھڑی بے تاب ہوا
اور چاہِ ذقن سے مثلِ گرداب ہوا
کی عرض کہ بے قرار دل ہے، تو کہا
اب دل نہ کہو اسے جو سیماب ہوا

(۵۴۹)

دیگر

ہم دل سے جو چاہتے ہیں اے جان تمھیں
تم پاس بٹھاؤ تو ذرا بیٹھیں ہم
بے کل ہوں اگر نہ دیکھیں ایک آن تمھیں
مشکل ہے ہمیں تو اور ہے آسان تمھیں

(۵۵۰)

دیگر

اس زلف نے ہم سے لے کے دل بستہ کیا
آنکھوں نے نگہ نے اور مژہ نے کیا کیا
ابرو نے کجی کے ڈھب کو پیوستہ کیا
کیفی کیا، دیوانہ کیا، خستہ کیا

(۵۵۱)

دیگر

پان اس کے لبوں پہ اس قدر ہے زیبا
ہر فندق انگشت سے اس دست کو گر
ہو رنگ پہ جس کے سُرخی لعل فدا
گلدستۂ باغ حسن کہیے تو بجا

(۵۵۲)

دیگر

کیا حال اب اس سے اپنے دل کا کہیے
مشکل ہے مہینوں میں نہ جاوے جو کہا
منظور نہیں یہ بھی کہ سب بے جا کہیے
پھر لیجے جو ایک دم تو کیا کیا کہیے

(۵۵۳)

دیگر

پس اس کے گئے سیر جو ہم کر سینہ
جب ہم نے کہا دیکھنے آئے ہیں تمھیں
دل کرنے کو اس کی چاہ کا گنجینہ
سن کر یہ لگا وہ دیکھنے آئینہ

(۵۵۴)
دیگر

آئینہ جو ہاتھ اس کے سنے تا دیر لیا
اس دیر سے خجلت نے ہمیں گھیر لیا
جب ہم نے کہا کیا یہی عاشق ہے میاں
یہ سنتے ہی آئینے سے منھ پھیر لیا

(۵۵۵)
دیگر

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمہاری دل میں
آرام کی ہے امیدواری دل میں
تم حکم قرار کو نہ دوگے جب تک
البتہ رہے گی بے قراری دل میں

(۵۵۶)
دیگر

رکھتی ہے جو خوش چاہ تمہاری ہم کو
اور کرتی ہے شاد باری باری ہم کو
کچھ دیر جو کی تھی ہم نے دل دیتے وقت
اب تک ہے اسی کی شرمساری ہم کو

(۵۵۷)
دیگر

کوچے میں تمہارے ہم جو تک آتے ہیں
اور دل کو ذرا بیٹھ کے بہلاتے ہیں
ہو تم جو دل آرام تو ہم دیکھ تمہیں
اک دم رخ آرام کو تک جاتے ہیں

(۵۵۸)
دیگر

ہم دیکھ کے تم سے رخ آرام میاں
خوش رہتے ہیں دل میں سحر و شام میاں
دیوانے تمہارے جب ادا کے ٹھہرے
پھر حسن پری سے ہمیں کیا کام میاں

(۵۵۹)

دیگر

یاد آتی ہیں جب سہیں وہ بہلی چاہیں
تھے شور جو قہقہ کے سو اُن کے بدلے
افسوس کرے ہے دل ہیں کیا کیا راہیں
اب شور مچا رہی ہیں جی میں آہیں

(۵۶۰)

دیگر

ہوں کیوں نہ بتوں کی ہم کو دل سے چاہیں
دل لینے کو سینے سے لپٹ کر کیا کیا
ہیں ناز و ادا میں ان کی کیا کیا راہیں
ڈالے ہیں گلے میں پتلی پتلی باہیں

(۵۶۱)

دیگر

ہم اس کی جفا سے جی میں ہو کر دلگیر
دل ہاتھ سے جاتا ہے بغیر اس سے ملے
رک بیٹھے تو ہیں دے کریں کیا تقریر
اب جو نہ پڑیں پاؤں تو پھر کیا تدبیر

(۵۶۲)

دیگر

ساقی سے جو ہم نے مے کا اک جام لیا
معلوم نہیں جھک گئے یا بیٹھے رہے
پیتے ہی نشے کا یہ سرانجام لیا
یا گر پڑے یا کسی نے پھر تھام لیا

(۵۶۳)

دیگر

اے دل جو یہ آنکھ آج لڑائی اس نے
اپنی بے باکی اور حیا کی خوبی
اور پل میں لڑا کے پھر جھکائی اُس نے
تھی ہم کو دکھانی سو دکھائی اس نے

(۵۶۴)

دیگر

ہے چاہ نے اس کی جب سے کی جا دل میں
جاتی ہے جدھر نگاہ اللہ اللہ
کیا کیا کہیئے جو ہے نہیتا دل میں
آتا ہے نظر عجب تماشا دل میں

(۵۶۵)

دیگر

گر یار سے ہر روز ملاقات نہیں
دل دے چکے اب قدر ہو یا بیقدری
اور ہو بھی گئی تو پھر مدارات نہیں
جو کچھ ہو سو ہو بس کی تو کچھ بات نہیں

(۵۶۶)

دیگر

ناصح نہ سنا سخن مجھے جس تس کے
کیونکر نہ ملوں بھلا جی میں اس سے آہ
جو تو نے کہا یہ آوے جی میں کس کے
دل رہ نہ سکے بغیر دیکھے جس کے

قصائدِ نظیر

(۵۶۷)

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے با آب و تاب
وہ مطلّا قصرِ رنگیں وہ منقش بام و در
وہ عظیم الشان مکاں، دیتی تھیں جن کی زینتیں
صحن میں بستاں سرا ایسی پُر از غلمان و حور
اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق
مہروش بہرام صولت، بدر قدر و چرخ رخش
وہ تجمل، وہ تموّل، وہ تفوق، وہ غرور
ہر طرف فوجِ بتاں، ہر سو ہجومِ گل رخاں
چشمک و آں و اشارات و ادا و سرکشی
صبح سے لے شام تک اور شام سے تا بہ صبح
ساقی و مطرب، ندیم و مستی و مے خوارگی
کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوش سے
وہ بہاریں، وہ فضائیں، وہ ہوائیں، وہ سرور
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا، یا دفعتاً
وہ تو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا، مگر
تھا جہاں وہ مجمعِ عالی وہاں اب ہے تو کیا؟

اہلِ صورت کا ہے دریا، اہلِ معنی کا سراب
جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ و تاب
جس کے طاق آسماں کو طاق پر دے جواب
جن کی انہاروں میں جاے آب گل خالص گلاب
کیقباد، قیصر و کیخسرو، و افراسیاب
مشتری ہمت، ثریا بارگہ، کیواں جناب
وہ تحشّم، وہ تنعم، وہ تعیش، وہ شباب
جن کے عارض رشکِ ماہ و رشکِ روے آفتاب
طنز و تعریض و کنایت غمزہ و ناز و عتاب
متصل رقص و سرود، و پے بہ پے جام و شراب
ساغر و مینا گل و عطر، و مے و نقل و کباب
از زمیں تا آسماں شورِ نے و چنگ و رباب
وہ طرب، وہ عیش، کچھ جس کا نہیں حد و حساب
کردیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصرِ ویران و خراب
نقشِ ستم گور یا کنہ کوئی پرِ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم ، تو لب افسوس ہیں   اور جو کوئی طاق ہے ، تو صورت چشم پُرآب

خواب کہیئے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں ، واللہ اعلم بالصواب

(۵۶۸)

کیا کاسۂ سر پہ تجیے اس بزم میں اے ہم نشیں   دور فلک سے کیا خبر پہونچے گا لب تک یا نہیں
ہر کاسۂ فیروزہ گوں ، ہے شیشہ بار پر فنوں   جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیر نگیں
ہو اعتماد اس کا کسے ، ہے شیشہ بازی یاد اسے   رکھتا ہے شاد اک دم جسے کرتا ہی پُر اندوہ گیں
کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقت صبح دم   اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں
بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے اے میاں   تھے ہم بھی سر بر آسماں ، گو اب تو ہیں زیر زمیں
گل برگ سے نازک بدن ، سر پاؤں سے رشک چمن   زرّیں وسیمیں پیرہن ، دل کش مکانوں کے مکیں
دن رات ناز و نعمتیں ، مہ طلعتوں سے صحبتیں   عیش و نشاط و عشرتیں ، ساقی قراں ، مطرب قریں
باغ و چمن پیش نظر ، بزم طرب شام و سحر   ہر سو بکثرت جلوۂ حسن بتان نازنیں
اک آسماں کے دور سے ، اک گردش فی الفور سے   اب سوچیے گا غور سے در لحظۂ آں ، در لمحۂ ایں
سنتے ہی جی گھبرا گیا ، رخسار پر اشک آ گیا   دل عبرتوں سے چھا گیا ، خاطر ہوئی بس ہمگیں

اس میں سر اپنا ناگہاں ، ہر مو ہوا مثل زباں
بولا ”نظیر آگہ ہو ہاں ، من نیز روزے ہمچنیں“

(۵۶۹)

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے   خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
کر رکھا تھا اپنا قبضہ غیر کی املاک پر   چھن گئی جس وقت تب سمجھے کہ ہم نادان تھے
غیر کی چیزیں جرا لی ہم بڑی سمجھے تھے عقل   غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
ناگہاں اک استخواں پر جا پڑا اپنا قدم   کیا کہیں غفلت میں اس دم ہم کو کیا کیا دھیان تھے

پاؤں پڑتے ہی مرے اُس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے

دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کی خاطر کان تھے

ساعد و بینی جبیں نقش و نگار و خط و خال
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا طاق اور ایوان تھے

لگ رہے تھے قہقہے اور ہو رہے تھے چہچہے
ساغر و ساقی صراحی عطر پھول اور پان تھے

لگ رہا تھا دل کہیں چنچل پری زادوں کے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے

گلبدن اور گل عذاروں کے کنار و بوس سے
کچھ نکالی تھی ہوس اور کچھ ابھی ارمان تھے

ایک ہی چکر دیا ایسا اجل نے آن کر
نے تو وہ ہم ہی بنے نے عیش کے سامان تھے

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ختم شد دیوان نظیر

مثنویات نظیر

(۱)

مثنوی سیر دریا

تمہید

یک زماں از بحرِ عشرت زائے دہر — آگئی دریائے خاطر میں یہ لہر
یعنے ٹک دریا کی جانب جائیے — دو گھڑی واں دل کو خوش کر آئیے
آپڑا جب یہ ارادہ دھیان میں — جا پڑا دل شوق کے عمان میں
جی طلب کا سر بسر گھر ہو گیا — لُجّۂ خواہش سمندر ہو گیا
ہر طرف سے دل کے ہو کر دو بدو — جوش میں آیا محیطِ آرزو
آگئی کثرت میں فوجِ اشتیاق کی — سر سے گزری دل کے موجِ اشتیاق
کھینچ کر لنگر ہوس نے ناگہاں — زورقِ خاطر پہ باندھا بادباں
تند تر ہو کر تمنا کی ہوا کے — لے چلی کشتی طبیعت کی بہا

صفت کشتی

کیوں نہ وہ کشتی رواں ہر آن ہو — شوق جس کشتی کا کشتی بان ہو

کیوں نہ وہ کشتی تپش لیتی چلے | جس کو خواہش اور طلب کھیتی چلے
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو مثلِ باد | جس کی ہووے آرزو بادِ مُراد
کیوں نہ وہ کشتی روانی میں ہو طاق | جس کے چپو ہوں بدستِ اشتیاق
کیوں نہ وہ کشتی رواں ہو تیر ساں | جس کے قبضے میں ہوس کی ہو کماں
کیوں نہ وہ کشتی ہو پراں آب پر | دے تمنا جس کو ہر دم بال و پر
الغرض غالب ہوئی جب دل کی چاہ | سیل کے مانند لی دریا کی راہ

صفتِ دریا

جب نظر آیا کنارا بحر کا | اُس کے پہلو سے لگا اک دشت تھا
جی نے یہ چاہا کہ پہلے یک قلم | وصف اُس صحرا کا کریے رقم
پر جو اوّل بحر کا تھا ماجرا | پہلے اُس میں ہی سخن تیرا مرا
بھا گئیں اُس کی جو طرحیں خاصیاں | کیں اُسی کے آب میں غوّاصیاں
کیا کہوں، دریا تھا وہ یا عینِ نور | جس کی اک اک موج تھی بحرِ سرور
یوں وہ آبِ صاف سے پُرنور تھا | جس سے گدلا چشمۂ کافور تھا
تھا وہ کچھ حسنِ صفا پایا ہوا | جیسے آئینہ جلا پایا ہوا
تابشِ الماس کو آتے تھے بیم | قطرہ قطرہ اُس کا تھا دُرِّ یتیم
دن میں کرتا تھا وہ آبِ سیم مات | رات میں تھا چشمۂ آبِ حیات
تھی وہ کچھ تہ کی تجلّی گستری | جیسے آئینے میں ہو عکسِ پری

صفتِ شیرینیٔ آب

تھی عذوبت اُس کی یہ شکر فشاں | شہد جس کے وصف میں عذب البیاں

قند ہی چپکا نہ تھا کچھ ہو کے مات — مُنھ سے مصری کے بھی نکلے تھی نبات
شربت اُس پانی کے آگے رد تا تھا — دودھ بھی پانی سے پتلا ہوتا تھا
اُس کی شیرینی کی گر سُنتی صفیر — بھولتی شیریں کو اپنی جوئے شیر

صفت خنکی و شیرینی آب

سردی اور شیرینی اُس میں یوں بھلی — جیسے ہو وہ برفِ شیریں کی ڈلی
اودے اُس کو دیکھ کر غش کھاتے تھے — ہونٹ شکر کے بھی چپکے جاتے تھے

صفت موج

موج رکھتی ہے نزاکت سے وہ نہر — جوں کنارے کی بناوٹ میں ہو لہر
دیکھ کر اُس کی وہ چینِ دل نشیں — چپ ہی رہ جاتی وہاں چینِ جبیں
حد تو یہ اُس موج چین آباد سے — بھولی تھی جعدِ مسلسل یاد سے
نیمۂ شبنم کی چن کر آستیں — گر کوئی اُس موج کے لاتا قریں
تاب کیا جو پاس آنا جانتی — دور ہی سے دیکھ کر چیں مانتی
جب نسیم صبح واں آجاتی تھی — دل میں کیا کیا اپنے لہریں کھاتی تھی
کیا کروں اُس کے تواتر کا بیاں — اس طرح ہوتی تھی پے در پے عیاں
جیسے طبع عیش زا سے زود زود — کرتی ہیں ہر دم نئی لہریں نمود

صفت حباب

ہر حباب اُس کا نزاکت جوش تھا — موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
یا کہ تھی دریا نے پہنی، کر کے چاہ — سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ

یا ہوا نے قصد کرکے خواب کا — تھا وہ بے چوبہ بنا یا آب کا
درج سیمیں ہوش اُس پر کھوتا تھا — گنبد گردوں تصدق ہوتا تھا
کس نے دیکھا اُس سوا بہتا ہوا — آب پر اُلٹا کٹورا سیم کا
کس نے غیر از اُسکے دیکھیں بھالیاں — آب پر چینی کی اُلٹی پیالیاں
تھی ہوا اُس میں وہ کچھ خوبی بھری — جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری
تھا تنک اتنا کہ وار اور پار سے — خوف رکھتا تھا نگہ کے بار سے
کیا کہوں اُس کی صفائی اور چمک — کا سُر بلور جاتا تھا دمک
سو تیوں پر غم کے اولے پڑتے تھے — دل میں شیشے کے پھپولے پڑتے تھے
اب کہوں خوبی میں اُس کی تا کجا — بندھ رہی تھی دور میں، اُس کی ہوا

صفت گرداب

گردش گرداب تھی اس طور کی — میں نے جب خوبی پہ اُس کی غور کی
سر کو فکرت کے وہیں دور آگیا — ہوش کا بھی مغز چکر کھا گیا
دیکھتا گر اُس کی گردش کا کمال — چاک ہوتا سینۂ چرخِ کلال
کف پڑا پھرتا تھا وہ ایسا شگرف — چاک کے ہمراہ جوں پھرتا ہے ظرف
چرخ جب کہتا کہ اُس پر ہوں نثار — تھی زبانِ موج کہتی "دُور یار"
اُس کی گردش میں وہ چکر خاص تھا — جس سے حیراں دامن رقاص تھا
بحر دیکھ اُس کی پھرت کی پھیریاں — ناچتا تھا لے کے چکر پھیریاں
جب نظر جاتی تھی اُس میں گھرتی تھی — کیا کہوں، پانی میں پھرکی پھرتی تھی
اب پڑوں کب تک میں اُسکے آب میں — کشتی دل جا پڑی گرداب میں
اور رہی مضموں کوئی لاتا میں گھیر — گر نہ آجاتی طبیعت کو گھمیر

خوبیوں کو اُن کی تکتا تھا مہر شب کو عکسِ ماہ، دن کو عکسِ مہر

صفتِ ماہی

ماہیاں تھیں اُس میں وہ ندرت بھری جن کے اک اک پر کو تکتی تھی پری (ماہی ایک اک)

تھیں وہ اُن سے حسن کی ہمراہیاں مشت میں جن کی حنا کی ماہیاں

آدے کب لطف اُن کا آگاہی تلک جن کا غل تھا ماہ سے ماہی تلک (شورِ حسن کا)

یوں دلِ دریا سے ہوتی تھیں عیاں جیسے نقطہ نون کے ہو درمیان

ماہیِ چرخ اُن کو پاکر اچھیاں دور سے لیتی تھی اُن کی مچھیاں (ہے)

تھا تڑپنے کی کجی میں وہ جمال دن کو گر ہوتا تو غش کرتا ہلال

ایسی کچھ اُن کی وہ کجیاں تھیں نفیس دیکھتا تھا جن کو نونِ خوشنویس (ہیں) (ہے)

اُن کی کجیوں پر نظر جب لاتی تھی برق کیا کیا دہری ہو ہو جاتی تھی

آب تھی اُن کی کجی کے روبرو دل بروں کے ابروؤں کی آب رو

وہ کجی جب سر سے پا تک آتی تھی نون کی گردن کی ہے بن جاتی تھی (ہے) (ہے)

دیدۂ شوق اُن کو بھی یوں تک رہے جیسے ماہی کی دو چشمی ہو وے ہے

صفتِ صدف و ریگ

ہر صدف بلور سے شفاف تھی ریگ بھی آبِ گہر سے صاف تھی (ہے) (ہے)

صفتِ ساحل

ساحل اُس کے وہ صفا سے ہم کنار جس کی خوبی کا نہ تھا کچھ وار پار (نہیں)

صفتِ ذرۂ ریگ

ریت کے ذرّے جو واں ہموار تھے وہ بھی یکسر گوہرِ شہوار تھے (ریگ) (ہیں) (ہیں)

کیا کہوں ذروں کی اس کے آب و تاب	تک رہا ہے جن کی صورت آفتاب
ایک طرف ہیں قازو بگلوں کے پرے	ایک طرف سارس کلنگ اور قرقرے

خاتمہ

اس طرح کا بحر جب دیکھا رواں	دل نے بھر لیں راحتوں کی کشتیاں
طبع میں عشرت پناہی آگئی	غم کی کشتی پر تباہی آگئی

یاں سے اب لیتا ہوں میں صحرا کی راہ	ہیں عجب کچھ واں بہاریں واہ واہ
وادیٔ خاطر چمن سے ملتا ہے	غنچۂ دل دیکھتے ہی کھلتا ہے
گلشن اس کے حسن کا دل بستہ ہے	باغ اس صحرا کا اک گلدستہ ہے
گل سے ہر گل اب رگڑتا دوش ہے	بلبلوں کا بھی نہایت جوش ہے
اس طرح کی جابجا ہے سبزہ کاہ	جس سے ہوتی ہے ہری کشت نگاہ
ہے نزاکت اس کی سبزی میں یہ واں	اطلس سبز اس قدر نازک کہاں
مخمل اس سبزی کے اوپر سوتی ہے	پرنیاں ہر دم تصدق ہوتی ہے
لہلہاہٹ اس کی ہے یہ خوشنما	جس طرح چلتا ہے پانی لہر کھا
برگ برگ اس کا زمرد کا نگیں	قطرۂ شبنم بھی جوں در ثمیں
موج مے ہے اس کی ہر موج ہوا	اک نشہ سا دل کو آتا ہے چڑھا
خواب مغز سر میں ڈالے ہے کمند	خود بخود آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بند
اونگھ پر اونگھ اس مزے کی آتی ہے	آنکھ گہہ کھلتی ہے گہ مند جاتی ہے
نکہت جیب ہوا ہے یاں تلک	ہے معطر جسم جس سے جاں تلک
ہر شجر اس کا دم طاؤس ہے	بوٹا بوٹا طبع کا مانوس ہے

دیکھ شکل اس دشت نزہت بہر کی
تازگی دیکھ اس نضارت یار کی
دل نے یوں چاہا کہ اب رہیے یہیں
اب جو یہ صحرا ملا ہے بے تلاش
چھوڑیے دانش کی خوش اسلوبیاں
بے محابا شاد مانی کیجیے
دیکھیے وارستگی کی شادیاں

اُٹھ گئی دل سے محبت شہر کی
اُٹھ گئی اُلفت در و دیوار کی
خلق میں کہلائیے صحرا نشیں
کیجیے یاں مثل مجنوں بود باش
دیکھیے دیوانہ پن کی خوبیاں
بے تکلف زندگانی کیجیے
کیجیے دل کھول کر آزادیاں

عمر بھر اُٹھیے نہ یاں سے اے نظیر
دیکھیے ہر دم یہ دشت دل پذیر

مثنوی دوم

عجب دلکشا عالم حسن ہے — عجب جانفزا عالم حسن ہے
صفت حسن کی کس زباں سے کہوں — کہوں کیا اگر اس زباں سے کہوں
دکھائے ہے کس کس طرح کی بہار — فدا ہوں میں اس حسن صنعت کے یار
زباں میں اگر حسن گفتار ہو — تو شمہ بھی اس کا نہ اظہار ہو
ادا حسن کی وہ ہے اور آن بھی — کہ جس پر فدا ہے دل اور جان بھی
تبسم شکر، خوش اشارات ہے — تکلم بھی ایسا کہ کیا بات ہے
سراپا عیاں زینت افزائیاں — حیا، شوخیاں، جلوہ آرائیاں
جہاں صاحب حسن تشریف لائیں — تو واں لوگ پھولے نہ تن میں سمائیں
اگر روٹھ بیٹھیں تو منت کریں — خوشامد کریں دل سے خدمت کریں
جدھر یہ دکھاویں جفا کاریاں — اُدھر سب کریں ناز برداریاں
جنھیں ناز میں ہنس کے دشنام دیں — وہ اس کا مزا دل ہی دل بیچ لیں
جو ایک ان کی جھڑکی سے ممتاز ہوں — تو گویا کہ وہ دل میں سرافراز ہوں
یہ ہو کر خفا جن سے لڑنے لگیں — وہ ان کو منا پاؤں پڑنے لگیں
یہ کوچے سے اپنے اُٹھاویں جنھیں — وہ قسمیں دلا کر بٹھاویں انھیں
یہ تیوری کو جن پر چڑھائے رہیں — وہ چاہیں انھیں اور جفائیں سہیں
سہی قد سمن بر گل اندام ہیں — صنم ہیں پری ہیں دل آرام ہیں
عناں دل کی دے کر نظیر ان کے ہاتھ — غنیمت ہے الفت جو ہو ان کے ساتھ

کوئی نازنیں تھا بہت خوش جمال — پری شکل اور صاحب ملک و مال
وہ رنگیں ادا نوگل باغ حسن — کہ جس پہ فدا سو گل باغ حسن
کہاں حسن کی اس کے تقریر ہو — پری دیکھ کر جس کو تصویر ہو
عجب اس کی سج دھج عجب آن بان — عجب اس کی شوکت عجب اس کی شان
رہی سر پہ رفعت کی وہ سج کلاہ — کہ جس کو تکیں چاہ سے کج کلاہ
قبا تن میں حشمت کی وہ دل فریب — کہ رہ رہ کے دیکھیں جسے جامہ زیب
چمک حسن پر مہر اور ماہ کی — ترقی بہت دولت و جاہ کی
جدھر کو نکلتا وہ ہو کر سوار — ادھر لوگ اس گل پہ ہوتے نثار
نگہ کی کوئی پی کے مے جھومتا — کوئی اسپ کے نقش پا چومتا
کوئی دام کاکل میں ہوتا اسیر — کوئی دل میں کھاتا نگاہوں کے تیر
اٹھاتا کوئی تیغ ابرو کے وار — کوئی نوک مژگاں سے ہوتا فگار
غرض ملک خوبی میں تھا وہ جواں — شہ دلبراں خسرو دلبراں

مکاں اس کے کیا کیا چمکتے ہوئے — بلند اور وسیع اور جھلکتے ہوئے
کئی زرفشاں اور کئی سنگ کے — بچھے فرش ان میں کئی رنگ کے
جو خورشید کی پڑتی ان پر جھلک — تو جاتی جھلک ان کی کوسوں تلک
خواصیں کنیزیں بھی سب دلربا — بہت خوبرو اور بہت خوش ادا
وہ ناز ان کنیزوں کے کرتے تھے کام — کہ سن کر کئی دل تھے ان کے غلام
لباسوں میں سب سیم تن سی بھریں — جواہر کے گہنے پہ منت دھریں
بنے چو چلے، ناز، اٹکھیلیاں — انوکھی اداؤں میں البیلیاں
وہ باغ اس کے سب سرو سنبل بھرے — گل و بلبل ان میں تھے الکل بھرے

جو کچھ وصف کی باغبانی کرے ۔۔۔ تو نوک قلم گلفشانی کرے
کہے وصف گر اک خیاباں کا ۔۔۔ تو کاغذ ہو تختہ گلستاں کا
محل اس سے ہوتا شبستان حسن ۔۔۔ چمن اس سے ہوتا گلستان حسن
ندیم اس کے خاطر کے مرغوب تھے ۔۔۔ جو یہ خوب تھا وہ بھی سب خوب تھے

گیا ایک دن کھیلنے وہ شکار ۔۔۔ عجب واں تماشا ہوا آشکار
یہ پہونچے جو نخچیر گہ میں شتاب ۔۔۔ سب اسباب ہر صید کا بے حساب
نہ چھوٹے تھے چیتے ابھی اور نہ باز ۔۔۔ نہ جرے نہ شکرے سوے کبک و قاز
یکایک نئی اک شمیم آ گئی ۔۔۔ برنگ نسیم آ کے لہرا گئی
وہ نکہت کی جب واں ہوئی واردات ۔۔۔ تو اس میں ہوئی یہ تعجب کی بات
کہ آئی نہ وہ یار و اغیار کو ۔۔۔ مگر ان کو اور ان کے رہوار کو
جو نہی مغز میں ان کے وہ بو گئی ۔۔۔ تو حالت کچھ ان کی عجب ہو گئی
نہ اپنی خبر اور نہ توسن کی سدھ ۔۔۔ نہ کچھ ہوش جاں کا نہ کچھ تن کی سدھ
وہ توسن بھی ویسا ہی کچھ ہو گیا ۔۔۔ چلا بو کی جانب برنگ ہوا
نہ ہانکا انھوں نے نہ مہمیز کی ۔۔۔ دیے اس نے رفتار واں تیز کی
انھوں نے تو اس کی نہ دی باگ اٹھا ۔۔۔ وہ یکبارگی خود بخود بھاگ اٹھا
لگا تازیانہ جو تقدیر کا ۔۔۔ تو دیکھا اس کو ہوش اڑ گیا تیر کا
سواروں نے گھوڑے اٹھائے بہت ۔۔۔ گرڑے تازیانے لگائے بہت
گیا برق ساں سرخ و زرد کو ۔۔۔ پر اس کی نہ پہونچا کوئی گرد کو
وہ آگے یہ پیچھے تگ و تاز میں ۔۔۔ وہ انجام میں اور یہ آغاز میں
انھیں متصل ایڑ پر ایڑ تھی ۔۔۔ اسے اور ہی ایڑ کی پھیڑ تھی

گرہ ایک ہوا کی نمایاں ہوئی
جو نزدیک پہونچی تو پیچاں ہوئی

سمیت اسپ اس کو اُڑا لے گئی
یہ دیکھو ہوا کو ہوا لے گئی

جو دیکھا رفیقوں نے یہ اس کا حال
تو ہو جی میں دلگیر اور پر ملال

پھر آئے سوئے شہر آنسو بہا
یہ احوال اس کے پدر سے کہا

پدر یہ خبر سن کے غمگین ہوا
دل اس کا بہت حیرت آگیں ہوا

فلک بازی اس ڈھب کی جب جا کرے
تو واں شخص مجبور پھر کیا کرے

یہ حال اس کا جس نے سُنا رو دیا
تعجب میں آ ہوش کو کھو دیا

جو ہوتا تھا واں درد و غم سو ہوا
اب آگے سنو ماجرا جو ہوا

گئی اس کو لے کر ہوا جس گھڑی
تو کیا کیا چلی واں سے ہو کر کڑی

پھر آخر اسے لاکے ایک آن میں
اتارا عجب اک بیابان میں

ہوا جس گھڑی واں کی ان کو لگی
ہوئی دل کی اور ہوش کی تازگی

یہ اُترے جو اس دشت میں آن کر
تو دیکھا ادھر اور اُدھر دھیان کر

بڑا دشت آیا نظر ایک ہرا
بہت فرحت افزا بہت دل کشا

جو آئیں نظر واں کی ہریالیاں
تو کیا کیا ہوئیں دل کو خوش حالیاں

ہوا نرم ایسی تفریح بار
چمن میں چلے جوں نسیم بہار

کروں کیا ہوا کی میں خوبی رقم
لکھوں تو ہری ہو سراپا قلم

اگر رنج کی دل میں بنیاد ہو
تو سب اس ہوا سے وہ برباد ہو

کرے جس طبیعت سے ہمراہیاں
تو کیا کیا جتاوے ہوا خواہیاں

خوش آئی وہاں کی انھیں جو ہوا
ہوئی آگے چلنے کی دل کو ہوا

رسیدن جوان بر کنار چشمہ

بڑھے جب یہ آگے کو ہو شادماں
تو دیکھا کہ اس دشت کے درمیاں

بہت خوشنما ایک تالاب ہے — صفا پرور اس کا بہت آب ہے
تموج ہے گویا کیا ادا کر رہا — کناروں تلک آب ہے بھر رہا
بنا ہے بہت طرفہ معمول میں — بڑے عرض میں اور بہت طول میں
جو فکر اس کے بحر صفت میں ترے — تو جوں موج مضمون بہتا پھرے
قلم بھی لکھے کچھ جو آ لہر میں — تو پیرے وہ انگشت کی نہر میں
رقم ہو تو کاغذ کے اوپر شتاب — پھریں دوڑتے حرف مثل حباب
یہ کچھ موج کی سلسلہ بندیاں — کہ سنبل کی شاخیں ہوں شرمندیاں
شناماہیوں کا اس اداب میں — کہ جوں عکس مہ کا پھرے آب میں
اُگے سبزۂ سبز بخت اس کے گرد — کھڑے لہلہاتے درخت اس کے گرد
طیور اُن کی ہر شاخ پر ناز میں — پھریں خوبیاں ان کی آواز میں
کناروں پہ سروں کی پر آبیاں — پھریں بیچ میں ترتی مرغابیاں
بڑے قاز سرخاب بگلے بہت — وے یاں کے بگلوں سے اگلے بہت
کہیں پانی پیوے کلنگوں کی صف — بطیں بھی پھریں پیرتی ہر طرف
کہیں اس کے ساحل پہ مشکیں غزال — پییں ڈال کر منہ وہ آب زلال
اسے بھی یہ دیکھ عیش گستر ہوے — پیا پانی اور شادماں تر ہوے
سمجھ میں تو ان کی بیابان تھا — ولیکن وہ دشت پرستان تھا

ماندن جوان بوقت شب در آں بیابان

جو دیکھا وہ صحرا نیا ایک بیک — تو خوش ہو یہ دیکھا کیے دیر تک
تماشا کبھی اس فضا کا کیا — کبھی وصف آب و ہوا کا کیا
ہوے دشت میں واں کے مشغول یہ — چمن اپنے گھر کے گئے بھول یہ

دل ان کا جو تھا عشر میں گن رہا ‏ تو اس میں کوئی دو گھڑی دن رہا
یہ سوچے کہ یاں سے اُٹھا چاہیے ‏ کہیں شب کو چل کر رہا چاہیے
کچھ اک میوے اس جا کیے نوش جاں ‏ ہوئے پانی پی کر وہاں سے رواں
ہنسی اور خوشی جب یہ آگے بڑھے ‏ تو واں کوہ تھا اک یہ اس پر چڑھے
چڑھے کوہ پر واں جو یہ پر شکوہ ‏ تو دیکھا مکاں ایک بالائے کوہ
نئی طرز میں اس کی دیکھی بنا ‏ نہایت مصفا بہت دل کشا
انھوں نے نظر کر سب آرام پر ‏ رکھا پاؤں اپنا سر بام پر
چڑھے بام پر جب یہ ہر دل پسند ‏ تو بیٹھے اسی کو یہ کر دل پسند
ہوا اپنی راحت جتانے لگی ‏ بلندی بہاریں دکھانے لگی
چھپا سورج اور وقت دونوں ملے ‏ جو اس وقت کھلتے تھے گل سب کھلے
بسیرے کے طائر لگے بولنے ‏ ہر ایک طرز بسرام کو کھولنے
جو آواز اُن کی بہت واں ہوئی ‏ تو کیا کیا عیاں راحت جاں ہوئی
وہ صحرا کی سبزی وہ ہنگام شام ‏ ہوئے مل کے ایسے وہ حسن انتظام
کہ جوں سانولا دلربا شنگ ہو ‏ چھٹی منہ پہ زلف اسکے شب رنگ ہو
ہوا وصل ان کا وہ اس آن میں ‏ کہ سنبل ہو آغوش ریحان میں
جو دونوں میں واں آشنائی ہوئی ‏ تو پھر ذرہ میں مشک سائی ہوئی
لگیں لپٹیں آنے ادھر اور اُدھر ‏ مکاں سب گیا مشک و عنبر سے بھر
معنبر وہ صحرا وہ بن ہو گیا ‏ غرض رشک دشت ختن ہو گیا
معطر ہوا جب اُنھوں کا مشام ‏ تو ہنس کر کہا واہ رے یاں کی شام
یہ پھرتے تھے یوں بام پر شادماں ‏ پھرے جوں فلک پر مہ آسماں
کوئی دو گھڑی بعد پھر واں شتاب ‏ نمایاں افق سے ہوا آفتاب

وہ تھا کوہ اس جا جو آئینہ رنگ
تو کیا کیا چمکنے لگے اس کے سنگ

درختوں کے پتّے سہانے لگے
ہر ایک شاخ پر جگمگانے لگے

ضیائیں ادھر چاندنی رات میں
نمائش ادھر جوں طلسمات میں

وہ طائر جو ہیں بولتے رات میں
وہ مشغول سب اپنے نغمات میں

چمکنا جو تھا بھا گیا چاند کا
چکوریں بھی ناچے تھیں چاہت جتا

وہ سب دشت واں مہ کے دستور سے
جھمکنے لگا ہر طرف نور سے

غرض واں بہار اس قدر ہو گئی
کہ ان کو خوشی میں سحر ہو گئی

سحر کا بھی نور اس خوشی کا ہوا
کہ جس کو قمر دیکھ پھیکا ہوا

صباحت وہ اس کی ہوئی سو بسو
کہ حیرت میں ہوں جس سے آئینہ رو

چلی اس قدر راحت افزا نسیم
کہ دل سے ہوئے دور سب خوف و بیم

سحر سے بھی یہ خوش بہت ہو گئے
جو خورشید نکلا تو پھر سو گئے

کئی دن اسی طور سے واں رہے
بہت خرم و شاد و خنداں رہے

چلے واں سے آگے بہ مقدور تک
گئے سیر کرتے بہت دور تک

اسی طور کی خوبیاں دیکھیاں
طبیعت کی مرغوبیاں دیکھیاں

کہیں دن کہیں رات کو جا رہے
جہاں دل نے چاہا اسی جا رہے

یہ جتنا کہ آگے چلے جاتے تھے
عجائب بھی ان کو نظر آتے تھے

دکھاتے تھے جلوے نگہ کے حضور
نئے کچھ وحوش اور نئے کچھ طیور

کئی دن میں چل کر یہ پہونچے کہاں
بنا باغ تھا ایک پری کا جہاں

جو آئے یہ اس باغ میں پُر سرور
تو پایا عجب رنگ و بو کا وفور

گل و نسترن سے بھری کیاریاں
نسیم اور صبا کی ہوا داریاں

زمیں پہ چمن سے وہ سبزہ اُگا
کہ سلک زمرد ہو جس پہ فدا

اکڑ سرو و شمشاد کی دل پسند صدا قمریوں کی بھی کیا کیا بلند
رہیں بلبلیں ہر طرف چہچہا رواں نہر اور جوش فوارہا
ہنسیں کبکیں اور زیب لاتی پھریں تدرویں بھی چالیں دکھاتی پھریں
گل و لالہ و سوسن و ارغواں رہے اپنی اپنی دکھا خوبیاں
ادھر کو رخ ناردن لعل گوں ادھر چشم نرگس بھی رکھتی فسوں
ادھر عبہر اپنی کیے کج کلاہ ادھر زلف سنبل بھی دام نگاہ
ادھر حوض نادر اُدھر آبشار جدھر دیکھیے ہر طرح کی بہار
جو دیکھا انھوں نے وہ باغ ایک بار طبیعت ہوئی اُن کی باغ و بہار
مکاں ایک تھا باغ کے درمیاں بہت زرنگار اور جواہر فشاں
مقطع نہ اونچ اور نہ کچھ نیچ میں عجب اونچ اور نیچ کے بیچ میں
جگہ ٹھہرنے کی اسے ٹھان کر گئے بیٹھ جلدی یہ واں آن کر
کبھی عارض گل پہ ان کی نگاہ کبھی زلف سنبل پہ ان کی نگاہ
بہت ہو کے خوش وقت واں بار بار یہ تھے دیکھتے اس چمن کی بہار

وہ تھا باغ جس کا وہ اک آن میں ہوئی وارد اپنے گلستان میں
عجب مہر پیکر عجب خوش لباس خواصیں بھی اس کے بہت آس پاس
نگہ اس کی جادو ادا فتنہ زا جو چاہے تو لے دل پری سے اُڑا
جب اُس نے یہ دیکھا نیا گلبدن تو ہو مثل بلبل وہ گل پیرہن
لگی کہنے دل میں تعجب میں آ کہ یہ اس چمن میں نیا گل کھلا
یہ گل اس گلستاں میں بیٹھا ہے جو کبھی یاں تو آئی نہ تھی اس کو بو
عجب ہی یہ گل گلشن ناز ہے عجب دلربا شوخ طناز ہے

ذرا اس سے چل کر ملا چاہیے
کچھ احوال اس کا سنا چاہیے

یہ کہہ اپنے دل میں وہ سرو رواں
جہاں تھے یہ بیٹھے چلی آئی واں

ہوئی ان کے آکر وہ یوں عنقریب
کہ جوں گل کے نزدیک ہو عندلیب

منگا جلد دو کرسیاں زر نگار
بٹھایا انھیں اور وہ بیٹھی نگار

بہت خیریت پوچھ کر یوں کہا
نہایت کرم تم نے ہم پر کیا

لگی دیکھنے چاہ سے بھر نظر
انھوں نے نہ دیکھا اٹھا کر نظر

جب ان کی نگہ واں نہ اس سے لڑی
وہ سمجھی کہ اس کی نگہ ہے بڑی

غرور اس کو ہے اور ہی شان کا
یہ انسان ہے اور ہی آن کا

مجھے یہ جو خاطر میں لایا نہ یاں
اسی میں کھلی جاتی ہے میری جاں

بڑی دیر تک پوچھتی وہ رہی
ولے کچھ انھوں نے نہ اپنی کہی

بہت پوچھنا حال کا جب کیا
یہ جب بھی نہ بولے مگر ہنس دیا

ہنسا جب وہ شمشاد باغ جمال
پری ہو گئی بس اسی میں نہال

ضیافت بڑے لطف سے اُس نے کی
ہر ایک چیز پاکیزہ آگے رکھی

کھلایا نہایت خوشی سے انھیں
کیا شاد ربط دلی سے انھیں

جو پھر رسم ہے عطر اور پان کی
وہ لائی بجا اپنے مہماں کی

ہوا ناچ اور راگ بھی خوب سا
مزے پر مزا ان کے دل کو ملا

جو واں ناچ اور راگ دیکھا سنا
نہ دیکھا کبھی تھا نہ ویسا سُنا

وہ گہنے نئے اور وہ نادر لباس
کہ حسرت میں ہو دیکھ جس کو قیاس

بہت نیند جب ان کو آنے لگی
پلک پر پلک کو جھکانے لگی

پری نے مکاں ان کو بتلا دیا
بہت فرش پاکیزہ بچھوا دیا

انھوں نے کیا جا کے آرام واں
نگہباں رہیں کتنی آرام جاں

پری باغ سے اپنے گھر کو گئی — وہ جاگی تھی جاتے ہی بس سو رہی

ہوئی جب سحر پھر وہ آئی پری — لگی کرنے دلداری و دلبری
جو کل ان سے تھا لطف و احساں کیا — تو آج اس کی نسبت دو چنداں کیا
کوئی دو مہینے تلک روز و شب — رہے باغ میں یہ بہ عیش و طرب
پری تھی دل و جاں سے اُن پر نثار — لگے کہنے اس سے یہ ہو بیقرار
اگر تم کہو تو میں صحرا میں جا — شکار افگنی کا بھی لوں کچھ مزا
کہا اس نے بہتر ہے اے مہرباں — کرو تم شکار افگنی جا کے واں
شتاب ایک فرس اس نے منگوا دیا — بڑے ساز سے اس کو سجوا دیا
کہا پھر بہت دور مت جائیو — اسی کوہ و صحرا میں ہو آئیو
پھرو گے اُدھر تم تو کرتے شکار — رہوں گی ادھر میں بہت بیقرار
نہ آؤ گے پھر جب تلک تم ادھر — رہے گا لگا دھیان میرا اُدھر
بہت چاہت اپنی جتاتی تھی وہ — یہ خاطر میں ان کے نہ آتی تھی وہ
وہ الفت میں ان کے گرفتار تھی — انھیں اس سے نفرت تھی اور عار تھی
اُنھیں حسن پر تھا جو اپنے غرور — اسے کچھ نہ گنتے تھے اپنے حضور
ہوئے جب یہ اس باد پا پر سوار — چلے شاد ہوتے سوئے کوہسار
جو کیں واں انھوں نے عناں تازیاں — تو وہ اسپ کرنے لگا بازیاں
ابھی تھا زمیں پر ابھی کوہ پر — ابھی پل میں آیا اُدھر سے ادھر
ڈپٹ میں ہوا باد، جب ایڑ کی — اُچک کر اڑا جس گھڑی چھیڑ کی
جو چاہا یہ پکڑیں پرند ہوا — تو ان کا دیا ہاتھ ان سے ملا
جو چاہیں ہرن پکڑیں جیتا ہوا — تو ان کا وہی واں بھی جیتا ہوا

ملا صید جو جو بیابان میں   کیا قید اس نے وہ ایک آن میں
طبیعت جدھر ان کی مائل ہوئی   وہی آرزو ان کی حاصل ہوئی

تو پھر جس گھڑی دن بہت سا چڑھا   درختوں کے سایہ میں بیٹھے یہ جا
یہ سایہ میں بیٹھے تھے جا کر جو ہیں   تو دیکھا کہ اس جا پہ ایک نازنیں
سوار اپنے اشہب پہ آتا ہے وہ   بہت لوگ ساتھ اپنے لاتا ہے وہ
عیاں حشمتوں کا کچھ آثار ہے   ذرا حسن میں بھی طرحدار ہے
انھیں اس نے دیکھا تو خوش ہو کے واں   اتر اپنے توسن سے وہ نوجواں
سلام ان کو کر کے گلے سے ملا   بہت خرمی سے وہ جوں گل کھلا
وہ دیکھ اُن کو جب مثل گل کھل گیا   تو اُن کا بھی واں اس سے دل مل گیا
ہوئی اس کو ان سے محبت بہت   انھیں بھی ہوئی اس سے الفت بہت
کہا گھر میں رکھیے ہمارے قدم   ہماری تو آنکھیں تمہارے قدم
انھیں واں سے وہ سیمبر لے گیا   غنیمت سمجھ اپنے گھر لے گیا
وہ توسن پہ آئے تھے جس پر سوار   دیا بھیج جس کا تھا وہ راہوار
پری ان کی خاطر بھٹکتی رہی   بہت دل ہی دل میں بلکتی رہی
یہ آئے جو گھر میں پری زاد کے   تو دیکھے مکاں طرفہ بنیاد کے
چمن گلفشاں دل کشا خوب تر   ہر ایک چیز نادر خوش اسلوب تر
جو ہم عمر ان کا تھا وہ نوجواں   بہت خوش ہوا ان کے آنے سے واں
سوا اُس کے واں اور ہم سن و سال   انھیں بھی ہوئی اُن سے الفت کمال
لگے رہنے ان ہمنشینوں میں شاد   پری کا نہ آیا وہ پھر باغ یاد
یہ دلخواہ صحبت جو اُن کو ملی   تو کیا کیا ہوئی ان کو واں خوشدلی

سحر سے لگا شام تک فرحتیں — لگا شام سے صبح تک عشرتیں

رہے واں بہت خوش یہ دو چار ماہ — پھر اک دن پری زاد پر کر نگاہ
کہا یاں جو بہتر کوئی ہو مکاں — تو ہم کو دکھاؤ تم اے قدرداں
کہا اُس نے یاں اک مکاں ہے بنا — برابر نہیں اُس کے یاں دوسرا
تمھیں کل ہم اس جا میں لے جائیں گے — بہت خوبیوں سے دکھا لائیں گے
سحر کے یہ ہوتے ہی نکلے شتاب — ہوا وہ پری زاد بھی ہم رکاب
وہ گھوڑے ہوا کا جو بھرتے تھے دم — انھوں نے رکھا دم میں اس کا قدم
گئے واں یہ جس دم نزاکت نشاں — تو دیکھا عجب اک بلوریں مکاں
ہرا گرد صحرا تھا کوسوں تلک — بچھا فرش مینا تھا کوسوں تلک
بنا یوں وہ اس سبز صحرا میں تھا — کہ الماس لے جوں زمرد میں جا
بلند اس قدر وہ ضیا دستگاہ — کہ بھولوں کو اکثر بتاتا وہ راہ
جھلک اور جھمک اس کی واں اس قدر — کہ آئینہ شرمندہ ہو دیکھ کر
وہ صحرا جو پہلے انھیں تھا ملا — یہ صحرا جو دیکھا وہ ٹھہرا بُرا
مکاں جتنے دیکھے تھے خوش قطع واں — وہ بھولے اُنھیں جب یہ دیکھا مکاں
یہ مائل جو اُس دلنشیں کے ہوئے — تو مشتاق اس کے مکیں کے ہوئے
کہا اس پری زاد سے ہنس کے واں — کہ ہم کو خوش آیا بہت یہ مکاں
اب اس کی ہے اس دم تمنا ہمیں — کہ جس کی یہ جا ہے ٹک اس سے ملیں
سنا جب یہ اس نے تو اُن سے کہا — اسے دیکھ لینا نہیں کچھ بھلا
یہ جس کا مکاں خوب پُر نور ہے — بہت حسن پر اپنے مغرور ہے
نگہ برق زلف سیہ جال ہے — ستمگر ہے سرکش ہے قتال ہے

گھمنڈ اپنی سج پر ہے اس کو بہت
غرور اپنی دھج پر ہے اس کو بہت

بڑے حسن میں یاں جو ہیں خوبرو
تو ان کو وہ کہتی ہے یہ کیا ہے تو

یہ نام اس کا ہے وہ جو محبوب ہے
نہایت طرحدار اور خوب ہے

یہ سن کر انھوں نے کہا واہ واہ
بھلا ہم بھی اب دیکھ لیں اک نگاہ

اسے ہم جو ٹک دیکھ جاویں گے یاں
کریں گے صفت جا کے ہم اپنے ہاں

پری زاد یار، ان کو لایا اُدھر
جہاں جلوہ گر تھی وہ رشک قمر

ہوے واں جو یہ اس پری سے دوچار
پڑے دام ان پر ہزاروں ہزار

وہ محبوب بھی دیکھ اُنھیں غش ہوئی
عیاں چاہ کی دل میں آتش ہوئی

کہا آئیے یاں کرم کیجیے
کنیزی میں اپنی ہمیں لیجیے

یہ بولے کہ ہم پہ جو اعطاف ہے
فقط آپ کا حسن الطاف ہے

وگرنہ یہ رتبہ ہمارا کہاں
جو یاں آویں یہ ہم میں یارا کہاں

اُدھر عجز اس نے کیا بار بار
ادھر سے انھوں نے کیا انکسار

دلوں میں بہم تازہ الفت ہوئی
پھر الفت سے بڑھ کر محبت ہوئی

پھر آگے محبت کے تو عشق ہے
ہوا عشق پھر عشق کو عشق ہے

ہوے دونوں آپس میں جب مبتلا
تو لائی وہ رسم ضیافت بجا

وہ کھانے جو تھے زرفشاں خوان کے
سو آگے رکھے اپنے مہمان کے

نہایت تکلف کی تیاریاں
ملیں ان کو کیا کیا مزیداریاں

دکھایا انھیں تاج پھر اس قدر
کہ جادو نے مجرا کیا آن کر

پکڑ ہاتھ چاہت جتاتی پھری
مکانات ان کو دکھاتی پھری

چمن بھی پھر اپنے دکھائے انھیں
تر و تازہ میوے کھلائے انھیں

بڑا لطف ان پر نمایاں کیا
ہزار عیش سے ان کو شاداں کیا

پری کی جو مادر تھی والاصفات — تو واں اس نے کی تھی مقرر یہ بات
کہ جب تک رہے دن یہ اس جا رہے — جو شب ہو تو مجھ پاس پھر آ رہے
پھر اس میں جو دن واں ذرا سا رہا — دیا اس نے معمول اپنا جتا
گئے تھے جو دونوں دل آپس میں مل — تو ہوتا نہ تھا واں سے اُٹھنے کو دل
یہی تھی تمنا یہی تھی طلب — کہ بیٹھے رہیں متصل روز و شب
پھر اتنے میں چھپنے لگا آفتاب — یہ بے بس چلی واں سے اُٹھ کر شتاب
پھر آئے جو گھر تھا پریزاد کا — ولیکن دل ان کا اسی جا رہا
رہی جی میں اس کی ملاقات بھر — نہ آئی انھیں نیند واں رات بھر
ہوئی ان کے جی پر جو یاں واردات — وہی حالت اس کی رہی ساری رات
سحر پھر چلے اس کا لیتے یہ ناؤں — وہ محبوب بھی آئی تاروں کی چھاؤں
ملے جب تو پھر شادمانی ہوئی — عیاں سو خوشی کی نشانی ہوئی
بہم مل کے بیٹھے جو دونوں وہ گل — گئی رات کی غنچگی دل سے کھل
خوشی کے لگے ہونے باہم سخن — طرب کے کھلے جی میں کیا کیا چمن
لگی ہونے پھر وفا آشکار — یہ اس پر فدا اور وہ ان پر نثار
بہت شام تک خوش طبیعت رہی — ہر ایک طور خاطر کو فرحت رہی
اسی طور مدت تلک دم بدم — رہے شاد و مسرور دونوں بہم

یہ ملتے جو ہر روز تھے بے خطر — تو اک دن ہوا اس خلل کا اثر
کہ ناگہ ادھر اس کی ماں آگئی — پری دیکھ کر اس کو گھبرا گئی
نہایت وہ غصہ ہوئی اور خفا — انھیں تو نہ ہرگز کچھ اس نے کہا
طمانچہ مگر اس کے عارض پہ مار — اسے لے گئی واں سے ناچار وار

جو اس کے طمانچہ وہ آکر لگا — تو واں منھ پہ اور ان کے دل پر لگا
وہ مہوش جو کھڑا ہوا لال کچھ — تو ان کے ہوا دل کا احوال کچھ
وہ نقش انگلیوں کا جو اس جا ہوا — تو نقشا عجب ان کے دل کا ہوا
قرار دل اور ہوش جاں کھو دیا — جو کچھ بس نہ دیکھا تو بس رو دیا
پھر آکر یہ گھر میں پریزاد کے — ہوئے ہم نفس آہ و فریاد کے
ہوا ہجر کا ان کے دل پر وہ جوش — کہ خواب و خورش کا رہا کچھ نہ ہوش
نہ باہر یہ نکلیں نہ باتیں کریں — دم سرد ہر دم یہ بیٹھے بھریں
یہ بیکل اُدھر وہ پری بیقرار — یہ آہیں کریں وہ اُدھر اشکبار
رہا ایک مدت اسی طور حال — انھیں درد و غم اس کو رنج و ملال
پری زاد دیکھ ان کو جنجال میں — پڑا سخت تشویش کے جال میں
کوئی سوچ کر بات دل میں وہیں — گیا واں جہاں تھی وہ اندوہگیں
حضور اس کی ماں کے بصد عجز جا — جھکا سر کو اور پاؤں پہ گر پڑا
کہا وہ جو گھر میرے انسان ہے — کہوں کیا وہ میرا دل و جان ہے
جو اس کے تئیں میں نہ لاتا ادھر — تو برسوں تلک وہ نہ آتا ادھر
اگر پر لگاتا وہ اسباب میں — تو ہرگز پہنچتا نہ یاں خواب میں
وہ انسان ہے اور پریشان ہے — وہ اس جا مسافر ہے مہمان ہے
بہت شرمگیں اور ہے صاحب حیا — نہیں اس نے کی یک سر مو خطا
میں لایا اسے جب یہ الفت ہوئی — یہ میرے سبب سے محبت ہوئی
نہیں زہر ہرگز وہ تریاک ہے — اُسے آج تک الفت پاک ہے
اب اس کا پریشاں بہت حال ہے — ادھر یہ بھی فرقت سے پامال ہے
رہے یوں ہی دونوں جو اندوہگیں — تو کچھ شکل جینے کی ان کے نہیں

مناسب تو اب عقل کے ہے یہی — کہ نسبت سے دونوں کی ہو زندگی
مجھے عرض کرنا سزاوار ہے — مزاج آپ کا آگے مختار ہے
نہایت وہ صاحب خرد تھی پری — اسی بات میں دیکھ کر بہتری
کہا خیر بہتر ہے اب جائیے — برات اُس کی جا کر بنا لائیے
یہ فرماں ہوا جب پریزاد کو — چلا اپنے گھر کی طرف شاد ہو

جب آیا وہ گھر اپنے فرخندہ فال — بہت خوش ہو کھولا درِ گنج و مال
وہ کیں اس نے شادی کی تیاریاں — کہ جس کی ہوئیں واں نمودارایاں
کیے طرفہ عشرت کے سامان سب — نمایاں ہوئے دورِ عیش و طرب
ہزاروں پریزاد رنگیں قبا — ہوئے بزم شادی میں رونق فزا
کئی دن تلک ناچ اور راگ کا — ہر ایک اہل محفل نے پایا مزا
بہت خوان واں نعمتوں کے دھرے — کھلائے ہر اک کو ورے اور پرے
گل اور پان بھی طرفہ آداب سے — بھرے ظرف شربت سے اور آب سے
وہ سلک زمرد در بے بہا — وہ ہر چیز شادی کی عشرت فزا
وہ سہرا سنہرا جواہر نگار — وہ جوڑا شہانا وہ گوہر کے ہار
بخوبی یہ سب کچھ پنہایا اُنھیں — بہت خوب دولھا بنایا اُنھیں
بنا زیب و زینت سے اک راہوار — کیا ان کو اس پر بہ زینت سوار
ہوئی جب عیاں تھی جو ساعت بھلی — برات اُن کی بن ٹھن کے یاں سے چلی
گئے اس کے در پر تو کر کر نگاہ — لگے کہنے سب شاد ہو واہ واہ

غرض جا کے اتری جب ان کی برات — رہیں چہلیں اور عشر میں ساری رات

جو رسمیں تھیں وہ سب خوشی سے ہوئیں
بھی باتیں بہ خوش دلی سے ہوئیں

پری سے ہوا بیاہ ان کا جو واں
بہت عیش و عشرت ملی ان کو ہاں

پھر اک تخت پر بیٹھ کر شان سے
پری کو پر لائے پرستان سے

ہوئیں ان کے ماں باپ کو فرحتیں
انھیں بھی رہیں عمر بھر عشرتیں

جو دیکھا عجب عظمت حسن ہے
جہاں میں بڑی دولت حسن ہے

جو کچھ حسن میں خوبی آیات ہے
وہ خوش بے نظیر اس کی کیا بات ہے

مثنوی سوم

عجب عشق کا رتبہ و جاہ ہے — عجب عشق کی رسم اور راہ ہے
عجب عشق کی شوکت و شان ہے — عجب عشق کا طور و عنوان ہے
عجب عشق کا رمز اور راز ہے — عجب عشق کا سوز اور ساز ہے
مجھے بھی جو ہے کچھ مزا عشق کا — سخن دل میں رکھتا ہے جا عشق کا
سنا تھا جو میں نے کبھی ایک جا — تو لکھتا ہوں یاں سے میں اب دعا

کوئی شخص تھا صاحب عز و جاہ — کسی وقت میں تھا وہ حشمت پناہ
بہت حسن و خوبی میں آراستہ — بہت زیب و زینت میں پیراستہ
بہت اس کی نفیس وضع میں خوبیاں — طرح داریاں اور خوش اسلوبیاں
یہ تھا خلق اور جسم میں نرم پن — کہ جس پر فدا تھے گل و نسترن
نہایت مزاج الفت انگیز تھا — تکلم بہت شکر آمیز تھا
سخن میں طبیعت تھی مشکل پسند — مضامین رنگیں بہت دل پسند
محبت بہت ہر گل اندام سے — دل آرام رکھتا دل آرام سے
سخن حسن کا اس کے مرغوب تھا — ادا کا سمجھنا بہت خوب تھا
محل اور مکاں تھے وہ کچھ خوشنما — کہ تھی واں نگہ کو تحیر کی جا
عجب رونق ان میں نمودار تھی — پری اس جگہ نقش دیوار تھی
مہیا سب اسباب ندرت کے ساتھ — ہر اک چیز تھی سو نزاکت کے ساتھ

کئی یوں تو اس کے گلستان تھے — بہاروں کے ان سب میں سامان تھے
دلے ایک باغ اس کے منظور تھا — دل اس کا بہت اس سے مسرور تھا
گل اس کے بہت رنگ و بو سے بھرے — دو رستہ کھڑے سرو باندھے پرے
طرب عندلیبوں کی آواز میں — نسیم عیش میں اور صبا ناز میں
ادھر نسترن کے رہے بھر چمن — ادھر یاسمین کے چمن در چمن
ادھر سرو کے سنبل آغوش میں — اُدھر ڈالیوں کے گل آغوش میں
ادھر چاندنی جگمگاتی ہوئی — ادھر نرگس آنکھیں لڑاتی ہوئی
ادھر بلبلیں عشق میں بھر رہیں — ادھر قمریاں شور و غل کر رہیں
ادھر شان شمشاد زینت فزا — ادھر آب انہار موج انتما
وہ غنچوں کے لب مسکراتے ہوئے — وہ گل شاخ پر کھلکھلاتے ہوئے
رہی زور سبزوں میں بھر تازگی — ادھر کوتری اور ادھر تازگی
وہ اس باغ میں گلعذاروں کے ساتھ — بہت سیر کرتا بہاروں کے ساتھ

ہوئی ایک دن واں عجب واردات — کہ اس باغ میں وہ رہا ایک رات
ہوئیں بزم عشرت کی تیاریاں — نشاط و طرب کی نمو داریاں
مے و ساقی و مطرب خوش نوا — سبھوں نے دیا حسن محفل بڑھا
صراحی گلابی بھکنے لگی — مے ناب ہر دم چھلکنے لگی
وہ رقاصہ ہا شوخ اور اچپلی — ادا ان کی چنچل نگہ چلبلی
لباس ان کے جھمکیں دکھاتے ہوئے — وہ زیور بھی سب جگمگاتے ہوئے
وہ سب ناچنے اور گانے لگیں — مزے زندگی کے دکھانے لگیں
گئی رات آدھی جو اس میں گزر — ہوئی نیند آنکھوں میں آ جلوہ گر

ہو غالب وہ خواب آن کر ہو گیا
تو اس عیش و عشرت میں وہ سو گیا

وہ سویا جو عشرت کے اسباب میں
تو یکبارگی آن کر خواب میں

دل اس کا کوئی نازنیں لے گئی
وہ گل تھا اسے بیکلی دے گئی

دکھا کر جھمک وہ تو چلتی ہوئی
رہی اس کی جاں ہاتھ ملتی ہوئی

دکھا حسن اس نے اُدھر راہ لی
ادھر اس نے کی آہ اور چاہ لی

دکھا آن وہ تو نہاں ہو گئی
اسے زندگی بار جاں ہو گئی

دکھا زلف وہ تو گئی حال میں
دل اس کا پڑا عشق کے جال میں

دکھا آن وہ تو گئی آن میں
بھرا عشق اس کے دل و جان میں

دکھا تیغ ابرو کی وہ نازنیں
گئی کر کے زخمی جب اس کے تئیں

کھلی یک بیک آنکھ اس خواب سے
ہوا تر بتر چشم کے آب سے

اگرچہ وہ جاگا پہ روتا رہا
دل اس کا فدا اُس پہ ہوتا رہا

اگرچہ وہ جاگا تو فی الفور تھا
دے اس کے دل کا وہی طور تھا

اگرچہ وہ جاگا تو ہنگام سے
پہ اس کا نہ چھوٹا دل اس دام سے

اگرچہ وہ جاگا تو حسرت بھرا
نہ بھولا گر اس صنم کو ذرا

خلل آ گیا اس کے احوال میں
پڑا کچھ عجب ڈھب کے جنجال میں

کبھی یاد اس حسن اور شان کی
کبھی یاد اس ناز اور آن کی

کبھی یاد اس مہ سے رخسار کی
کبھی یاد اس چشم خونخوار کی

کبھی یاد اس طرز مرغوب کی
کبھی یاد اس قامت خوب کی

کبھی یاد اُس زلف کج باز کی
کبھی یاد اس دھج کے انداز کی

تپش دمبدم دل کے ہمراہ تھی
خلش ہر گھڑی ہر نفس آہ تھی

نہ لگتی تھی کچھ بات جی کو بھلی
وہی بے قراری وہی بے کلی

تحیر میں آکر پڑا ایک بار — نہ دل کو تسلی نہ جی کو قرار
رکھے دل میں اس بھید کو یا کہے — عجب حال تھا کیا کرے کیا کہے
یہ کچھ عشق کا جلد آنا ہوا — کہ عاقل سے دم میں دوانا ہوا
دیا جھپ کچھ ایسا جھگڑا دکھا — کہ دیا خوشی سے اٹھا غم بھرا
نمایاں ہوئی جب سحر آن کر — تو خادم وہ جب وقت پہچان کر
لے آیا کوئی گڑگڑی کو بنا — کوئی آفتابے کو لایا اٹھا
نظر آیا مسند پہ لیٹے ہوئے — دوپٹے سے منہ کو لپیٹے ہوئے
کہا شب جو گذری ہے وجام میں — ہیں اس واسطے اب تک آرام میں
بہت دن چڑھا جب تو حیراں ہوئے — جنھوں نے سنا وہ پریشاں ہوئے
جو تھے اقربا آگئے آن میں — کہا سچ کہو تم ہو کس دھیان میں
اگرچہ کٹی جاگتے رات ہے — پر اتنا بھی سونا یہ کیا بات ہے
نہ دیکھا نہ دل کو سنبھالا ذرا — کسی سے نہ بولا نہ چالا ذرا
کئی طور سے سب نے تدبیر کی — ولیکن کسی نے نہ تاثیر کی
مہینوں تک اس کا یہی حال تھا — پریشاں دل و خستہ احوال تھا
کسی سے نہ کہتا وہ کچھ بات تھا — اسی کے تصور میں دن رات تھا
مصاحب جو اس کے تھے اور ہمنشیں — پراگندہ خاطر دل اندوہگیں
ہر اک نے اس احوال پر کر نظر — کہا اس کی خدمت میں یوں آن کر
بہت دن ہوئے آپ کو اس طرح — نہ سمجھے گی بھلا بات یہ کس طرح
نہ ہنستے ہو ہرگز نہ کچھ بولتے — نہ بھید اپنے دل کا ہو کچھ کھولتے
کہو کچھ تو اب اس کی تدبیر ہو — تفحص میں ہرگز نہ تاخیر ہو
کہو کچھ تو اب اپنے مقدور تک — کریں جستجو اس کی ہم اددر تک

یہ سن کر کہا ان سے احوالِ دل　　کہ میرا ہوا ہے یہ کچھ حالِ دل
رہے ڈھونڈتے وہ بھی مدت تلک　　نہ دیکھی رخِ مدعا کی جھلک
کہا پھر یہ تدبیر ہے اب سنو　　کہ قصہ کہانی ہر ایک شب سنو
جو اس میں بر آوے تمھاری مراد　　یہی خاص اب ہے ہماری مراد
تمھارا جو اس طور کا حال ہے　　کہیں کیا ہمارا جو احوال ہے
تمھارا جو نقشہ ہے اس طور کا　　کہیں کیا ہمیں غم ہے کس طور کا
کہا جب انھوں نے یہ ہو دردمند　　اسے بھی یہ تدبیر آئی پسند
جسے تھا جو کچھ یاد آنے لگا　　زباں پر وہ احوال لانے لگا
بہت داستاں اور کہانی ہوئی　　مہینے تک افسانہ خوانی ہوئی

ہوا کوئی وارد جو ایک رات واں　　تو اس نے کہی جلد یہ بات واں
کہ میں نے جو دیکھا اب ایک حال ہے　　کہوں کیا غرض طرفہ احوال ہے
گیا تھا میں ایک دن کسی کام کو　　ہوا اوں سے پھرنا میرا شام کو
مجھے شام کا وقت جس جا ہوا　　تو اس دشت میں یہ تماشا ہوا
کئی خوشنما ان پرند آ گئے　　وہ آئے پھر ان سے دو چند آ گئے
بہت پیارے پیارے خوش آہنگ کے　　پر و بال اُن کے کئی رنگ کے
بہت دلربا نازک اندام تھے　　نگہ کے لیے اُن کے پر دام تھے
ابھی ان پرندوں کے تھے طور کچھ　　بدل کر ابھی ہو گئے اور کچھ
عجب گفتگو اور عجب چال ڈھال　　بہت خوبرو اور بہت خوش جمال
جو پریوں کی تصویر میں ہے سند　　وہی ان کی صورت وہی ان کے قد
بہت خوش لباس ان کے پر دوش پر　　کچھ ایسے کہ دے دیکھ انھیں ہوش پر

کسی نے دیا فرش اس جا بچھا
جھمک وہ کہ ہو تاش جس پر فدا

کسی نے بہت حسن ترکیب سے
رکھے مسند اور تکیے ترتیب سے

کسی نے مے اور جام لاکر رکھے
طرب کے سرانجام لاکر رکھے

ہوئیں جا بجا روشن اس بزم میں
عجب ڈھب کی شمعیں عجب مشعلیں

وہ سب کر چکے۔ تھا جو کچھ عزم میں
پرند اور آئے پھر اس بزم میں

پریزاد وہ بھی ہوئے آن کے
بڑے حسن کے اور بڑی شان کے

جو ان تھا جو ان میں بہت نازنیں
ہوا زیب مسند وہ مسند نشیں

جو آئے تھے بیٹھے وہ۔ گرد آن کر
ادب سے مقام اپنے پہچان کر

یہ تھا ہمنشینوں میں حسن اس کا واہ
نمایاں ہو جیسے ستاروں میں ماہ

ہوا ناچ اور جام چلنے لگے
نشے خوش دلی کے اچھلنے لگے

نوا زنگ کی اور صدا تال کی
خوشی دل کی اور تازگی حال کی

ادا جادو اور سحر انداز تھے
عجب راگ تھے اور عجب ساز تھے

وہ چمکے تھے حسن اور لباس اس گھڑی
چھٹے جیسے مہتاب یا پھلجھڑی

یہ عالم جو واں رخ دکھانے لگا
تو وہ دشت سب جگمگانے لگا

یہ دیکھا تماشا جو اُس رات تھا
کہوں کیا عجب کچھ طلسمات تھا

سوا اس کے اور ایک سنیے بیاں
کہ اُن میں جو مسند نشیں تھا جواں

یہ کچھ عیش تھا اور یہ سامان تھا
پر اس کو نہ ہرگز اُدھر دھیان تھا

ملال اپنے چہرے پہ لائے ہوئے
دل آزردہ۔ چُپ سر جھکائے ہوئے

کسی پر نظر وہ اٹھاتا نہ تھا
وہ عیش اس کو ہرگز خوش آتا نہ تھا

خفا تھا نہایت ہی اُس کا مزاج
خبر کیا کہ اس کا کدھر تھا مزاج

رہی دو گھڑی رات جب وقت واں
تو ایک پیک محفل میں آیا واں

پھر اگرد مسند نشیں کے وہ آ — جھکا سر کو مجرا کیا اور کہا
کہ احوال واں کا بدستور ہے — ابھی راہِ مطلب بہت دور ہے
یہ سن کر جواں آہ کر کر اُٹھا — دمِ سرد محفل سے بھر کر اُٹھا
گیا واں سے اپنے اسی دھیان میں — گئے سب وہ ساتھ اسکے اک آن میں
گئے وہ ۔ یہ بے کر ہوس رہ گیا — تعجب تحیر میں لبس رہ گیا
وہ جھکیں نگہ ساتھ گھرتی رہیں — وہ شکلیں تصور میں پھرتی رہیں
نہ امیری ان پر طبیعت رہی — کئی دن تلک مجھ کو حیرت رہی
گیا میں کئی باریوں تو اُدھر — دلے پھر وہ نقشہ نہ آیا نظر

یہ جب اس کی خدمت میں وہ کہہ چکا — تو ساتھ اُس کے یہ بھی اُدھر کو گیا
امید اپنے دل کو یہ دینے لگا — خبر دشت میں اُن کی لینے لگا
کہ شاید پھر آدیں تو ان سے ملوں — یہ احوال اپنا میں ان سے کہوں
کیا ایک مدت تلک انتظار — ہوا بارے ان کا پھر اس جا گذار
وہی آ کے نقشہ نمایاں ہوا — یہ دیکھ اُن کا عالم کو حیراں ہوا
بچھا فرش اور زیب اس جا ہوے — سب اسباب عشرت مہیا ہوے
جو مسند نشیں تھا اس عنوان سے — وہ مسند پہ بیٹھا اسی شان سے
وہی ناچ اور راگ پھر واں ہوا — سنا تھا جو کچھ سب نمایاں ہوا
یہ دیکھا جب اس نے تو اٹھ کر دمیں — گیا واں جہاں تھا وہ مسند نشیں
جو حاضر ہوا بزم میں آن کر — تو اس نے بھی ہمسر اسے جان کر
پکڑ آستیں پاس لایا اسے — بغلگیر ہو کر بٹھایا اُسے
بہت خوبی و لطف و اکرام سے — ہوا واقف اس کے وہیں نام سے

کہا ہم نے کی مہربانی بہت — ہمیں اب ہوئی شادمانی بہت
دل اس کا ہوا اس کے آنے سے شاد — یہ اس کے ہوا دل لگانے سے شاد
کہا یاں یہ آنا سبب کا ہے کچھ — فقط لطف ہے یا تمنا ہے کچھ
سنی یہ جو بات ان سے اس ماہ کی — تو بھر اشک آنکھوں میں ایک آہ کی
کہا کیا تمنا میں اپنی کہوں — عجب طور کے رنج اور غم میں ہیں
یہ سن کر کہا کچھ تو کہئے بھلا — جب ان سے یہ احوال اپنا کہا
کہ میں باغ میں اپنے ایک شب رہا — بہت عیش و عشرت میں پھر سو گیا
کوئی دلربا آن کر خواب میں — خلل کر گئی طاقت و تاب میں
مجھے بے کل اور مبتلا کر گئی — کہوں کیا میں تم سے کہ کیا کر گئی
دکھایا جو مکھڑا مجھے بے نقاب — تو مجھ میں تحمل رہا پھر نہ تاب
دکھایا مجھے حسن اس آن سے — کہ شیدا ہوا میں دل و جان سے
دکھائی کچھ ایسی مجھے آن بان — کہ سینہ گئی توڑ اور دل کو چھان
جو کچھ حسن میں اس کے تھی برتری — کہوں کیا مگر حور تھی یا پری
کھلی آنکھ میری تو پھر وہ کہاں — میں بے بس تڑپتا رہا نیم جاں
تلاش اس کی میں نے بہت دور کی — جھلک بھی نہ دیکھی پھر اس نور کی
محبت میں اس کی گرفتار ہوں — جگر خستہ ہوں اور دل افگار ہوں
ہر ایک طور سے جب میں بے بس ہوا — تو خدمت میں لایا ہوں اب التجا
یہ احوال جب گوش ان سے کیا — تو سنتے ہی کی آہ اور رو دیا
کہا ہم جو بے کل ہو اور زرد ہو — ہمارے غرض تم بھی ہمدرد ہو
تمھارے جو کچھ دل کا احوال ہے — ہمارے بھی دل کا وہی حال ہے
پری ایک ہے دلربا نازنیں — بہت خوش ادا مہ لقا نازنیں

بہت پر غرور اور بہت ہٹ بھری
عجب حسن میں اس کے عنوان ہیں
لگا دل کو اس کی ہر ایک آن سے
یہی آرزو دل میں رکھتے ہیں آہ
و لے ہم کو وہ منھ دکھاتی نہیں
نہیں دل جو لگتا تو پھر ہارے ہم
کئی قاصد اپنے اُدھر جاتے ہیں
اسے جس گھڑی ہم پہ مہر آوے گی
رہو تم ہمارے کنے مہرباں ۔
جب اس کے تئیں ان نے یوں کہہ دیا
کہا وان نہیں بات کچھ اور ہے
تو پھر دو گھڑی رات جس دم رہی
یہ ہمرد کے ساتھ ایک آن میں
دکھائے اُنھیں واں کے رنگیں مکاں
دکھائے اُنھیں واں کے باغ و چمن
بہاریں عجب اور فضائیں عجب
انھیں دیکھتے وہ کب آئے تھے
کہاں یہ کہاں صد پرستان کی
مہینے تلک ان کی ضیافت رہی
شب و روز فرحت فزا انجمن
وہ قاصد جو اس کے تھے جاتے ادھر

کوئی اس کے ہمسر نہیں ۔ یاں پری
جو پریاں ہیں وہ اس پہ قرباں ہیں
ہم اس پر فدا ہیں دل و جان سے
کہ دیکھیں کسی دن اسے بھر نگاہ
نہیں کوئی عشرت خوش آتی نہیں
ادھر کو بھی آتے ہیں لاچار ہم
خبر اس کی ہر روز لے آتے ہیں
تو ہم پاس وہ رشکِ مہر آوے گی
جو کچھ ہم سے ہوگا وہ ہوگا عیاں
وہیں آ کے قاصد نے مجرا کیا
وہی رنگ ہے اور وہی طور ہے
گئے وہ ۔ اسے بھی ملی ہمرہی
ہوا جلدوار د پرستان میں ۔
مرصّع طلائی جواہر فشاں
گل و بلبل و نرگس و نسترن
صدائیں عجب اور ہوائیں عجب
محبت سے ان کو وہ دکھلائے تھے
بلندی یہ ہے عشق کی شان کی
پھرے ۔ بے ادھر سے ادھر تک یہی
طرب ۔ رقص ، گلگشتِ باغ و چمن
پھر آتے تھے ہر دم اُدھر سے ادھر

کسی نے پھر ایک دن بصد خوشدلی | تو یہ آن کر اُس کے ملنے کی دی
کہا واں سے ددر اعتراضی ہوئی | وہ محبوب اب دل سے راضی ہوئی
خوشی یہ جو زیب زبانی ہوئی | نہایت اسے شادمانی ہوئی
وہ جب خوش ہوا واں تو اُس نے بلا | کسی اپنے ہمراز سے یوں کہا
یہ مہماں ہیں ان پر کرم کیجیے | جو کچھ یہ کہیں اُس کو سن لیجیے
کہا اس نے کہیئے انھوں نے کہا | کہ ہوں اب میں جس نازنیں پر فدا
یہ شکل اور یہ قد اور یہ انداز ہے | یہ کچھ حسن ہے اور یہ کچھ ناز ہے
کہا اس نے سن کر کہ یاں ایک پری | اسی حسن اور ناز میں ہے بھری
کئی دن میں جا اس کو راضی کیا | مے جامِ عشرت انھیں بھر دیا
بڑی دھوم سے شادی اُنکی ہوئی | بڑے غم سے آزادی اُن کی ہوئی
پھر یہ ادتے ہوکے واں شاد جب | بنا طرفہ شادی کے اسباب سب
کر آراستہ خوب ایک انجمن | تکے جس کو ہر لحظہ باغ و چمن
بڑی دھوم سے بیاہ اپنا کیا | بیاں اس کا جاتا نہیں کچھ لکھا
دل اپنا جب اُس نے پرعشرت کیا | تو اس جا سے ان کو بھی رخصت کیا
پری کو یہ ساتھ اپنے لائے ادھر | خوشی خرمی سے رہے عمر بھر

کروں کیا نظیر اب میں تقریرِ عشق
عجب حسن رکھتی ہے تاثیرِ عشق

نظمیاتِ نظیر

(۱)

نظیر محرابِ عبادت میں

الٰہی تو فیاض ہے اور کریم
مقدس، معلّیٰ منزہ[1] عظیم
الٰہی تو غفّار ہے اور رحیم
نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم
تری ذات والا ہے یکتا قدیم

ترے حسن قدرت نے یا کردگار
پہونچتی نہیں عقل اُنھیں ذرّہ وار
کیے ہیں جہاں میں وہ نقش و نگار
تحیّر میں ہیں دیکھ کر بار بار
ہیں جتنے جہاں میں ذہین و فہیم

زمیں پر سمٰوات گرداں کیے
نباتات بے حد نمایاں کیے
نجوم اُن میں کیا کیا درخشاں کیے
عیاں بحر سے دُرّ[2] و مرجاں کیے
حجر سے جواہر بھی اور زر و سیم

[1] منزہ۔ پاک۔ عظیم عظمت والا، بڑا ۱۲
[2] در۔ موتی مرجان۔ مونگا ۱۲ آسی

شگفتہ کیے گل، بہ فصلِ بہار
بر و برگ و نخل و شجر، شاخسار
عنادل بھی اور قمری و کبک و سار
طراوت سے، خوشبو سے ہنگام کار
رواں کی صبا ہر طرف، اور نسیم

بیاں کب ہو خلقت کی انواع کا
خصوصاً بنی آدم خوش لقا
جو کچھ حضر ہو دے تو جاوے کہا
شرف ان سبھوں میں انھیں کو دیا
بہ اسلام و ایمان و دینِ قدیم

عطا کی انھیں دولتِ معرفت
حیا، حسن، الفت، ادب، مصلحت
عبادت، اطاعت، نکو منزلت
تمیز سخن، خلق خوش، مکرمت
فراواں دیے اور ناز و نعیم

ترا شکر احسان ہو کس سے ادا
کیے اور الطاف بے انتہا
ہمیں مہر سے تو نے پیدا کیا
نظیر اس سوا کیا کہے سر جھکا
یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

(۲)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان ما

یارب ہے تیری ذات کو، دونوں جہاں میں برتری
دائم ہے خاص و عام پر لطف و عطا، حفظ آوری
ہے یاد تیرے فضل کو رسم خلائق پروری
کیا انساں، کیا طائراں، کیا وحش، کیا جن و پری
پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

تو خالق ارض و سما، تو حاکم قدرت نما
برتر، مقدس، ذوالعلا، بندے ترے شاہ و گدا
ہے حکم تیرا جا بجا، بے عرش تا تحت الثریٰ
دنیا و دیں کی یا خدا، ہے حق تجھی کو ہے روا
فرمانروائی، حاکمی، شاہی، خدائی، سروری

سلہ سار: سیاہ بگلے کا ایک خوشنما آواز پرندہ
سلہ انتہا ۱۲
سلہ مراد انسان ۱۲
آسی

قدرت نے تیری ہر زماں لیکر زمیں تا آسماں
کیا کیا بہاریں کیں عیاں کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں، محبوب حسن آرائیاں
حقا تری صنعت پہ، ہاں ختم ہے لاریب و گماں
رنگینی، و طراحی، و نقاشی، و صورت گری

تو نے بنائے سب فلک، پیدا کیے حور و ملک
انساں صبیح و پر نمک، حیواں عجائب یک بیک
ہر جا تجلی اور جھمک، بے انتہا نور اور چمک
کہتی ہے دانش انکو تک، ہے یہ بھی قدرت کی جھلک
چمکے ہیں جس سے اسقدر خورشید و ماہ و مشتری

تو قادر و سبحان ہے، اقدس معلیٰ شان ہے
خالق ہے اور رحمان ہے رزاق اور منان ہے
تیرا کرم ہر آن ہے، احسان بے پایان ہے
ہم کو یہی شایان ہے جب تک بدن میں جان ہے
ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری

جو جو ہیں تیری قدرتیں کیا کیا بیاں انکا کریں
آتی نہیں کچھ فہم میں، جز یہ کہ اُن کو تک رہیں
کیا کیا بنائیں نعمتیں، کیا کیا بنائیں رحمتیں
کب شکر ان کا کر سکیں لیکن یہی ہر دم کہیں
یا رب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمیں، اور تو ہی خیر الراحمیں
یکتائی ہے تیرے تئیں، ہمسر ترا کوئی نہیں
لے آسماں سے تا زمیں، ہیں سب عباد تابعیں
ہے یہ نظیر عصیاں قریں جانے ہے باصدق و یقیں
ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری

(۳)

ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا گھچم گھچا ہے
یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے، یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیواں پکھیرو، نر ناری کیا بوڑھا، بالک بچا ہے
کیا دانا، بینا، ہوش بھرا کیا بھولا، ناداں، کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

لہ طراح نقاش
ٹہ صبیح۔ خوبصورت سفید رنگ ۱۲
ٹہ منان بہت احسان کرنے والا بہت نعمتیں دینے والا۔ خدائے تعالیٰ کا ایک نام ۱۲
ٹہ گھچم گھچا پری بھر جانے کی شان۔ رچنا۔ بنانا ست کرنا ہستی میں لانا۔ پیدا کرنا۔ مخلوق کرنا منقش کرنا منقوش کرنا مرقسم کرنا۔ ٹھاٹھ بندھنا۔
ٹہ پکھیرو۔ پرندا اڑنے والے جانور نر ناری مرد عورت ۱۲
اشرف علی

ؔ۱ تنگری ترکی میں خدا کو کہتے ہیں ۱۲ ؔ۲ الکھ جو دیکھنے میں نہ آئے ۔ زنکار ۔ پوشیدہ ۔ الوپ ۔ غائب ۱۲ ؔ۳ نرنجن بری از ہوائے نفسانی و شہوت ۱۲ نردھاری جس کا کوئی روپ نہ ہو ۱۲ ؔ۴ شش کا روپ دھارن کرنے والا ؔ۵ ڈبرا یا ڈابر ۔ جھیل ۔ جوہڑ ۔ نشیب جہاں پانی اکٹھا ہو جاتا ہے جیسے چھوٹا تالاب ۔ غدیر ۱۲ ؔ۶ جوہڑ ۔ بارانی تالاب جیسے جھیل ۔ ڈابر ۔ تال ۔ آبگیر ۔ غدیر ۱۲ ؔ۷ ناکا گھڑیال کی قسم کا ایک جانور ۱۲

کوئی خالق باری رب مولا رحمان رحیم اللہ تنگری	کوئی الکھ دپ کرتار کہے نرکال نرنجن نردھاری
کوئی رام رام کہکر سمرے کوئی بولے شیو شیو ہری ہری	کوئی داتا دینت دیوا ٹل کوئی اپس دیوت جن بری
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
دریا و سمندر جھیل نہر ندی نلے ڈبرے جوہڑ	سیپی گھونگے کوڑی موتی گھڑیال اور ناکے سوس مگر
جونکیں بھینسیں گوہیں جھینگے مرغابی بطخ بیل امبر	کیا لاچی پروی اور رہو کیا کچھ مچھ اور کیا جی جنتر
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
پھلواری باڑی باغ چمن ہے سب کو یاد تری ہی بھلی	تو مالی والی رکھوالی کیا برچھ بھلی کیا پیڑ بلی
کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہر سبکے دل میں یاد دھلی	کیا چوٹی جڑ کیا پھل کونپل کیا ٹہنی پتا کلی کلی
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
ہشیار و دانا مست بڑا عیار نظر ناقص کامل	سردار غریب ادنی اعلی زیرک سیانا نادان غافل
رمال نجومی گھڑیالی ملا بہمن پنڈت عاقل	کیا بید مہندس ابجد داں کیا عالم فاضل کیا جاہل
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
سیار ثوابت لوح و قلم جنات عدن فردوس فلک	خورشید سے لے مہتاب تلک مہتاب سے لے خورشید تلک
آثار طبائع قوس و جدی میزان اسد سرطان ہر یک	کیا رضواں غلماں جنت کے کیا عرش کرسی کیا حور و ملک
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
ہیں دشت بیاباں اور وادی عرصہ میداں صحرا جنگل	ویرانہ پربت جھاڑ شجر بوٹی جھاڑی پیڑ اور جل
بیہڑ پاکھر نرما سینبھل کچنار سنبھالو بڑ پیپل	کیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا جل اور تھل
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
رائبیل تیر اور مولسری مدمالت بیلا اور سمن	دوپہری گیندا گل لالہ نافرماں کرنا بان مدن
جائی جوہی گلشبو نرگس سنگار چنبیلی سیم بدن	کیا پھول گلابی گل طرہ کیا ڈیلا بانسہ سکھ درسن
	کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گھڑیال کی قسم کا ایک جانور ۱۲ ؔ۸ امربیل ۔ اکاس بیل ۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بن جڑ اور بن پانی ہمیشہ ہری رہتی ہے وہ اس کا مادہ امر قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس کی جڑ آسمان پر ہوتی ہے وہ امبر بیل کہتے ہیں ؔ۹ ہندی میں جیسے حقیقت حضرت الالحق کو کہتے ہیں مگر نظیر نے تصرف کر کے جنتیو کو جنتر کر دیا ہے جس طرح امربیل کو بیل امر ؔ مدن بان کو بان مدن کر لیا ہے یا ممکن ہے کہ بول چال میں بھی جنتر ہی ہو ۱۲ ؔ۹ لاچی کھجلی کی ایک قسم ہے ۱۲ ؔ بیلا ۔ ایک درخت جس کی مسواکیں بناتے ہیں ۱۲ ؔ۱۱ پاکھر ایک بڑے سایہ دار درخت کا نام ہے جس کے پھل کا اچار رطوبت کے واسطے بہت مفید ہے ۱۲ ؔ۱۲ ڈیلا یا ڈیلیا ایک پہاڑی درخت کا نام جس کا زرد یا سرخ اور بڑا پھول ہوتا ہے ۱۲ ؔ۱۳ ایک قسم کا درخت جس کے پھولوں میں اکثر مٹھاس نکلتی ہے اور اس کی لکڑی سے کوئلوں کی بارود خوب بنتی ہے ۔ بیلا بانسہ ۱۲ ؔ۱۴ شہانہ عسہ سوسمار ۔ جو سوراخوں وغیرہ میں رہتا ہے ۱۲ آسی

انگور، سنگترہ نارنگی، بربیو سدا پھل[۱] سیتا پھل — نارنج جھنبیلی اور کوے کھٹے میٹھے کمرکھ، گلگل[۲]
آنب املی جامن لکری بادام چھہارے اور جاپھل — کیا گولر کھٹے مولسری کیا شفتالو کیا کٹہل بڑہل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گرڈھ نیلکنٹھ کلنگ اور بار کوئی سارس بگلا کویل تیتر — سرخاب ترمتی زاغ و زغن سیمرغ اور سارس مرسفر
بہری الگھر طوطا مینا ہدہد شکرے باشے، تیتر — کیا بلبل قمری لعل بیا کیا مکھی بھنگا اور مچھر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

گج گینڈا ارنا شیر پلنگ آہو ہرنی روبہ گیدڑا — سیہی نیولا سانڈا بچھو فعی چیتل چیتی اژدر
گج کوہی پاڑا اگر گہ چرغ گرگٹ چلپاسہ موش دگرا — کیا جل مانس کیا بن مانس کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

ابدال قطب اور غوث ولی ہے دھیان میں تیرے دل سب کا — کیا گیانی دھیانی ناردمن کیا جوگی جنگم گرہ چیلا
تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا تجھ سے دھیان لگا — کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنگال گدا

کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچا ہے

(۴۲)

تو کار جہاں را نکو ساختی

خدا کی ذات ہے وہ ذوالجلال والاکرام، — کہ جس سے ہوتے ہیں پروردہ سب خواص و عوام
اسی نے ارض و سموات کو دیا ہے نظام — اسی کی ذات کو ہے دائما ثبات و قیام

قدیر و حی و کریم و مہیمن و منعام

فلک پہ تاروں کی کیا کیا مرصع کاری کی — پھر ان میں زیب فزا کہکشاں نگاری کی
ضیا و نور کی کیا کیا تجلی باری کی — بروج بارہ میں لا کر رکھی نہ ہاتھ یکی

کہ جسکو پہونچے نہ فکرت نہ دانش و اوہام

---

[۱] بربیر کا مخفف ہے اور یہ عوام کی بول چال میں ایسا ہے گو اصل کتاب میں سدا پھل لکھا ہے مگر میرے خیال میں سری پھل کا نسخہ بہتر ہے — سدا پھل وہ درخت جو ہمیشہ پھلوں سے لدا پھندا رہے ہمیشہ پھل لانے والا درخت، ہر سال پھلنے والا درخت سری پھل، ناریل، نارجیل صحرائی بعض جگہ سری پھل بیل کو بھی کہتے ہیں ۱۲
[۲] سیتا پھل شریفہ شہباز [۳] گلگل ایک قسم کا بڑا درخت ۱۲
اشرف علی

بنائی کرسیؔ و عرش اور لامکاں در آں ۔۔۔ پھر اور سدرہؔ و رفرف سے درج نار و جناں
طہورؔ و حور و قصور و ملائک و رضواں ۔۔۔ ادھر فرشتہ کرّ و بی اور اُدھر غلماں
قلم کو لوح پہ بخشی ہے طاقت ارقام

ثوابتؔ اُس نے بنائے ہیں اس قدر سیار ۔۔۔ کہ روز حشر تلک ہو سکے نہ جن کا شمار
مگر یہ نام ہیں اُن کے جو سات ہیں سیار ۔۔۔ یہ دو ہیں شمس و قمر، اور ساتھ اُن کے یار
عطارد و زحل و زہرہ، مشتری، بہرام

ہوا ہے حکم ازل سے جو اُن کو پھرنے کا ۔۔۔ کریں گے دَور یہ ہمراہ آسماں کے سدا
قوی کسی کا کہاں حکم ہو سکے ایسا ۔۔۔ جو چاہیں ایک پلک ٹھہریں یہ سو طاقت کیا
پھرا کریں گے یہ اغاز سے لے تا انجام

جو کچھ ہے اُس نے بنایا یہ کل نہان و عیاں ۔۔۔ اُسی کی صنعت و قدرت کے ہیں یہ سب بیاں
ہیں ایسے ایسے مکاں اور اُسکے بے پایاں ۔۔۔ بشر جو چاہے سو سمجھے انھیں ہے کیا امکاں
ہے یاں فرشتوں کی عاجز عقول اور افہام

زمیں کو دیکھو تو کل آب پر دیا ہے قرار ۔۔۔ پھر اُس میں اور بنائے ہیں کوہ وبرؔ و بحار
کیا ہی اور نباتات کے تئیں اظہار ۔۔۔ نکالے اُن سے گل و میوہ شاخ گل اور بار
سب اُس کے لطف و کرم کے ہیں عام یہ انعام

اُسی کے حکم سے ہم اس جہاں میں آتے ہیں ۔۔۔ زبان و عقل و خرد، چشم و گوش پاتے ہیں
اُسی کے لطف سے پھولے نہیں سماتے ہیں ۔۔۔ اُسی کے باغ سے دل شاد ہو کے کھاتے ہیں
چھوہارے، کشمش و انجیر و پستہ و بادام

ہے وہ ہی خالق و رازق وہی رؤف و غفور ۔۔۔ اُسی کے قہر سے ہلتے ہیں انس و وحش و طیور
اُسی کے حکم سے خلقت کا یاں ہوا ہے ظہور ۔۔۔ چمک رہا ہے اُسی کی یہ قدرتوں کا نور
بہر زمان و بہر ساعت و بہر ہنگام

لہ کرسی آٹھواں آسمان ۔ چھوٹا تخت تخت رب العالمین جس کی تعریف مجال انسانی سے باہر ہے ۔ سدرہ آسمان ہفتم پر بیر کا ایک درخت جس کو سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں ۔ رفرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا گھوڑا ۔ نام مقام اسرافیل ۔

۲ے طہور شراب جنت ۔ قصور قصر کی جمع ۔ رضوان داروغہ بہشت کروبی ۔ فرشتہ مقرب ۔ غلمان جنت کے امرد لڑکے ۔ لوح سے مراد لوح محفوظ ۱۲

۳ے ثوابت وہ ستارے جو گردش نہیں کرتے ۔ سیارے گردش کرنے والے ستارے ۱۲

۴ے بر ۔ جنگل ۔ بحار بحر کی جمع ۱۲ منہ

اسی نے حکم کیا ہے ہمیں عبادت کا ۔۔۔ اُسی نے طاعت و تقویٰ کا حکم ہم کو دیا
جو غور کی تو ہمارا بھی ہے اسی میں بھلا ۔۔۔ کہ اُس کا شکر کریں شب سے تا بروز اد

اطاعت اُس کی بجا لاویں صبح سے تا شام

جو اُس میں لطف و عنایت ہے کب کسی میں ہو ۔۔۔ ہر اک طرف ہے اُسی کے گل کرم کی بو
عبادت اُس کی ہے جو ہووے دل کی خو ۔۔۔ نظیر نکتہ سمجھ مہر و فضل خالق کو

اُسی کے فضل سے دونوں جہاں میں ہے آرام

(۵)

چڑیوں کی تسبیح

(وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا یفقھون تسبیحھم)

وقت سحر کی رحیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں، کر کر ذکر کمن او رفیکوں کرتی ہیں

مرغے بولے کگڑوں کگڑوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اُس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

بنکھ[1] بڑھا گرڑھ بنکھ اسی کے غم کی تپ میں تپتے ہیں
عنقا اور سیمرغ اُسی کی فرقت بیچ تڑپتے ہیں

سارس گدھ حواصل[2] بزّے بگلے بنکھ کلپتے ہیں
بنکھ پکھیرو جتنے ہیں سب نام اُسی کا جپتے ہیں

[1] بنکھ بڑھا۔ گرڑھ، بنکھ پرندوں کے نام ۱۲۔
[2] حواصل ایک سفید آبی پرند کا نام جس کا پوٹا بڑا اور آگے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ بزّہ ایک دریائی پرندہ ۱۲۔ شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ،
کبک ٹیٹری چاروں قل اور تیتر بھی سبحان اللہ،

دادر[1] مور پپیہے، کوئل کوک رہے اللہ اللہ،
فاختہ کوکو تیہو[2] ہو ہو، طوطے بولیں حق اللہ،

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

[3]شکرا چینج اور لگھڑ باشے، اور ترمتی، باز کونی[4]
کونج[5] کبوتر، سبزک، بھاپنو، کلکل، سارو، مارچونی[6]

لعل پڑھے صم بکم جب پہنے پوشاک سوئی
پدڑی، پدی، پودنے شکر خورے بولیں توئی توئی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا ؟ سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

چیل کطی السجل[7] کہے ہے چلوں چلوں، مت جان، میاں
کوے قاں قاں، کرتے ہیں الآن کما کان[8] میاں

مرمر بولے مرغابی کل من علیہا فان، میاں
جتنے پنکھ پکھیرو ہیں سب پڑھتے ہیں قرآن میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

ہنس ہما، سرخاب، تدرویں بولیں یا رحمان، میاں

---

[1] دادر ہندی میں مینڈک کو کہتے ہیں، گیتوں میں مور کے ساتھ اس کا ذکر اکثر آیا ہے۔ اس لیے دونوں میں ایک قسم کا خوبصورت اور دلچسپ رشتہ پیدا ہو گیا ہے جسکو محض خیال شستگی و صفائی زبان توڑ نہیں ۱۲ [2] تیہو: دل نسخوں میں بند ۴، ۵، ۶ نہیں ہیں ۱۲ [3] کوہی جو لفظ عام میں کوئی ہو گیا ہے [5] کونج کو فرہنگ آصفیہ سے مستنبط ہوتا ہے کہ سارس قاز کی جنس سے ہے۔ بعض اہل دہلی سے تحقیق ہوا کہ قاز کی یہ بگڑی ہوئی شکل ہے۔ [6] مارچونی چوہی ماریا چوہی مار ہے جس کو فارسی میں موشک خوار کہتے ہیں ۱۲ [7] آیۃ کا ٹکڑا ہے یوم نطوی السماء کطی السجل قیامت کے بیان میں ۱۲ شہباز

[8] نون کو بالاشباع پڑھنے سے وزن ٹھیک ہوتا ہے ۱۲ شہباز۔

سارو، ہریل اور لٹورے، دھیڑ یا حنان، میاں
ققنس، تیتر، چکوہ، چکوی بولیں یا منان، میاں
ہُدہُد بولیں احد احد کچھ تو بھی تو کر دھیان، میاں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چون چوں چوں چوں کیا سب نیچوں نیچوں کرتی ہیں

بوم چند اور سبزک ابابیل اور چکوریں شام چڑی
کھنجن، جھپاں، لوے، کلنگ اور غوغائی کی دھوم پڑی
تیلی، ٹڈی، ڈانس[1]، بھنبھیری، کتری بھنوری اور بڑی
مکھی، مچھر، پسو، بھنگے بول رہے سب گھڑی گھڑی

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب نیچوں نیچوں کرتی ہیں

تن تن، اور لم ڈھینگ، ممولا حق حق تار پر وتے ہیں
اگھن، بئے، چنڈول، ابلقے یاد میں اُس کی روتے ہیں
طائر تو سب تخم محبت اُس کا دل میں بوتے ہیں
پنچھی اُس کی یاد کریں، ہم پاؤں پسارے سوتے ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب نیچوں نیچوں کرتی ہیں

کس کس کا لوں نام غرض ہیں جتنے طائر خورد و کبیر
کوئی کہے 'یا حیّ توانا'، کوئی کہے 'یارب قدیر'
پنچھی تو سب یاد کریں، اور ہم غفلت میں رہیں اسیر
ہم سا غافل دنیا میں اب کوئی نہ ہوگا آہ! نظیر

[1] ڈانس: ایک قسم کا بڑا مچھر ۱۲ شہباز

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بیچوں بیچوں کرتی ہیں

(۶)

نظیر بارگاہ رسالت میں

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ
حاکم دین متیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ
سر گروہ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ
قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ
رحمت للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ

آسماں تم نے شب معراج کو روشن کیا
رنگ و بو گلشن کی جنت کے بڑھائی بر ملا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دے نور و ضیا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ

ہے تمھاری پشت پر مہر نبوت کا نشاں
معجزے جو ہیں تمھارے اُنکا کب ہووے بیاں
اور تمھارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسیں[1] میں عیاں
کشور اعجاز جو ہے اُس کے تم باعزّ و شاں
صاحب تاج و نگیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ

تم کو ختم الانبیا حق بھی حبیب اپنا کہے
کس نبی کو یہ مدارج ہیں تمھارے سے ملے
اور سدا روح الامیں آوے ادب سے وحی لے
ہے نبوت کا جو اقدس بحر تم اُس بحر کے
گوہر یکتا تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
باعث خلق اُن کے ہو تم یا حبیب ذوالمنن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے چمن
اور اک مطلع پڑھوں میں مین سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمدؐ مصطفیٰؐ

مطلع ثانی

[1] طٰہٰ و یٰسین۔ قرآن پاک کی دو سورتیں۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ وسلم کے نام ۱۲ آسی

تم ظہورِ اولیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ　　ہم دمِ جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
وجہِ قرآنِ مبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ　　نزہتِ بستانِ دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

احمدِ مختار ہو تم یا شہِ ہر دوسرا　　ہے تمھارے حکم کے تابع قدر بھی اور قضا
خلق میں خواہش سے تم جس امر کی رکھو بنا　　دیر اک پل درمیاں آوے تو یہ امکان کیا
جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آپ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں　　دیکھتا ہے اُس کی رفعت رات دن عرشِ بریں
رازِ خلقت کے تم کو ہی کھلے ہیں شاہِ دیں　　اور جو کچھ کہ ہیں اسرارِ ربّ العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے　　اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے　　کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

مخبرِ صادق ہو تم اور حضرتِ خیر الوریٰ　　سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا
ہے تمھاری ذاتِ والا منبعِ لطف و عطا　　کیا نظیر اک، اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

(۷)

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب

رکھ اپنے دل میں اے آدم کے بن کلمہ محمدؐ کا　　اور اپنی اُنگلیوں اوپر بھی گن کلمہ محمدؐ کا
پڑھے ہیں سب پری اور دیو جن کلمہ محمدؐ کا　　مسلماں ہو تو مت بھول اک بھی چھن کلمہ محمدؐ کا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں یہ کلمہ طیب تو شفیع المذنبیں کا ہے
خدا کے دوست برحق رحمۃ للعالمیں کا ہے
محمدؐ مصطفےٰ یعنی کہ ختم المرسلیں کا ہے
بھروسا آسرا اسکیہ بھی یہ دنیا و دیں کا ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمہ سے کھلتا ہے سدا جنت کا ہر اک در
یہی کلمہ لکھا ہے عرش اور کرسی کے ماتھے پر
اسی کلمہ کو پڑھتے ہیں چمن کے پھول سب کھلکر
یہ سب کلموں سے ہے بہتر یہ سب کلموں سے ہے برتر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کے نور سے خورشید کہلاتا ہے نورانی
اسی کلمے کے باعث چاند کی روشن ہے پیشانی
اسی کلمے کے باعث دین و دنیا میں ثنا خوانی
اسی کلمے کو پڑھتے ہیں خاک ارض اور ہوا پانی
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے سے ہیں اے دل زمین و آسماں روشن
مہ و خورشید تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
اسی کلمے سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
غرض جنت تو کیا اُس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہ وہ کلمہ ہے جس کا ہے رہا ارمان نبیوں کو
اسی کلمے کے پڑھنے سے گئے ہیں لوگ عارف ہو
اسے حور و ملک غلماں پڑھیں ہیں ہر سحر منھ دھو
وہ بیشک جنتی ہیں ایک باری جو پڑھیں اسکو
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے کی برکت سے تو اب یاں بھی سلامت ہے
اگر یاں سے تو جاویگا تو پھر واں بھی سلامت ہے
پڑھے گا جو اسے اُسکا دل و جاں بھی سلامت ہے
اُسی کی عاقبت بھی خیر و ایماں بھی سلامت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

چلے گا جس گھڑی تو چھوڑ کر یہ عالم فانی
پڑے گا قبر کے جا کر اندھیرے میں ہو زندانی
نکیر و منکر آ کر جب کریں گے تجھ پہ طغیانی
یہی کلمہ کرے گا واں تری مشکل کی آسانی
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

اسی کلمے نے عزرائیل کی ہیبت کو ٹالا ہے ۔۔۔ اسی کلمے نے تنگی کو لحد کی کھول ڈالا ہے
پڑے گا قبر کا تجھ پر میاں وہ دن جو کالا ہے ۔۔۔ یہی کلمہ ترا واں بھی اندھیرے کا اُجالا ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

صف محشر میں جب دہشت کا تجھ پر وار اُترے گا ۔۔۔ یہی کلمہ ترا اُس جا رفیق و یار اُترے گا
گناہوں کا ترا جتنا ہے بوجھ اور بھار اُترے گا ۔۔۔ اسی کلمے کی دولت سے میاں تو پار اُترے گا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں جب پل صراط اوپر تو اپنا پیر ڈالے گا ۔۔۔ تو وہ تلوار کی ہو دھار تیرا پاؤں کھائے گا
لگے گا جب وہاں گرنے تو یہ کلمہ بچالے گا ۔۔۔ یہی بازو دیکر پڑے گا یہی تجھ کو سنبھالے گا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

سوا نیزے کے اوپر جبکہ ہو گا آفتاب آیا ۔۔۔ ہر اک گرمی کی تابش سے پھریگا سخت گھبرایا
پڑے گا جب ترے تن پر بھی شعلہ اُس کا گرمایا ۔۔۔ یہی کلمہ چھتر بنکر کرے گا تجھ پہ واں سایا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

تلیں گے جب وہاں سب کے عمل میزاں کے پلے پر ۔۔۔ جو ہلکے ہیں پڑیں گے آتشیں گرز اُنکے کلے پر
تجھے تولیں گے جس دم اُس ترازو کے محلے تلے پر ۔۔۔ یہی کلمہ میاں واں بھی ترے ہووے گا پلے پر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

جو پورے ہیں میاں اُن کی تو ہو گی گرم بازاری ۔۔۔ کمی ہے جنس جس کی اُسکی ہو گی واں بڑی خواری
ترا پلہ بھی جب کرنے لگے گا واں سبک ساری ۔۔۔ یہی کلمہ بناوے گا ترے پلے کو واں بھاری
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

پڑے گا تشنگی کا شور اُس میداں میں جب آکر ۔۔۔ پھریں گے پانی پانی کرتے مارے پیاس کے اکثر
تری بھی جب لگے گی سوکھنے تالو زباں یکسر ۔۔۔ یہی کلمہ تجھے پانی پلادے گا، میاں بھر بھر
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے دیدار حق کا بھی دکھاوے گا | محمدؐ کی شفاعت سے بھی تجھکو بخشواوے گا
بہشتی کر کے حلّے نور کے تجھ کو پنھاوے گا | بڑی عزت بڑی حرمت سے جنت میں لیجاویگا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ تجھے واں جام کوثر کا پلاوے گا | یہی کلمہ تجھے گلزار جنت کا دکھاوے گا
یہی کلمہ ترا منھ چاند سا روشن بناوے گا | یہی کلمہ ترے ہر وقت پر واں کام آوے گا

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

یہی کلمہ نجات اور مغفرت کا ہے ترے چارا | اسی کلمے سے ہو گی روح تیری عرش کا تارا
اسی کلمے سے ہے ہم سب گنہگاروں کا چھٹکارا | اسی کلمے سے ہو گا دین اور دنیا کا نستارا[1]

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

میاں اب یہ جو کلمہ ہے تو حق کی خاص رحمت ہے | یہ صدقے ہے رسول اللہ کے ہم پر عنایت ہے
اسی سے یاں نظیر عزت[2] اسی سے واں شفاعت ہے | یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے

پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمدؐ کا

(۸)

منقبت

علیؓ کی یاد میں رہنا عبادت اسکو کہتے ہیں | علیؓ کا وصف کچھ کہنا سعادت اس کو کہتے ہیں
علیؓ کی مدح کا پڑھنا کرامت اسکو کہتے ہیں | علیؓ کے نام کا لینا حلاوت اس کو کہتے ہیں

علیؓ کی حب میں مرجانا شہادت اسکو کہتے ہیں

اسی کو سر جھکا سجدہ کیا خورشید انور نے | اُسی کو لافتیٰ[3] ہر دم کہا اللہ اکبر نے
اُسی کو لحمک[4] لحمی کہا جان پیمبر نے | اُسی کو دمک دمی کہا اُس شاہِ برتر نے

خدا و مصطفیٰ سے ہم قرابت اس کو کہتے ہیں

---

[1] نستارا یعنی ہنود کے عقائد کے مطابق عذاب تناسخ سے نجات۔ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق محض عذاب سے نجات ۱۲
[2] سقوط عین ۲
[3] لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار
[4] اشارہ ہے حدیث مشہور کی طرف، ۱۲ اسی

کہا مولا سے میرے گر کسی نے اک سوال آکر
اگر کچھ ذرہ کی خواہش کی تو بخشے اس قدر گوہر
جو مانگا اک شتر اسکو دلائے سیکڑوں اُشتر
کہ اُس کا گھر بھرا اور اُس کے ہمسایوں کا گھر باہر

کریم و اہل ہمت میں سخاوت اسکو کہتے ہیں

امیر المومنین گر دشت میں پڑھنے نماز آوے
صفیں حور و ملک غلمان[2] و جن و انس کی لاوے
رہیں قامت[1] کے کہنے کے لیے جبرئیل آجاوے
ہر اک مولا ہر اک سجدے میں وصل حق ہی دکھلاوے

نبوت کے جو مالک ہیں امامت اسکو کہتے ہیں

اُسی نے ایک حملے سے گرایا باب خیبر[3] کا
چہ بیر العلم[4] میں کود کر دیوؤں کو جا مارا
کروڑوں کافروں سے جا لڑا وہ اک تن تنہا
ہزاروں پہلوانوں سے کبھی اپنا نہ منہ موڑا

بہادر بے دل و یکتا شجاعت اسکو کہتے ہیں

کہا اُس شاہ نے "روز قیامت میں جو آؤں گا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھوں کو بخشواؤں گا
وہاں عرصات[5] میں اپنے محبوں کو جو پاؤں گا
پلا کر جام کوثر سب کو جنت بھجواؤں گا

علی کے دوستو بس لو شفاعت اسکو کہتے ہیں

نظیر آوے وہ دن جو شاہ کو سب دوستاں دیکھیں
اور اب دنیا میں آنکھوں سے نجف کا آستاں دیکھیں
تو پھر حسنین کے صدقے سے اُنکو ہم بھی واں دیکھیں
سروں پر اپنے وہ دامان عالی سائباں[6] دیکھیں

قسم ایمان کی ہم عین راحت اسکو کہتے ہیں

(۹)

حضرت علیؑ کا معجزہ

سنئے ہوا ے علی کے محبان دوستدار
ہے تازہ واردات یہ از نقل روزگار
ایک معجزہ میں کہتا ہوں اُس شہ کا آشکار
تھا کوئی شخص دولت و حشمت میں نامدار

اک روز وہ گیا تھا کہیں کھیلنے شکار

---

[1] نماز جماعت کی اطلاع کے لیے تکبیر کہ جسمیں قد قامت الصلوۃ بھی دو مرتبہ کہتے ہیں۔ قامت بھی اسی کلمہ کی طرف اشارہ ہے ۱۲

[2] غلمان جنت کے امرد لڑکے ۱۲

[3] خیبر ارض حجاز میں ایک قلعہ کا نام جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر حضرت علی نے فتح کیا ۱۲

[4] بیر العلم یا بیر الالم۔ ایک کنویں کا نام جسمیں ایک روایت کے موافق حضرت علی نے کفار سے جنگ کی۔ چہ بیر العلم کی ترکیب درست نہیں۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے شب لیلۃ القدر

[5] عرصات میدان قیامت ۱۲

[6] سائبان سایہ کرنے والا چھجا، چھجر ۱۲ آسی

جس دشت میں شکار کو گذرا تھا وہ غنی
تھا ایک چشمہ پانی کا اور سبز تھی بنی
واں ایک شیر رہتا تھا اور اُس کی شیرنی[1]
دو بچّے اُس بنی میں تھی وہ شیرنی جنی
دس بیس روز کے تھے ابھی طفل شیر خوار

بچّوں کو اپنی چھاتی پہ رکھے وہ بے زباں
بندوق کی جو آئی صدا اس میں ناگہاں
دونوں کو بیٹھی دودھ پلاتی تھی شادماں
نر مادہ دونوں بھاگ گئے ہو کے نیم جاں
بچّے اکیلے رہ گئے جنگل میں بے قرار

القصہ جب شکار سے فارغ ہوا وہ شاہ
رکھوا کے اُن کو اونٹ پہ جلدی سے خوامخواہ
ناگاہ دونوں بچّوں پہ اُس کی پڑی نگاہ
لی اُس شکار گاہ سے پھر اپنے گھر کی راہ
محلوں میں اپنے آن کے اُس نے لیا قرار

جب آئے شیر و[2] شیرنی با حالت تباہ
وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کر کے آہ
اور دونوں بچّے گھر میں نہ آئے اُنھیں نگاہ
اور شیرنی نے لی نجف[3] اشرف کی دو نہیں راہ
سر پیٹتی چلی وہ بیاباں سے سوگوار

القصہ کتنے روز میں وہ شیرنی غریب
شوہر سے چھوٹی اور ہوئی بچّوں سے بے نصیب
بھوکی، پیاسی، پھیرتی ہونٹوں پہ خشک جیب
آ پہونچی یک بیک نجف[3] اشرف کے عنقریب[4]
پنجوں سے اپنے سر پہ اُڑاتی ہوئی غبار

بازار میں نجف کے جب آئی وہ نیم جاں
کوئی پکارا دوڑیو کوئی پکارا ہاں ہاں
ہر اک دکان سے واں کی اُٹھا شور اور فغاں
ہیبت[6] سے اُس کی چھپنے لگے پیر اور جواں
چاروں طرف سے دھوم مچی آ کے ایک بار

وہ تو کسی طرف کو نہ گھر کی بتاتی تھی
آنکھوں سے اس ہجوم میں آنسو بہاتی تھی
نے منھ کو موڑتی تھی، نہ پنجہ اُٹھاتی تھی
شاہ نجف[5] کے روضے پہ فریادی جاتی تھی
لوگ اسیر اپنے خوف سے کہتے تھے بار بار“

---

[1] واؤ عاطفہ کا استعمال اس صورت میں کہ ایک لفظ ہندی اور ایک فارسی اب بعض فصحا جائز نہیں رکھتے۔ اور بعض جائز سمجھتے ہیں ١٢

[2] جیسے۔ زبان

[3] نجف کی ف کے نیچے اضافت توصیفی کی ضرورت ہے۔ قریب کے بجائے عنقریب کو صرف ضرورت شعری جائز کر دے تو کر دے ورنہ عنقریب اور قریب کے محل استعمال میں بڑا فرق ہے۔ نجف وہ شہر جہاں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے

[4] ہیبت۔ خوف

[5] شاہ نجف سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ١٢ آسی

جس دم وہ پہونچی حیدرِ صفدر کے در تلک
دربان اُس کے خوف سے کمسر گئے سرک
داخل ہوئی وہ روضۂ انور میں یک بیک
رونے لگی وہ سامنے سر کو ٹپک ٹپک
آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اُسکی آنسو کی ندی جو بہتی تھی
بچّوں کا داغ اپنے کلیجے پہ سہتی تھی
کچھ منھ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہتی تھی
گویا وہ شہ سے اپنی زبان میں یہ کہتی تھی
بچّے مرے دلائیے یا شیرِ کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا
مظلوم جیسے روئے ہے عادل کے پاس آ
اور کچھ زباں سے اپنی سناتی تھی بغبغا[1]
نکلے تھی آغا آغا کی منھ اُسکے سے صدا
کہہ آغا آغا درد سے روتی تھی زار زار

فریادی بن کے ساقیٔ کوثر کے سامنے
محتاج بن کے صاحبِ قنبر[2] کے سامنے
یوں ڈھکتی تھی روضۂ انور کے سامنے
مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار

لوگوں کے دل سے جب تو ہوا خوف اُسکا کم
سب اُس کے پاس آن کے دیکھیں تھے اُس کا غم
ہر آن اپنے سر کو ٹپک کرکے چشم نم
بچّوں کو اس طرح وہ اُٹھاتی تھی دمبدم
فریادی داد مانگے ہے جوں ہاتھ کو پسار

فریاد وہ تو مانگے تھی آغا سے جھوم جھوم
یعنی فلک نے مجکو دکھایا یہ روزِ شوم
اس بات سے تمام نجف میں پڑی یہ دھوم
گرد اُس کے مرد و زن کا ہوا آن کے ہجوم
حیرت میں تھے تمام چہ ناداں، چہ ہوشیار

کوئی[3] پانی اس کے واسطے کوئی کھانا لاتا تھا
لیکن اُسے تو رونے سوا کچھ نہ بھاتا تھا
بچّوں کا داغ ہوش سب اُسکے اُڑاتا تھا
جو اُس کو دیکھتا تھا اُسے رونا آتا تھا
اُسی طرح سے سر کو ٹپکتی تھی بار بار

[1] بغبغا نا شور مچانا، اونٹ کی طرح بلبلانا شور و فریاد کرنا، دل سے نالہ کرنا ۱۲
[2] قنبر حضرت علیؑ کے غلام کا نام ۱۲
[3] کوئی بروزن فع اب مستعمل نہیں بلکہ خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جب تین دن وہ شیرنی بھوکی پڑی رہی
جس طرح واں قدیم سے کہنے کی راہ تھی
ناچار ان شریفوں نے دیکھ اس کی بیکلی
اس طرح سے جناب مقدس میں عرض کی
باسینۂ الم کش و باچشم اشکبار

آئی ندا یہ شیرنی دیتی دُہائی ہے
بچّوں نے اس کے قید کی آفت جو پائی ہے
اک شخص کے یہ ظلم و ستم کی ستائی ہے
سو اب ہمارے روضے پہ فریادی آئی ہے
کل اس کا بھید ہوئے گا[1] تم سب پر آشکار

یاں تو شریف کو یہ عنایت ہوا جواب
واں جا پلنگ الٹ دیا اس کا بعین خواب
فرمایا وہ جو شیر کے بچّے ہیں دل کباب
بھجوا دے ان کو شہر نجف میں تو کل شتاب
ورنہ تو اس گنہ سے بہت ہوگا شرمسار

ماں ان کی ان کے واسطے آنسو بہاتی ہے
فریادی ہو کے روتی ہے اور غل مچاتی ہے
اور تین دن ہوئے ہیں نہ پیتی نہ کھاتی ہے
غش ہو ہمارے روضے میں جی کو کھپاتی ہے
جلدی سے ان کو بھیج دے کر اونٹ پر سوار

وہ تھر تھرا کے کانپ اٹھا اور ہو کے عذرخواہ
بولا نجف تو بندرہ دن کی ہے یاں سے راہ
جانا یہ اس نے یہ ہیں شہنشاہِ دیں پناہ
بھجوا دوں کس طرح سے انھیں کل میں پُر گناہ!
اتنا تو اس غلام میں کب ہے گا اختیار،،

تب حکم یہ ہوا اُسے ”جس وقت ہو سحر
بھجوا دے اپنے شہر کی آبادی سے اُدھر
جلدی سے دونوں بچّوں کو رکھوا کے اونٹ پر
جب پہنچیں گے یہ شہر کے دروازے کے اوپر
واں پیدا ہوگا غیب سے اک ناقۂ وسوار

ہوتے ہی صبح اس نے منگا کر وہ دو بچے[2]
رکھوا کے ایک اونٹ پہ جلدی رواں کیے
جب لوگ آئے شہر کے دروازے کے تئیں[3]
کیا دیکھیں ایک شخص کو واں آدھی رات سے
ہے منتظر وہ اونٹ کی پکڑے ہوئے مہار

[1] اب ہوے گا کے بجائے ہو گا فصیح ہے ۱۲
[2] بچے میں جیم فارسی مشدد ہے، اردو میں یوں ہی چاہیے فارسی میں صرف فتح جیم فارسی کے ساتھ بھی بولتے ہیں ۱۲
[3] کے نزدیک عوام کی زبان ہے تحریر میں لانا خلاف فصاحت ہے ۱۲ آسی

جاتے ہی دونوں بچّے انھوں نے اسے دیے
وہ اُن بچّوں کو لے کے چلا اس شتاب سے
با احتیاط سونپ کے پھر شہر کو پھرے
آپہونچا اُس مکان میں اک پہر دن چڑھے
یکبار اُس کا شہر نجف میں ہوا گزار

بچّوں کے آتے آنے کی جب غل[1] ہوئی کرُوڑ
جب لا کے اُس کے سامنے بچّے دیے وہ چھوڑ
وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منھ کو موڑ
یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچّوں کو اپنے پیار

بچّے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دودھ سے لگے
یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
اُس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسی ہی اُس کے منھ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اُس نے بچّے پائے تو ہو کر وہ شادماں
روضے کے سات بار تصدق ہوئی وہاں
بچّوں سمیت اُٹھ کے وہ حیوان بے زباں
پھر آستانہ چوم ہوئی واں سے وہ رواں
جا پہونچی اپنے دشت میں خوش ہو کے ایک بار

شیر خدا کے عدل کی یہ دیکھ رسم و راہ
انصاف ایسا چاہیے اے شاہ دیں پناہ
خلقت تمام واں کی پکاری یہ واہ واہ!
حامی و منصف اور نہیں کوئی تم سا شاہ
ہے ختم تم پہ عدل و حمایت کا کاروبار

حیواں تمھارے لطف سے جس وقت ہوویں شاد
جیسے تمھارے در سے ملی شیرنی کی داد
انساں پھر مکاں سے رہیں کیونکہ نامراد
احساں لیسے ایسے بہت اے کرم نہاد
ہیں[2] گے تمھارے صفحۂ عالم میں یادگار

اے شاہ یہ نظیر تمھارا غلام ہے
عاصی ہے پرگناہ ہے اور ناتمام ہے
رکھتا سوا تمھارے کسی[3] سے نہ کام ہے
دن رات اُس کا آپ سے اب یہ کلام ہے
رکھ لیجو میری آبرو یا شیر کردگار "

[1] غل بمعنی شور۔ اب زیادہ فصحا کی زبان پر تذکیر ہے"
[2] ہیں کے بجائے ہیں گے اب فصیح نہیں سمجھا جاتا"
[3] اس قسم کی تعقید شعر کو سست کردیتی ہے"
آسی

(۱۰)

خیبر کی لڑائی

ہو کیوں نہ بڑا[۱] غم سے خوارج کا دھاڑا؟ — جڑ پیڑ سے کفر اُن کا نہ کیوں جائے اُکھاڑا؟
گھر طیش مخالف کا رہے کیوں نہ اُجاڑا؟ — لے نام علی "جب کہوں للکار جباڑا[۲]"
دریائے فلک کا بھی دہل جائے کڑاڑا[۳]

پہلے تو پیمبر سے لڑا تھا وہ کڑک کے — رستم کے تئیں ٹوک لے، دے زال[۴] کو دھلکے
چھٹ جائیں وہاں سام و نریمان کے چھکے[۵] — ہیں شاہ کی جرات کے جہاں دھوم دھڑکے[۶]
نیزوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دکھتی تھی مرے شاہ کی جب آنکھ سراسر — پیش آیا جبھی معرکۂ قلعۂ خیبر
اس واسطے گھر چھوڑ گئے اُن کو پیمبر — اور آپ نبی لے کے چلے دین کا لشکر
جھنڈوں کے تئیں آن کے میدان میں گاڑا

دن رات تو مچی آن کے خیبر کی لڑائی — اور سر فتح کئی روز تلک ہاتھ نہ آئی
لے ناد علی[۷] حق نے پیمبر کو بھجائی — جبریل نے یہ بات وہیں آن سنائی
یہ گڑھ[۸] تو کسی طرح نہ جاوے گا اُکھاڑا

اعدا یوں ہی بہت روز تلک تم سے لڑیگا — لشکر پہ لڑائی کا بڑا بوجھ پڑے گا
پامال نہ ہو، خاک میں ہرگز نہ گڑے گا — جب تک نہ علی آن کے اس گڑھ پہ چڑھے[۹] گا
یہ گڑھ تو اُسی شاہ سے جاوے گا اُکھاڑا

یہ سنتے ہی حضرت نے مرے شہ کو بُلایا — آئے تو وہیں چھاتی سے بس اپنی لگایا
آنکھوں میں لب پاک لگا کر یہ سُنایا — "اس فتح کا ہے حکم ترے[۱۰] نام پہ آیا
بے شک یہ مکاں تم سے ہی جاوے گا اُکھاڑا"

۱ بڑا دھاڑا ہونا - بڑا حال ہونا - خوارج، خارجی کی جمع ۱۲ ۲ جباڑا کوئی لفظ متداول کتب لغت میں نہیں - غالباً یہ جبھاڑا کا آزادانہ تجربہ ہے جبھاڑا جبھو سے بنا ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو نہایت زبردست زبان رکھتا ہو - فصیح گویا - بڑا بولنے والا - بڑا غل مچانے والا غل سے مغز کھا جانے والا - پہلے مصرع میں اجاڑا بمعنی اجاڑ ۱۲ ۳ کڑاڑا - دریا کا بلند کنارا - دریا کا ٹیلا ۱۲ ۴ زال رستم کا باپ - سام رستم کا دادا - نریمان سام کا باپ رستم کا پردادا ۵ چھکے چھوٹنا - ہوش اڑنا - حواس باختہ ہونا - ۶ دھوم دھڑکا رونق - چہل پہل یہاں مراد چرچے شہرت - ذکر اذکار ۱۲ ۷ ناد علی - ایک دعا کا نام ۱۲ - ۸ گڑھ قلعہ ۱۲ آسی ۹ چڑھے بحذف ہا بھی درست ہے چنانچہ ذوق کا مطلع ہے ؎ جھلکے ہے ترے ماتھے پہ جھومر کا پڑا چاند + کا بوسہ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند ۱۲ پرز فقیر شہباز - ۱۰ پہلے مصرع میں ترے، اور ٹیپ کے مصرع میں تم - یہ شتر گربہ ہے جو ممکن ہے کہ نظیر کے زمانے میں صحیح مان لیا جاتا ہو مگر اب جائز نہیں - عبدالباری آسی ——

یہ سنتے ہی حیدرؓ نے زرہ، خود پہن کر | دلدل پہ چڑھے کہہ کے جو "اللہ اکبر!"
آئے وہ وہاں پہ تھا جہاں قلعۂ خیبر | کاوے کو لگا کر دیا رہوار کو چکر
نیزے کو ہلایا کبھی ترچھا کبھی آڑا

کہتے ہیں کہ خیبر ہے بڑے کوہ کے اوپر | گرد اس کے دھرا ہے وہاں اک سخت سا پتھر
دلدل کو پھرا شاہ نے دروازے پہ آکر | ہمّت کر اٹھا ہاتھ کو مارا جو زمیں پر
پتھر میں وہیں گڑ گیا نیزہ جو ہیں گاڑا

جب آ کے ہوے واں اسد اللہ نمایاں | تب چلنے لگے تیر و تبر، خنجر و پیکاں
دروازے پہ خیبر کے جو بیٹھا تھا نگہباں | حیدرؓ کے خط و خال پہ جب اُس کا گیا دھیان
منھ دیکھ کے کافر نے وہیں شاہ کو تاڑا

چلّا کے جبھی اُس نے یہ آواز سنائی | "کیا بیٹھا ہے کم بخت ہے شامت تری آئی
جو کچھ کہ نشانی تھی بزرگوں نے بتائی | سب اس اسد اللہ میں دیتی ہے دکھائی
اب گڑھ ترا جاتا ہے اسی دم میں اکھاڑا

دستی ہے نجوموں کی سفیدی میں سیاہی | جاتے ہی مکاں لیوے گا یہ شیر الٰہی
یہ تیر یہ پیکان ہیں حیدر کی گواہی | آئی ہے ترے کفر کی کشتی پہ تباہی
آیا ہے وہیں شیر الٰہی کا نواڑا"

یہ سنتے ہی مرحب کو غضب طیش چڑھ آیا | آواز سے حارث کو وہیں اُس نے بلایا
لے لشکر کفار کو باہر نکل آیا | حیدر سے چڑھا لڑنے کو وہ دیو کا جایا
تیار کیا لڑنے کو کشتی کا اکھاڑا

صف باندھے اُدھر لشکر کفار کھڑا تھا | اور ایک طرف کو تھا علم فوجِ علیؓ کا
اور دونوں طرف تیز طبل جنگ کا باجا | آواز نقیبوں نے وہیں زور کی دی آ
اور جنگ کا میداں میں جما آ کے اکھاڑا

؎ نے۔ بے ضرورت ہے ۱۲ ؎ کاوا دینا گھوڑے کو اس طرح چکر دینا کہ ایک دائرہ سا بن جانے ؎ دستی ہے یعنی دکھائی دیتی ہے نجوموں یعنی ستاروں میں ۱۲ ؎ نواڑا کشتی ۱۲ ؎ جایا۔ بچہ۔ لڑکا۔ ؎ اب باجا متروک ہے اس کی جگہ بجا بولتے ہیں۔ نقیب وہ لوگ جو بادشاہوں یا امرا وزرا کی سواری کے آگے آگے آواز لگاتے جاتے ہیں یا کسی کی باریابی یا ... کے موقع پر آواز بلند پکار کر بتلاتے ہیں۔ چوبدار، ہرکارہ ۱۲ آسی

پہلے تو ہوئی جنگ عمودوں[1] کی نمودار — پھر اُن کی کمندوں کا کھلا حلقۂ خونخوار
پھر برق کی صورت سے چمکنے لگی تلوار — شیروں سے ہوا آن کے میدان نمودار
جوں رعد کے ہوتا ہے گرجنے میں جھنگاڑا

ہر سمت سے آتے ہی گھٹا چھا گئی گھنگھور — تیروں کا برسنے لگا مینھ آن کے پُر زور
شمشیر کی بجلی بھی چمکنے لگی چو[1] اور — ایدھر سے ہوا لشکر اسلام کا غل شور
اودھر سے ہر اک کافر بدکیش دہاڑا[2]

مرحب نے اکھاڑے میں قدم آکے دیے گاڑ — حارث بھی اُسی آن بنا آن کے اک تاڑ
خم ٹھونک بدل تیوری کو بازو کے تئیں جھاڑ — اس زور سے نعرہ کیا واں آن کے چنگھاڑ
کہ قاف کے پردے میں گویا دیو چنگھاڑا

یوں کہنے لگا لشکر اسلام کو للکار — آ دے جو ہو کوئی تم میں پہلوان نمودار
تو ہاتھ مرا دیکھ لے اور زور کے آثار — کیا تاب ہے مجھ سے جو لڑے آن کے اک بار
میں نے تو سدا دیو کے سینے کو ہے پھاڑا"

یہ سنتے ہی حیدر نے دی رکھ ہاتھ سے صمصام[3] — اور سیدھے چلے آئے اکھاڑے میں اُٹھا گام
قنبر نے لیا دوڑ کے دلدل[4] کے تئیں تھام — مرحب سے لڑے لے کے جب اللہ کا وہ نام
آپس میں لگا ہونے گرزوں کا جھڑاڑا

مرحب تو وہیں گر پڑا یہ دیکھ کے ساماں — سب پہ ہوئے مولیٰ کے مرے زور نمایاں
اُس کافر بدکیش کے تب چھٹ گئے اوساں — مولیٰ نے اُسے مار کے ٹھوکر سے اُسی آں
حارث کو کچل کوٹ کے، مرحب کو پچھاڑا

تھا اُن میں ہی اک اور پہلوان زور آور — مرحب کو اُٹھانے لگا آکر وہ زور آور
دلدل نے اُسے دیکھ کے جلدی سے اُچھل کر — اک لات جڑی قہر کی دانتوں سے پکڑ کر
یوں چاب لیا جیسے چباتے ہیں سنگھاڑا

[1] چاروں طرف [2] دہاڑنا۔ شیر کا گرجنا۔ شیر کا بولنا۔ ڈرو کنا۔ چنگھاڑنا۔ غرّانا۔ گونجنا ۱۲ [3] صمصام تلوار ۱۲ [4] دلدل۔ گھوڑے کا نام ۱۲ حضرت علی

حارث کو گرا شام کو مرحب کے تئیں مار
میداں میں کیے فتح کے آثار نمودار
حملہ کیا خیبر کے اُوپر آن کے اک بار
گھوڑے کے اُوپر حیدری نعرے کے تئیں مار
پتال کی جڑ سے درِ خیبر کو اُکھاڑا

تھیں شاہ کی جرأت کی جہاں تک کہ ترنگیں
سب کانپ گئیں قلعۂ خیبر کی النگیں[1]
کتنے تو وہاں بھاگ گئے مار شلنگیں[3]
اور کتنے گئے بھول وہاں آن کے جنگیں
ہر گبر کو پھر تپ سے چڑھا آن کے جاڑا

تب اُن پہ چلی آن کے اسلام کی تلوار
بھاگا کوئی زخمی، کوئی بسمل، کوئی خوں بار
ڈھونڈھے نہ ملا پھر کسی بدکیش کا آثار
سب دور ہوئے گلشنِ دنیا سے خس و خار
اور کفر کے جنگل پہ بجا دیں کا کلھاڑا

کی فتح غرض شاہ نے خیبر کی لڑائی
بدکیشوں کی پل مارتے میں کر دی صفائی
کفار میں اسلام کی نوبت کو بجائی
خیبر میں پھری آن کے حیدر کی دُہائی
سب اُڑ گیا پھر آن کے کفار کا دھاڑا[4]

میں مدح نظیر اب جو بناتا ہوں ہمیشہ
دولت ہی کا انعام میں پاتا ہوں ہمیشہ
کھاتا ہوں کھلاتا ہوں لٹاتا ہوں ہمیشہ
خیرات اُسی در سے میں پاتا ہوں ہمیشہ
جاری ہے سدا میرے شہنشاہ کا باڑا[5]

(۱۱)

مناقب شیر خُدا

نورِ ظہورِ خالقِ اکبر کو کیا لکھوں
روحِ روانِ جسمِ پیمبر کو کیا لکھوں
دریائے معرفت کے شناور[6] کو کیا لکھوں
دونوں جہاں کے گوہرِ انور کو کیا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ حیدر و صفدر کو کیا لکھوں؟

[1] زمین ۱۲
[2] باشندہ - فوج ۱۲
[3] لمبے لمبے قدم رکھنا ۱۲
[4] بھیڑ - ہجوم - بڑی جماعت ۱۲ جتھا
[5] باڑا - احاطہ - چار دیواری - بکھیر دان - خیرات وغیرہ جو شادی میں ہندو لوگ فقیروں اور کمینوں وغیرہ کو دیتے ہیں ۱۲ شہباز
[6] شناور - تیراک - تیرنے والا ۱۲ اشرف

گر نور اُس کا دیکھ کہوں شمس اور قمر
تارے تو جوں ستارے[1] ہیں اُس کفش پا اُپر
وہ اُس کا ذرّہ نور کا وہ اُس کا فیض بر
اور قطب[2] بھی تو اُس سے ہی قائم ہے بخطر

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

گر فی المثل میں اُس کو کہوں روضۂ جناں
اور جو بھلا میں خوبیٔ رضواں سے دوں نشاں
جھکتی ہیں بارِ عجز سے جنّت کی ڈالیاں
سو وہ بھی اُس کے باغ کا ادنیٰ ہے باغباں

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں ؟

اور جو کہوں کہ چشمۂ آبِ حیات ہے
اُس کے عرق[3] سے جسم کے یہ قطر جات ہے
یا خضر ہے، تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟
اور اُس کی اُس کے فضل سے یار و نجات ہے

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں ؟

اُس شاہ کے اگر لب و دنداں کی صفا
سو وہ تو صدقے ہو کے رہا خاک میں گڑا
کہوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا
اور یہ بھی ہو نثار سدا آب میں رہا

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں؟

شاہا تری جو مدح[4] بناتا ہے اب نظیر
لیکن قلم کو ہاتھ لگاتا ہے جب نظیر
تیرے سوا کسی کا کہاتا ہے کب نظیر
صلوات پڑھ کے یہی سناتا ہے تب نظیر

حیرت میں ہوں کہ حیدرِ صفدر کو کیا لکھوں

(۱۲)

زورِ بازوئے علیؓ

ایک معجزہ کہتا ہوں میں اُس شاہ کا سن کر
اک کافر بدذات چلا لڑنے کی دھن[5] کر
موتی سے سخن ہیں تو اسے ڈھلگے ہے چن کر
آسا منے حیدر کے غضب آگ سا بھُن کر

جوں اونٹ ذبح کرتے ہیں چلاّ کے دہاڑ[6] ا

---

[1] ستارے سے مراد وہ چھوٹی چمکدار ٹکلیاں جو سلمے ستارے میں ہوتی ہیں اور جوتوں پر بھی ٹانکتے ہیں
[2] قطب ایک مشہور ٹھہرا ہوا تارا جس کے گرد دو تارے گردش کرتے ہیں اور انکو فرقدان یا فرقدین کہتے ہیں قطب خود گردش نہیں کرتا ۱۲
[3] عرق پسینہ ۱۲
[4] مدح بنانا کی بجائے اب مدح کہنا یا مدح لکھنا یا مدح کرنا۔ کہنا چاہیے ۱۲
[5] ضد ۱۲
[6] دہاڑنا شیروں کی طرح شور کرنا۔ بڑے زور سے چیخنا ۱۲

اشرف علی

کہنے لگا میں تم سے علی کشتی لڑوں گا
کشتی کے جو ہیں پیچ علی تم سے کروں گا
خم ٹھونک کے میدان میں علی تم سے اڑوں گا
ہاں، یا علی میں آپ سے کچھ گر نہ پڑوں گا
ہر چند علی آپ نے دیووں کو پچھاڑا[۱]

جب شاہ اُٹھے جوش میں آطیش و غضب کے
یک بار رگی اُس کافر بد ذات سے لپٹے
کر یاد خدا ہاتھ کمر بند میں اُس کے
اک ہاتھ سے پھینکا جو اُسے تین چرخ فے
یوں گر پڑا جوں گرتا ہے دریا کا کراڑا

چاہا جو اُٹھے خوف سے وہ کانپے دھڑک کر
اُس شاہ نے ماری وہیں اک لات کڑک کر
روح اُس کی نکلنے لگی نتھنوں سے پھڑک کر
نتھنوں سے لہو ڈال کے ماتھے پہ چھڑک کر
منکر کا اجل لے چلی دریا کو نواڑا

دانتوں سے پکڑ تنکا وہ بولا علی، آیا
تقصیر ہوئی مجھ سے میں اپنا کیا پایا
پھر اُس کو مسلماں کیا، کلمہ کو پڑھایا
کفار میں جا دین کے ڈنکے کو بجایا
دیں داری کو جاری کیا اور کفر کو گاڑا

(۱۳)

مدح پنجتن

کروں کیا وصف میں اُن کا الم ناک
کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک[۲]
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک
کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک[۳]
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد رحمتہ للعالمیں ہے
حبیب حق شفیع المذنبیں ہے
رسول پاک ختم المرسلیں ہے
کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
لگا تحت[۴] الثری سے تا بہ افلاک

[۱] کشتی ۱۲ [۲] لولاک لما خلقت الافلاک یعنی اے محمد اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا [۳] ادراک یعنی قوت مدرکہ ۱۲ [۴] تحت الثریٰ سے مراد زمین کے نیچے یا نیچے کی زمین ۱۲ اشرف علی

لے عدن بہشت کے باغ جن میں اہل بہشت ہمیشہ رہیں گے صحیح لفظ بفتح اول و سکون دوم ہے ١٢ سے لبن بفتح اول و دوم دودھ ١٢

محمد اور علیؓ یا قوتِ احمر		دُرِ بحرِ خدا خاتونِ اطہر
زمرد لعل ہیں شبیر و شبر		جواہر خانۂ قدرت کے اندر
	یہی پانچوں گہر ہیں پنجتن پاک	
انھیں کے واسطے خلدِ عدنؔ ہے		انھیں کے واسطے نہر لبنؔ ہے
جنھیںؔ ان کی محبت کا چلن ہے		بہشتی حُلّہ اور اُن کا بدن ہے
	سدا سیر بہشت اور سایۂ تاک	
جسے اُن کی محبت پل بہ پلؔ ہے		اُسی کو دین اور دنیا کا پھل ہے
جو کوئی ان کی اُلفت میں دغلؔ ہے		تو اُس مرتد کی یارو یہ مثل ہے
	کہ جیسے بوئے طوبیٰؔ بیج کر ڈھاک	
علی جو شہسوارِ لافتا ہے		امیر المومنیں شیرِ خدا ہے
فلک ہیبت سے اُس کی کانپتا ہے		علی جو صفدرؔ روز وغا ہے
	کہ جس کی شرق سے ہے غرب تک دھاک	
علی ہے قاتلِ کفّارِ گمراہ		علی کا حکم ہے ماہی سے تا ماہ
نبی کا قوت بازو ید اللہ۔		اُٹھا دے چرخ کی گردش تو واللہ
	ابھی تھم جائے دم میں چرخ کا چاک	
علی نے مہد میں چیرا ہے اژدر		علی نے کاٹ ڈالے عمر و عنتر
اُلٹ ڈالا ہے اک حملے سے خیبر		خواص اشیا کا پھیرے گر دہ سرور
	تو ہو تریاکؔ زہر اور زہر تریاک	
علی کو مصطفےٰ نے جی کہا ہے		علی کو جسمک جسمی کہا ہے
علی کو لحمک لحمی کہا ہے		علی کو روحک روحی کہا ہے
	یہ سمجھے وہ خدا دے جس کو ادراک	

سے یعنی جنھیں ان کی محبت ہے مصرع بجائے خود موزوں ترکیبا الجھا ہوا ہے بہشتی حلہ۔ لباس بہشتی ١٢ سے پل بہ پل ایک متروک ترکیب ہے مصرع ثانی سے مراد یہ کہ دین و دنیا میں برخوردار ہے ١٢ سے دغل کھوٹا ١٢ سے طوبیٰ جنت کا ایک درخت جس کی ایک شاخ جنت کے ہر گھر میں پہونچی ہوئی ہوگی اور اس سے طرح طرح کے میوے اہل جنت کو حاصل ہوں گے سے تریاک یعنی زہر کو دور کرنے والی دوا ١٢ آسی

علی کو خاص نسبت ہے نبی سے — نبی کو راہ دل میں ہے علی سے
وہ دونوں ایک تن اور ایک جی سے — کسی کو تاب کیا غیر از علی سے
جو پہنے مصطفیٰ کے تن کی پوشاک

علی کو جو کوئی پہچانتا ہے — برابر مصطفیٰ کے مانتا ہے
جو ان میں کچھ تفاوت جانتا ہے — وہ اپنے خاک سر پر چھانتا ہے
لگائی اُس نے دوزخ کی گرتاک

علی کی دوستی میں جو مرے گا — اُسی کو باغ جنّت کا ملے گا
علی کے بغض میں جو جان دے گا — وہ ملعون دوزخ اندریوں جلے گا
کہ جیسے آگ پر جلتا ہے خاشاک

جسے وصف علی کچھ سالتا ہے — اُسی کو دوزخ آخر ڈھالتا ہے
جو اُن کا بغض دل میں پالتا ہے — گویا بھر بھر کے ڈلیاں ڈالتا ہے
وہ اپنے دین اور ایمان میں خاک

جو رکھے دشمنی حیدر سے یک مو — وہ بیشک ہے سیہ دل اور سیہ رو
جو لے سگی سے نام مرتضیٰ کو — نہ جاوے اُس شقی کے منھ سے بدبو
کرے گر شاخ سے طوبیٰ کی مسواک

پڑھوں جس دم مناقب میں علیؓ کا — پھٹے سینہ مخالف خارجی کا
حواس اڑ جاوے ہر اک ناصبی کا — دھڑک جاوے کلیجہ مدّعی کا
عدو کا دم میں ہو جائے جگر چاک

رہوں یاں جب تلک رکھ میری عزت — مروں تو کچھ نہ ہو مجھکو اذیت
پھر آوے جس گھڑی روز قیامت — نظر اپنے کی واں بھی رکھیو عزت
خداوندا بحق پنجتن پاک

له سالنا سوراخ کرنا۔ چھیدنا۔ تکلیف دینا۔ آزار پہنچانا ۱۲ سه اپنے سانچے میں ڈھالتا ہے یعنے پہلے آگ میں گلاتا ہے پھر مٹی کے نئے نئے قالب میں ڈھالتا ہے ۱۲ سه ڈلیا ٹوکری مٹی پھینکنے کی ۱۲ پروفیسر شہباز

(۱۴)

مدح پنجتن پاک

ہے دل میں میرے یاد جو بارہ امام کی
اور آرزو ہے ساقی کوثر کے جام کی
یہ بیت مجھ کو ورد ہے ہر صبح و شام کی
تسبیح ہزار دانہ ہے اور اُن کے نام کی
سمرن[لہ] مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اول تو دل ہو صاف، دوم جسم تابناک
سویم کہاؤں دونوں جہاں میں گنہ سے پاک
چوتھے عدو کا غیب سے ہو جاوے سینہ چاک
اور پانچویں میں ڈالوں مخالف کے سر پہ خاک
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

تن ہے سو پاک صاف معطر ہو مثل پھول
ہو روح شاد، دل نہ ہو میرا کبھو ملول
دونوں جہاں میں خوش رہوں از خدمتِ رسول
روزہ، نماز، ورد، وظائف ہوں سب قبول
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

بھاگے چڑیل، کانپ اُٹھے بھوت اور پلید
ٹل جاویں دیو، چھپنے لگیں منکرِ شدید
جن و پری ہوں دل سے مرے آن کر مرید
جیتا رہوں تو شاہ، جو مر جاؤں تو شہید
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

نعرہ کروں جو حیدری، ہل جاویں سب پہاڑ
تھرّاویں چشمہ سار، ہلیں ڈر سے بوٹے جھاڑ
گر خارجی ہو آوے مرے آگے مثل تاڑ
پگڑی کو اُس کی پھینک کے داڑھی کو لوں اُکھاڑ
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

اے دوستو عجب ہے بنا پنجتن کا نام
جس کے طفیل اتنے بر آتے ہیں سب کے کام
جو ہیں سو ہیں یہی ختم الخیر والسلام
اور ہیں جو ہوں نظیرؔ تو کہتا ہوں صبح و شام
سمرن مجھے بھلی ہے یہ پنجتن کے نام کی

[لہ] سمرن تسبیح پنجتن جیسے کہ اس مصرع میں آیا ہے اس کو فصحائے حال قابل اتباع نہیں سمجھتے۔ یعنی بروزن فاعلن فصیح اور بروزن فعلن غیر فصیح ۱۲ آسی

(۱۵)

ثمرۂ عقیدت

جو محب ہیں خاندانِ مصطفےٰ کے دوستدار
اور علی مرتضیٰ پر جان و دل سے ہیں نثار
سب سنیں دل شاد ہو یہ ماجرا تفصیل وار
ہیں جو عباس علی کرار، غازی، نامدار
اُن کا میں اک معجزہ لکھتا ہوں باعزّ و وقار

آرکاٹ اک شہر ہے واں ایک ساہوکار تھا
جتنے واں زردار تھے اُن سب میں وہ سردار تھا
مال و زر کا گھر میں اُس کے جابجا انبار تھا
اُس کے اک بیٹا سعادتمند، برخوردار تھا
گل بدن گل پیرہن، گلرنگ، گل رو نامدار

دوسرا اُس کے کوئی بیٹی نہ بیٹا تھا مگر
ایک بیٹا تھا وہی سرو رواں رشکِ قمر
تھا پنھاتا اُس کو پوشاک اور جواہر سربسر
بسکہ اکلوتا جو تھا، اس واسطے اُس کے اُوپر
باپ بھی جی سے فدا اور ماں بھی دل سے تھی نثار

اُن دنوں میں تھا برس تیرہ کا اسکا سن وسال
جب نظر آتا اُسے ماہ محرم کا ہلال
تعزیہ خانوں میں جاتا چھپ کے وہ رعنا غزال
مرثیوں میں سن کے شاہِ کربلا کے غم کا حال
پیٹتا سینے کو اور ماتم سے روتا زار زار

تعزیے کے سامنے ہو کے مؤدب سر جھکا
مورچھل رو رو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا
جب علم اُٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
یاحسین ابن علی کہکر علم لیتا اُٹھا
لوگ دیکھ اُس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

شام سے آ کر وہ قندیلیں جلاتا دمبدم
قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دمبدم
عودسوزوں میں اگر لاکر گراتا دمبدم
اہلِ مجلس کے تئیں شربت پلاتا دمبدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا تھا واں کا کاروبار

لیکن اس کے باپ کو ہرگز خبر ابتک نہ تھی — جب سنا اُس نے تو بیٹے پر بہت تاکید کی
بھڑکا اور مارے طمانچے، خوب سی تنبیہ کی — اور کہا "اے بے حیا، بدبخت، موذی، بدعی
ذات سے کیا تو نکالے گا بھی مجھے اے نابکار؟"

اُس کے دل میں تو شہید کربلا کا جوش تھا — تعزیہ پر دھیان تھا، اور مرثیے پر گوش تھا
باپ تو کرتا نصیحت، اور وہ خاموش تھا — نے طمانچوں کا اُسے، نے جھڑکیوں کا ہوش تھا
اُٹھ گیا تھا اُس کے دل سے صاف سب کا ننگ و عار

باپ نے تو دن میں یہ اُس پر کیا رنج و عتاب — رات کو پھر تعزیہ خانوں میں جا پہونچا شتاب
پھر پکڑ لایا اُسے جاکر بصد حال خراب — الغرض سو سو طرح اُس پر کیے رنج و عذاب
اُس نے پر جانا نہ چھوڑا اُس مکاں کا زینہار

اپنا بیگانہ اُسے جاکر بہت سمجھاتا تھا — پر کسی کا کب کہا خاطر میں اُس کی آتا تھا
رونا اور ماتم ہی کرنا اُس کے دل کو بھاتا تھا — تعزیہ خانے کی جانب یوں وہ دوڑا جاتا تھا
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

جب تو سب نے تنگ ہو کر مصلحت ٹھانی بہم — جس سے کرتا ہے یہ ماتم اور اُٹھاتا ہے علم
کیوں نہ اب اس دم وہی ہاتھ اُسکا کر ڈالو قلم؟ — کہہ کے یہ آخر کو سب نے ہے قیامت! ہے ستم!
کاٹ ڈالا ہاتھ جلد اُس بے گنہ کا ایک بار

الغرض کر ہاتھ اُس مظلوم کا تن سے جدا — کوٹھری میں کر کے بند اور قفل اوپر جڑ دیا[1]
نے اُسے کھانا کھلایا نے اُسے پانی دیا — شام تک بھوکا پیاسا کوٹھری میں تھا پڑا
دیکھ اپنے ہاتھ کو روتا تھا ڈاڑھیں مار مار

وہ اندھیری کوٹھری، وہ بھوک وہ پانی کی پیاس — ہاتھ سے لوہو کی بوندیں ہیں ٹپکتیں آس پاس
کس مصیبت میں پڑا وہ گلبدن زریں لباس — ہاتھ زخمی، خون جاری، دل پریشاں، جی اُداس
کس سے مانگے داد، اور کس کو پکارے بار بار

[1] قفل جڑ دیا یعنی تا لابند کر دیا ۱۲ آسی

وہ تو اپنی بیکسی کے درد میں روتا تھا واں ۔ اس میں کیا ہے دیکھتا اس کوٹھری کے درمیان
ہو گیا اک بارگی نورِ تجلّی کا نشاں ۔ اُس تجلّی میں نظر آیا اُسے اک نوجوان
کاندھے کے اوپر علم پہلو میں تیغ آبدار

داستانہ[۱] ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر ۔ تن میں اک پہنیں زرہ اور خود زرّیں فرق پر
دائیں کو تیر و کماں، بائیں کو شمشیر و تبر ۔ جس طرح ابرِ سیہ میں برق ہووے جلوہ گر
اس طرح اُس کوٹھری میں آ گیا وہ شہسوار

اُس نے جب اُس نوجواں کے نور کی دیکھی جھلک ۔ تھا مجسم وہ تو حق کا نور سر سے پانوں تک
دیکھتے ہی اُس کا ہیبت سے گیا سینہ دھڑک ۔ مند گئیں آنکھیں وہیں اور کھا گئیں پلکیں جھپک
ہو گیا بے ہوش وہ مجبور زخمی دل فگار

تاب کس کی ہے جو اُس چہرے کے آگے تاب لائے ۔ ماہ کیا گر شمس بھی دیکھے تو اپنا سر جھکائے
ایسے طالع ایسی قسمت، یہ نصیبا کون پائے ۔ ایسا شہزادہ مقدس جس کے گھر تشریف لائے
آدمی کیا ہے فرشتوں کا نہیں عزّ و وقار

وہ تو وہ نورِ تجلّی دیکھ بے خود تھا پڑا ۔ اس عنایت اس کرم کا کچھ بھی یارو انتہا
آپ گھوڑے سے اُتر کے نورِ چشم لافتا ۔ اُس بریدہ دست کو اُس کے دیا تن سے ملا
اور کہا اُٹھ جلد اے آلِ نبی کے دوستدار

وہ جو آنکھیں کھول کر دیکھے عجب انوار[۲] ہے ۔ روشنی ہے جس کی روشن سب در و دیوار ہے
ہاتھ کو دیکھا تو خاصا ہاتھ بھی تیار ہے ۔ نہ تو اُس میں درد ہے نہ خون کا آثار ہے
رہ گیا یک بارگی حیرت میں وہ مظلوم زار

پھر جو اس لڑکے کو اس میں ہوش سا کچھ آ گیا ۔ ہو تصدق اور وہیں پاؤں کے اوپر گر پڑا
اور کہا رو رو کر ا تو ہاتھ تن سے تھا جدا ۔ یہ تمھیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے ملا
سچ بتاؤ کون ہو تم اے امیرِ نامدار ؟

[۱] داستانہ یعنی داستانہ سلاحِ جنگ میں سے ایک لوہے کی چیز تھی جسے لڑنے والے اس غرض سے ہاتھوں سے کہنیوں تک پہنتے تھے کہ وہ جگہ زخم سے محفوظ رہے
[۲] نور کی جگہ انوار لایا گیا ہے ۱۲ آسی

باپ نے تو میرے مجھ پر یہ ستم برپا کیا
مجھ بیکس پر جو تم نے کی یہ کچھ لطف و عطا
ہاتھ کاٹا قید کی، اور سو تعدّی و جفا
اب خدا کے واسطے جلدی سے اے بحرِ سخا
اپنا کچھ نام و نشاں مجھ سے کہو تفصیل وار"

جب کہا حضرت نے ہم بھی آدمی ہیں اے عزیز
خاکسار و عاجز و اندوہگیں ہیں اے عزیز
بندۂ درگاہِ ربّ العالمیں ہیں، اے عزیز
جن کا تو کرتا ہے ماتم وہ ہمیں ہیں، اے عزیز
آفریں صد آفریں اے پاک مومن دیندار

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی
کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی
نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباس علی
جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اُسے چاہے ہے جی
جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اُس کے غمگسار"

سنتے ہی اس بات کے اکبارہ وہ لڑکا غریب
یوں لگا کہنے بڑی قسمت بڑے میرے نصیب
ہو گیا شاد اور وہیں سر رکھ کے قدموں کے قریب
میں کہاں عاجز کہاں اللہ کے خاصے حبیب
میں تصدق ہوں تمہارا یا شہ والا تبار

یہ کرم یہ لطف یہ بندہ نوازی کس سے ہو؟
تم نے جو کچھ مجھ سے کی یہ چارہ سازی کس سے ہو
مجھ سے نالائق کی ایسی سرفرازی کس سے ہو؟
یہ حمایت یہ مدد یا شاہ غازی کس سے ہو؟
اس عنایت اس کرم کا ہے تمہیں پہ کاروبار

میں جو اپنے ہاتھ سے کرتا تھا ماتم بر ملا
حق اگر پوچھو تو کس کا ہاتھ ہے کٹ کر ملا؟
اور اٹھاتا تھا علم کو میں تمہارے جا بجا
یہ تمہیں سے ہو سکا جو پھر دیا تن سے لگا
ورنہ کس میں تھی بھلا یہ قدرت و یہ اقتدار

وہ ابھی راغب تھا اپنے درد کے اظہار کا
کیا دیا تن سے ملا ہاتھ اپنے ماتم دار کا
ایک پل میں پھر نہ دیکھا نقش اس اسوار کا
معجزہ دیکھو یہ ابنِ حیدرِ کرار کا
کس میں یہ قدرت ہے جز فرزند شیرِ کردگار

اب جو اس کے ہاتھ پر کٹنے کی آئی تھی گرہ کچھ حکیموں سے نہ ہوتا اگر وہ پھرتا دہ بدہ
اب انھوں نے کر دیا اک آن میں آتے ہی بہ یہ نہیں دست اور کا دست یداللہی ہے یہ
جز ید اللہ ہو بھلا کس دست سے یہ دستکار[۱]؟

کیا حسین ابن علی نے جس[۲] لیا میدان میں ! اور ہیں عباس علی کی بخششیں ہر آن میں
جن کے بیٹوں کے رہیں دل خلق کے احسان میں کیوں نہ پھر خالق کہے اُن کے پدر کی شان میں
لا فتیٰ[۳] الا علی لا سیف الا ذوالفقار

صبح کو اُس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا باپ ماں دیکھیں تو اُس کا ہاتھ تن سے ہے ملا
پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اُس نے سب کہا سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا
ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اُتار ہے

پھر ہوئی اس معجزے کی شہر کی خلقت میں دھوم ہو گیا اس طفل پر سب شہر کا آ کر ہجوم ہے
دیکھتا تھا جو کوئی لیتا تھا اُس کے ہاتھ چوم اور لگا آنکھوں سے یوں کہتا تھا ہر دم جھوم جھوم
یہ انھیں کی دوستی کے گل نے دکھلائی بہار"

الغرض ماں باپ اُس پر جان و دل سے ہو فدا لے کے لڑکے کو چلے دل شاد سوئے کربلا
راہ میں کرتے تھے لوگ اسکی زیارت جا بجا جب وہ منزل پہ اُترتے تھے تو واں کے لوگ آ
دمبدم کرتے تھے اپنا سیم و زر اس پر نثار

کو بکو شہر نجف میں بھی یہ شور و غل پڑے اک محبّ پاک دل آیا ہے ہندستان سے
واں کے بھی لوگ آئے سب اسکی زیارت کے لیے اور لاکھوں شخص آئے دور اور نزدیک کے
اس قدر یہ معجزہ سب میں ہوا واں آشکار

کربلا کے پاس پہونچا جس گھڑی وہ ماہتاب اُن شریفوں کو ہوا حکم شہ عالی جناب
اک ہمارا دوست آتا ہے چلا جوں موج آب کر کے استقبال تم جا کر اُسے لاؤ شتاب
اُس کی لازم ہے تمھیں دلداری کرنی بیشمار"

[۱] دستکار یعنی دستکاری ۱۲
[۲] جس شہرت۔ نیک نامی تعریف
[۳] کوئی جوان نہیں مگر علی۔ کوئی تلوار نہیں مگر ذوالفقار
آسی

کربلا کے لوگ نکلے اُس کے استقبال کو
لے گئے اسپ و شتر آرایش و اجلال کو
کر زیارت چوم اُس کے دست خوش افعال کو
سو تجمل سے غرض اُس صاحب اقبال کو
شہر میں لائے بصد اکرام و عزّ و افتخار

کام کیا کیا کچھ ہوے اُس سے خدا کی راہ کے
پھر خدا نے بھی اُنھیں یہ دست قدرت کے دیے
اُس نے کٹوایا تو ہاتھ اب اُن کے ماتم کے لیے
کیوں نہ پھر تن سے ملاتے وہ تو منصف ہیں بڑے
سیکھ جاوے اُن سے نصفت[1] آ کے ہر نصفت شعار

جب ہوے روضے میں داخل وہ محبّانِ علیؑ
کر زیارت اور تصدق ہو گئے دل سے ہر گھڑی
واں انھوں نے کچھ مکاں بنوانے کی تجویز کی
لڑکا بنواتا پھرے تھا ہاتھ میں لے کر چھڑی
کی عمارت آخرش رنگیں منقش، زرنگار

دین بھی اُس کو ملا دنیا بھی یارو، دیکھیو
اور محب پاک کہلایا تلک اس کو دیکھیو
کیا محبت کے چمن کی ہے یہ خوشبو، دیکھیو
کیا ہی طالع کیا ہی قسمت ہے محبّو دیکھیو
اُن کی الفت کا نہال آخر یہ لایا برگ و بار

یا علی عباس غازی صاحب تاج و سریر
سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر
جان و دل سے اب تمھارے نام کا ہو کر فقیر
یہ غلام روسیہ اب جس کو کہتے ہیں نظیر
آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار

(۱۶)

عشق اللہ

یعنی آزادوں کا سلام

پہلے اُس ختم رسالت سے کہو عشق اللہ
صاحب خلق و کرامت سے کہو عشق اللہ

[1] نصفت - انصاف ۱۲ آسی

گلشن دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ — نور حق شافع امّت سے کہو عشق اللہ

ہردم اُس شاہ ولایت سے کہو عشق اللہ

اور وہ ہے جس سے ہرا باغ امامت کا چمن — سبز پوش چمن جنّت فردوس حسن
زہر نے جس کا زمرّد سا کیا سبز بدن — یاد کرمومنو اس کا وہ ہرا پیراہن

سبزۂ باغ امامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ گل جس سے ہے گلزار شہادت کا کھلا — لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہل جفا
تین دن رات کا پیا سا وہ بہادر یکتا — لشکر شام کو للکار کے تنہا وہ لڑا

گوہر دُرج شجاعت سے کہو عشق اللہ

اور جس مرد کا ہے نام شہ زین عبارضؓ — [illegible] — کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ گرتا
جل کے لشکر وہ سبھی خاک سیہ ہو جاتا — پر سوا حق کی رضا اُس نے نہ کچھ دم مارا

اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ

باقرؓ و جعفرؓ و کاظمؓ و رضاؓ شاہ شہاں — اور تقیؓ نورنبی اور وہ نقیؓ قبلۂ جاں
عسکریؓ، مہدیؓ ہادی وہ امامِ دوراں — ہیں زمانے میں یہی بارہ امام اے یاراں

سب ہر اک صاحب عزّت سے کہو عشق اللہ

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں ولی پیغمبرؑ — عارف و کامل و درویش و مشائخ رہبر
اور جنھوں نے کہ ذرا حق کے اُپر کر کے نظر — راہ مولا میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر

اُن شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ

ہیں جہاں تک کہ جہاں میں جو ولی اور فقرا — ہر دم ان سب کے دلوں میں ہے بھرا عشق خدا
اور جس مرد نے خوش ہو کے براہ مولا — مال و جاں دولت و گھر بار تلک بخش دیا

اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ صابر و شاکر بہ رضائے اللہ — راہِ مولا میں چلے لے کے توکّل ہمراہ

جا کے جنگل میں پہاڑوں میں لگا حق پہ نگاہ — دل میں خوش بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ
اُن جوانوں کی قناعت سے کہو عشق اللہ

وہ جو کہلاتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے — بندگی کرتے ہی کرتے وہ سبھی خاص ہوئے
خاک بھی ہوگئے پر کرتے ہیں ہر دم سجدے — کہیں ہیں بات نہ بوٹے ہیں عبادت کے مزے
دوستو اُن کی عبادت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جن پہ ہیں احوال دو عالم کے کھلے — چلتے دریا میں ہیں اور روے ہوا پر اُڑتے
چاہیں پتھر کے تئیں لعل کریں نظروں سے — چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم سے لے
اُن کی سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جو عشق کا گلزار کھلاتا ہے نظیر — پنجتن پاک کا عالم میں کہاتا ہے نظیر
ریختہ، فرد، رباعی بھی بناتا ہے نظیر — کہ سخن عشق کا پھر سب کو سناتا ہے نظیر
اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

(۱۷)

نظیر روضۂ حضرت سلیم چشتی رح پر

نظیر کا حضرت شیخ سلیم چشتی رح کی مدح میں اس طرح سرگرم کلام ہونا کہ ایک ایک شعر ایک ایک لفظ ایک ایک حرف میں عقیدت اور ستائش و مدحت کا ایک ذخار دریا موجزن ہے نظیر کی فراخ مشربی روشن دماغی کی زبردست دلیل ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ صرف مدح کرتا اور گذر جاتا ہے بلکہ وہ اُن سے اسی طرح التجا بھی کرتا ہے جیسے کسی اپنے مذہب کے پیشوا سے ہ

رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجد ہر احساں حضرت سلیم چشتی

شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بہاءالدین رح کے فرزند ارجمند اور حضرت فرید الدین گنج شکر کی

اولاد میں سے تھے۔ آپ ہندوستان میں شیخ الاسلام اور عرب میں شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے والد ماجد آپ کی ولادت سے قبل لدھیانے میں رہتے تھے۔ اس کے بعد دہلی تشریف لاکر محلہ سرائے علاء الدین زندہ پیر میں مقیم ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ کی ولادت بقول صاحب معارج الولایت سنہ ۸۸۴ھ میں اور بقول صاحب اخبار الاخیار سنہ ۸۷۷ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کسی وجہ سے دہلی چھوڑ کر فتحپور سیکری میں متوطن ہوئے تو وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اور پھر آپ اپنے بھائی موسیٰ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہیں تھی لہذا آپ کو اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھا۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو عازم سفر ہوئے مگر آپ کے بھائی کو یہ مفارقت بہت شاق ہوئی اور انھوں نے عذر کیا کہ تم کو کیونکر جدا کروں میرے اولاد اور بھائی جو کچھ ہو تمھیں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تم کو لڑکا عنایت کرے گا چنانچہ اس کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ اور آپ سرہند تشریف لے گئے جہاں شیخ مجد الدینؒ سے جو اُس وقت کے مشہور اور زبردست عالم تھے۔ آپ نے تکمیل علوم ظاہری کی سنہ ۹۳۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں متعدد حج کیے۔ روضہ نبوی کے عرصہ تک مجاور رہے۔ اس کے بعد آپ عرب و عجم کی سیاحت میں مشغول رہے اسی اثنا میں شیخ ابراہیم چشتی سے بیعت کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور پھر آپ سے بہت سے لوگوں نے بیعت کر کے مراتب عالیہ حاصل کیے۔ جب اس سفر طویل کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے تو سیکری میں مقیم ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہنے لگے۔ یہیں آپ نے عقد کیا یہیں اہل و عیال کے ساتھ متاہلانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اور بہت سی عمارتیں باغ اور کنویں وغیرہ تعمیر کیے۔ سنہ ۹۶۲ھ میں بعض پریشانیوں کی وجہ سے آپ پھر حج کے لیے تشریف لے گئے اور جب آپ دوبارہ حرمین شریفین سے واپس ہو کر فتحپور سیکری میں مقیم ہوئے تو آپ نے اپنے عقیدتمندوں اور حاضر باشوں سے کہا کہ میں نے دو ارادے کیے ہیں ایک اُن میں سے کرنا ضرور ہے یا کہ ترک طعام کروں یا ترک کلام۔ معتقدین نے عرض کیا کہ اگر سکوت اختیار کیا تو

سب لوگ فیوض ارشادات سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے آپ نے ترک طعام کیا اور آخر عمر تک کبھی سات آٹھ دن اور کبھی بارہ دن کے بعد آپ بقدر سدّ رمق ایسا کھانا کھالیا کرتے تھے کہ جس میں گوشت نہ ہوتا تھا۔ آخر ۲۹ر رمضان یوم پنجشنبہ ۹۷۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس سے پہلے اپنے صاحبزادے بدرالدینؒ کو یہ کہہ کر اپنا قائم مقام اور سجادہ نشین کیا تھا کہ حضرت گنجشکرؒ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ فتحپور سیکری میں مدفون ہوے جہاں آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے خوارق عادات کی حکایات بہت سی ہیں جو کتب سیر و تذکرہ میں دیکھنا چاہییں۔

عبدالباری آسی

ہیں دو جہاں کے سلطاں حضرت سلیم چشتیؒ — عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتیؒ
سر دفتر مسلماں حضرت سلیم چشتیؒ — مقبولِ خاص یزداں حضرت سلیم چشتیؒ
سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتیؒ

برج اسد کی رونق عرش بریں کے تارے — گلزارِ دین کے گلبن اللہ کے سنوارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے — "تم وہ ولی ہو برحق، جو فیض سے تمھارے
عالم ہے باغ دبستاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہوں کے بادشاہ ہو با تاج با لوا ہو — اور قبلۂ صفا ہو اور کعبۂ ضیا ہو
خلقت کے رہنما ہو دنیا کے مقتدا[1] ہو — تم صاحب سخا ہو محبوب کبریا ہو
ہے تم سے زیب امکاں حضرت سلیم چشتیؒ

شاہ و گدا ہیں تابع سب تیری مملکت کے — لائق تمھیں ہو شاہا اس قدر و منزلت کے
پروردہ ہیں تمھارے سب خوان مکرمت کے — شاہا شرف تو بخشی خالق کی سلطنت کے
اتم ہو میر ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے نامِ پاک تیرا مشہور شہر و[2] بن میں — کرتی ہیں یاد تم کو یہ جانیں ہیں جو تن میں

---

[1] مقتدا وہ جسکی پیروی کی جائے ۱۲
[2] ہندی اور فارسی الفاظ میں واوٗ عاطفہ کو اب اکثر فصحا خلاف فصاحت جانتے ہیں ۱۲ آسی

ہے خُلق کی تمھارے خوشبو گل و سمن میں ... خدمت میں ہیں تمھاری فردوس کے چمن میں
جنّت کے حور و غلماں حضرت سلیم چشتیؒ

کعبہ سمجھ کے اپنا مشتاق تیرے در کو ... کرتے ہیں آ زیارت دل سے جھکا کے سر کو
اوصاف تیرے ہر دم لیتے ہیں سیم و زر کو ... پڑھتے ہیں مدح تیری گلشن میں ہر سحر کو
ہو بلبل خوش الحاں حضرت سلیم چشتیؒ

ہے سلطنت جہاں کی سب تیرے زیر فرماں ... چاکر ہیں تیرے در کے فغفورؔ[1] اور خاقاں
خوان کرم پہ تیرے ہے خلق ساری مہماں ... ہیں حکم میں تمھارے جنّ و پری و انساں
ہو وقت کے سلیماں حضرت سلیم چشتیؒ

تم سب سے ہو معظّم اور سب سے ہو مکرّم ... خلقت ہوئی تمھارے سب نور سے مجسّم
اور خوبیاں جہاں کی تم پہ ہوئیں مُسلّم ... ابرِ کرم سے تیرے دائم ہے سبز و خرّم
عالم کا سب گلستاں حضرت سلیم چشتیؒ

پشت و پناہ ہو تم ہر اک گدا و شہ کے ... محتاج ہیں تمھاری اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آ کے پہنچے سالک تمھاری رہ کے ... خاک قدم تمھاری در چشم[2] مہر و مہ کے
ہو روشنی کے ساماں حضرت سلیم چشتیؒ

چشم و چراغ ہو تم اب جملہ مومنیں کے ... روشن ہیں تم سے پردے سب آسمان زمیں کے
بیشک ضیائے دل ہو ہر صاحب یقیں کے ... ذرّہ نہیں تفاوت تم آسماں ہو دیں کے
ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتیؒ

عالم ہے سب معطّر تیرے کرم کی بو سے ... حرمت ہے دوستوں کو حضرت تمھارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں سو دل کی آرزو سے ... رکھیو نظیرؔ کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجۂ بحر احساں حضرت سلیم چشتیؒ

[1] چین کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جس کو ان آبا نے ایک بت کے زیر چڑھایا تھا بعد کو مدت تک چین کے ہر بادشاہ کا یہی خطاب یا لقب رہا — خاقان۔ بڑا بادشاہ۔ پہلے چین اور ترکستان کے بادشاہوں کا یہی خطاب ہوتا تھا ۱۲ سعد

[2] در چشم مہر و مہ کے میں "دو" کے " زائد ہے۔ اس لیے کہ در چشم مہر و مہ خود ہی معنی دیتا ہے۔ اس قسم کی ترکیبیں متاخرین کے لیے داخل عیب نہیں۔ قدما کے یہاں اس کو ناجائز نہیں جانتے تھے ۱۲ آسی

(۱۸)

نذر حضرت گرو گنج بخش رح

نظیر کا مذہب تو ضرور امامیہ تھا۔ اُس نے کہیں صحابۂ کرام کی مدح نہیں کی۔ اور بعض جگہ انھیں کے ساتھ حضرت علیؓ کی مدح بھی بھول گیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار دشوار اور سخت دشوار ہے کہ وسیع المشربی اور روشن خیالی کے ساتھ ہی اُس کو بزرگان دین اور اولیائے کرام کی خدمت میں ایک خاص عقیدت تھی۔ جس کے متعلق مقدمے میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ حضرت سلیم چشتیؒ کی مدح تو جیسی کی ہے وہ آپ نے پڑھی اُن کے عرس کی دھوم دھام میں نظیر کے کیف روحانی کو ملاحظہ کیا۔ مگر کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ نظیر وطن پرست تھا۔ اپنے وطن کا ذرہ ذرہ اُس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔ پھر اتنی بڑی ہستی کی وہ مدح کیوں نہ کرتا۔ جس کے مزار کی شمع کے چکر لگانے کے لیے دنیا پروانہ وار چلی آتی ہے۔ جن کے متبرک روضہ پر آج تک انوار کی شب و روز بارش ہو رہی ہے۔ مگر گرو گنج بخش کی مدح میں کوئی کیا کہے گا۔ اس کو دیکھ کر یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی پنجابی کی فرمائش سے یہ نظم لکھی اور اس کی وجہ یہ معلوم ہے کہ ان بزرگ کا مزار لاہور میں ہے: دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ خصوصیت سے اس نظم میں پنجابی لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ سُرت چرن دے نال۔ اسی طرح ہندی کے بھی کئی لفظ لائے گئے ہیں جن کی بظاہر کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔

یا پھر یہ ہے کہ دنیاوی ضرورتوں اور آلام نے ان کو مجبور کر رکھا تھا اور کسی سے انھوں نے ان بزرگ کی تعریف سنی ہے۔ اور معاً عرضداشت پیش کر دی۔ مگر اس سب کے باوجود بھی انداز مؤدبانہ اور طرز عقیدتمندانہ نظیر کے حسن عقیدت کی گواہی دے رہا ہے۔ اور اس کے بعد کہنا ہی پڑے گا کہ وہ نام نہاد کوئی مذہب بھی رکھتے ہوں۔ مگر ان کا خلوص دنیا کی ہر مذہب و ملت کے بزرگوں اور واجب الاحترام ہستیوں کے لیے خوش آمدید کہنے کے واسطے تیار ہے۔ گرو گنج بخش کون تھے اسے

ذیل کی عبارت سے معلوم کیجیے۔

داتا گنج بخش

آپ کا نام شیخ علی مخدوم جلالی آپ کے باپ کا نام عثمان بن علی الجلالی تھا۔ آپ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی جنیدی کے مرید اور حنفی مذہب کے بزرگ تھے۔ علوم ظاہر و باطن پر آپ کو یکساں عبور تھا۔ زہد و تقویٰ اور خوارق عادات میں نہایت مشہور و معروف تھے آپ کا سلسلہ فقر شیخ شبلی تک پہونچتا ہے۔ آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ ابوالفضلؒ کے علاوہ دوسرے بزرگان دین مثل شیخ ابوالقاسم گورگانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری وغیرہم سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ سفینۃ الاولیا۔ اور نفحات الانس کے مصنفوں کی تحقیق کے مطابق آپ کا اصل وطن غزنین تھا۔ ہجویر اس شہر کا ایک مشہور محلہ تھا۔ چنانچہ آپ کے والدین کا مزار غزنین ہی میں ہے یوں تو آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مگر کشف المحجوب بہت مشہور ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فارسی میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو موضوع تصوف پر لکھی گئی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں جو فوائد الفواد کے نام سے معروف ہے لکھا ہے کہ آپ کے لاہور تشریف لانے سے پہلے خواجہ حسین زنجانی لاہور کے قطب تھے اور یہ بھی شیخ کے پیر بھائی یعنی حضرت شیخ ابوالفضل کے مرید تھے جب شیخ کے لیے ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جائیں اور وہیں مقیم ہوں انھیں خیال ہوا کہ وہاں خواجہ حسین موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے یہی سوچ کر یہ سو گئے مرشد نے فرمایا کہ تم وہاں جاؤ چون و چرا کی کیا ضرورت ہے اور پوچھنے کی کیا حاجت ہے چنانچہ یہ حسب ارشاد مرشد سفر کر کے لاہور پہونچے تو رات ہو چکی تھی شہر کے باہر آپ نے رات گزاری اور صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حسین زنجانی کا جنازہ آرہا ہے آپ نے جنازہ میں شرکت کی اور پھر بیرون شہر بجانب مغرب قیام فرمایا۔ اور وہیں خانقاہ و مسجد تعمیر فرمائی اور آخر عمر تک وہیں رہے چنانچہ آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔ آپ کی وفات ۴۶۵ھ ہجری میں ہوئی اور ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے ایک مقبرہ آپ کے مزار پر تعمیر کرایا۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے آپ کے مزار پر انوار

سے رخصت ہوتے وقت یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را پیر کامل ناقصاں را رہنما

اسی روز سے آپ داتا گنج بخش مشہور ہوئے۔

آسی

ہو رہ دلا مدام گدا گنج بخش کا	خوبی میں ہے قیام گدا گنج بخش کا
کر پا میں احترام گدا گنج بخش کا	لے دل ہمیشہ نام گدا گنج بخش کا
رکھ دھیان صبح و شام گدا گنج بخش کا	
ہر دم انھیں کی یاد کا رکھ دل میں تو خیال	اور رکھ سر[۳] تو اپنی انھیں کے چرن[۴] دے نال
کھوتے ہیں سب کے دل کے وہی رنج اور ملال	سیوک کو اپنے کرتے ہیں اک آن میں نہال
بخشش میں ہے یہ کام گدا گنج بخش کا	
آتے ہیں وہ مدد کے تئیں جلد ہر کہیں	اُن کا ہوا جو دل سے اُسے کچھ خطر نہیں
یہ بات ٹھیک ہے اسے کر جی میں تو یقیں	گرتا ہوا جو نام لے اُن کا تو اُس کے تئیں
لیتا ہے نام تھام گدا گنج بخش کا	
خوبی کچھ اُن کے لطف کی جاتی نہیں کہی	کرپا وہ اپنی رکھتے ہیں ہر آن ہر گھڑی
گھٹتے ہیں دکھ میں بادہ بہت ہوتے ہیں خوشی	کہتے ہیں جس کو لطف کی مسند ہوئی وہی
ہے دل سدا مقام گدا گنج بخش کا	
رکھ اُن کی لحظہ لحظہ تو کرپا اُپر نظر	وہ اپنے گنج لطف سے دیتے ہیں سیم و زر
جو چاہیئے مراد، اُنھیں سے تو عرض کر	جو دل سے پوجتے ہیں تو اُن سب کے حال پر
الطاف ہے مدام گدا گنج بخش کا	
اُن کی شرن میں آیا تو پھر دکھ نہ ہو کبھو	رکھ لیں گے اپنی مہر سے وہ تیری آبرو

[۱] کرپا، مہربانی مرحمت ۱۲ [۲] خیال دھیان ۱۲ [۳] قدم کے قریب پنجابی فقرہ ہے ۱۲ [۴] پناہ، حمایت شہباز

رکھ اپنے جی سے اُن کی ہی کرپا کی آرزو ۔۔۔ اَرداس کرکے سر کو جھکا اُن کے در پہ تو

لطف و کرم ہے عام گرو گنج بخش کا

کر عرض اُن سے اپنا تو احوال اے نظیرؔ ۔۔۔ اپنے کرم سے لیں گے تجھے پال اے نظیرؔ

رکھ اُن کی یاد جی میں تو ہر حال اے نظیرؔ ۔۔۔ رہتا ہے جگ میں خوشدل و خوشحال اے نظیرؔ

ہے دل سے جو غلام گرو گنج بخش کا

(۱۹)

گرو نانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو ۔۔۔ وہ کامل رہبر جگ میں ہیں یوں روشن جیسے ماہ گرو

مقصود، مراد امید سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گرو ۔۔۔ نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نرباہ گرو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو

سب سیس نوا اَرداس کرو اور ہر دم بولو "واہ گرو!"

ہر آن دلوں وچ یاں اپنے جو دھیان گرو کا لاتے ہیں ۔۔۔ اور سیوک ہوکر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں

گر اپنی لطف و عنایت سے سکھ چین اُنھیں دکھلاتے ہیں ۔۔۔ خوش رکھتے ہیں ہر حال اُنھیں سب تن کا کاج بناتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو

سب سیس نوا اَرداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو آپ گرو نے بخشش سے اس خوبی کا ارشاد کیا ۔۔۔ ہر بات وہ ہے اُس خوبی کی تاثیر نے جس پر صاد کیا

یاں جس جس نے اُن باتوں کو ہے دھیان لگا کر یاد کیا ۔۔۔ ہر آن گرو نے دل اُن کا خوش وقت کیا اور شاد کیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو

سب سیس نوا اَرداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

دن رات جنھوں نے یاں دل وچ ہے یاد گرو سے کام لیا ۔۔۔ سب من کے مقصد بھر پائے خوش وقتی کا ہنگام لیا

ﮮ۱ گرو۔ استاد، مرشد
ﮮ۲ نرباہ نباہ کا ہندوانہ لہجہ ۱۲
ﮮ۳ سیس نوا سر جھکا کر ۱۲
ﮮ۴ اَرداس۔ سکھوں کے لہجہ میں عرضداشت ہے ۱۲
ﮮ۵ وچ پنجابی میں بیچ کو کہتے ہیں ۱۲
ﮮ۶ سیوک۔ خادم پرستندہ ۱۲ شہباز

دکھ درد میں اپنے دھیان لگا جسوقت گرو کا نام لیا
پل بیچ گرو نے آن اُنھیں خوش حال کیا اور تھام لیا

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو''

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
وہ اپنی لطف و شفقت سے نت[1] ہاتھ[2] اُنھوں کے گہتے ہیں
دکھ دور اُنھوں کے ہوتے ہیں سو سکھ سے جگ میں رہتے ہیں

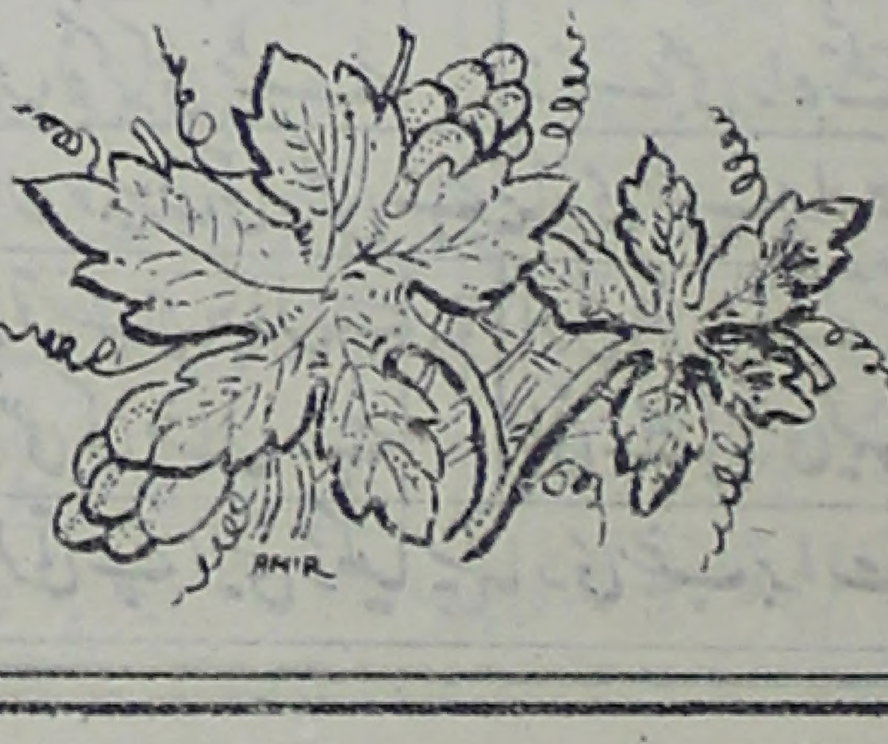
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا امید کرم کی دھرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ اُنھوں کے بھرتے ہیں
وہ اُن پر لطف و عنایت سے ہر آن توجہ کرتے ہیں
آنند[3] عنایت کرتے ہیں سب من[4] کی چنتا ہرتے ہیں

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

جو لطف و عنایت اُن میں ہیں کب وصف کسی سے اُنکا ہو
الطاف جنھوں پر ہیں اُنکے سو خوبی حاصل ہے اُن کو
وہ لطف و کرم جو کرتے ہیں ہر جا طرف ہیں ظاہر و د
ہر آن نظیر اب یاں تم بھی بابا نانک شاہ کہو

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو



۱؎ نت۔ ہمیشہ برابر ۱۲
۲؎ گہتے ہیں مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔ ہاتھ گہتے ہیں دستگیری فرماتے ہیں ۱۲
۳؎ خوشی ۱۲
۴؎ دل کے ترددات کو دور کرتے ہیں ۱۲ شہباز
نوٹ۔ یہ علامت استفہام کی ہے اور اکثر مشکوک مقامات میں لفظاً عبارات مشکوک پر خط عرضی کھینچ کر داہنی طرف بنا دی گئی ہے اس غرض سے کہ اگر ناظرین کا رفع شک ہو جائے یا کوئی صحیح نسخہ اُن کو معلوم ہو تو اُس سے مطبع کو بھی مطلع فرمائیں تاکہ طبع آئندہ میں شکریہ کے ساتھ ترمیم و تصحیح مناسب کر دی جائے۔
مہتمم